جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ کا علمی، دینی، دعوتی فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

معارف قاسم جدید دہلی

بیادگار: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند

جلد نمبر: ۱۳ | جنوری تا مارچ ۲۰۱۴ء | شمارہ نمبر: ۲۷

زیر سرپرستی

- حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، دیوبند
- حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی لکھنؤ
- حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ، گجرات
- حضرت مولانا محمد ابراہیم مظاہری، گجرات

زیر نگرانی

- حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی لکھنؤ
- حضرت مولانا محمد عیسیٰ منصوری، لندن
- حضرت مولانا نسیم احمد مظاہری، میرٹھ
- حضرت مولانا مفتی عبداللہ پٹیل، گجرات

مدیر اعلیٰ: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی **مدیر**: ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

مجلس ادارت

مفتی احمد نادر القاسمی، مولانا شاہد ناصری الحنفی، مولانا حمید الدین مظاہری، مفتی عقیل انور مظاہری، مفتی محمد انصار قاسمی

Circulation Incharge
Shahid Abdullah (Mob: +91-9873629832)

رابطہ

Muzaffar Husain Rahmani
K-79, 2nd Floor, Street No.5
Abul Fazal Enclave-I
Jamia Nagar, New Delhi -110025
Mob: +91-8750505501

سالانہ تعاون

300 روپے
بیرون ممالک کے لیے 150 ڈالر
خلیجی ممالک کے لئے 500 درہم

Address for
Cheques-&-Drafts
Monthly Maarif-e- Qasim
Jadeed Delhi

کمپوز وڈیزائن: محمد ارشد عالم ندوی

پرنٹر پبلیشر، چیف ایڈیٹر محفوظ الرحمٰن عثمانی نے ایم آر پرنٹرس 2818، گلی گڑھیا دریا گنج نئی دہلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''معارف قاسم جدید'' کے-۷۹، دوسری منزل، اسٹریٹ نمبر ۵، ابوالفضل انکلیو پارٹ نمبر ا، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

Ph.: +91-11-26981876, Fax: 26982907, Mob: +91-9811125434
E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com / www.jamiatulqasim.com

Jamiatul Qasim Darul Uloom-il- Islamia
At & P.O. Madhubani, G.P.O. Partap Ganj
Distt. Supaul-852125 Bihar (India)
Jamia Ph.: +91-9771807585, 9931906068, 9931515312

حسن ترتیب

شمار	مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
۱	کلمات خیر	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	3
۲	اداریہ	ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی	6
۳	محمد عربی ﷺ کا پایۂ عظمت	ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی	9
۴	سیرتِ نبوی ﷺ، تعمیر اخلاق اور صحت مند معاشرہ	پیر محمد کرم شاہ الازہری	13
۵	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی...	مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی	17
۶	سیرتِ طیبہ اور ہماری ذمہ داریاں	سید احمد ومیض ندوی	22
۷	پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیوں کیا جائے؟	ڈاکٹر حمید اللہ	25
۸	رسول کریم ﷺ کے دعوتی مکاتیب کی معنویت عہد حاضر میں	ظفر دارک قاسمی	28
۹	انسانی حقوق کا دائمی منشور	ڈاکٹر محمد طیب خان	33
۱۰	اسلام کی پہلی دو وحی انسانیت کا چارٹر	جاوید چوہدری	35
۱۱	قرآن مجید کی درست تلاوت	حافظ ساجد انور	38
۱۲	سید محمد رشید رضا کی قرآنی خدمات	ڈاکٹر شہاب الدین (علی گڑھ)	41
۱۳	نکاح کے بغیر جنسی تعلق-نظامِ خاندان کی تباہی	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	44
۱۴	ٹورزم اور قرآن	مولانا انور جمال قاسمی مظفر پوری	54
۱۵	مدارس دینیہ ایک تعلیمی مشن اور ایک تحریک	ابو محمد مفتی احمد نادر القاسمی	59
۱۶	عصر حاضر کی مسلم خاتون اور جدید فیشن: ایک تجزیہ	مشتاق احمد مختار احمد	68
۱۷	معروف صحافی وادیب ظفر عدیم کی وفات پر خراج عقیدت	ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب	70
۱۸	تبصرہ (فتاویٰ بسم اللہ)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	76
۱۹	سفر نامہ برما (حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ)	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی	78
۲۰	تکبیر مسلسل	مفتی محمد انصار قاسمی	114
۲۱	کوائف جامعہ	ابو حمنہ شہاب	130
۲۲	معارف کی ڈاک	حضرت قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب	141

کلمات خیر

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

ہم ایسے موقع پر ۲۰۱۴ء کا استقبال کر رہے ہیں جب اتر پردیش کے ضلع مظفر نگر و شاملی میں فرقہ وارانہ فسادات کا شکار ہوئے، ہزاروں مرد و خواتین اور معصوم بچے و بوڑھوں کو یوپی حکومت کے عتاب کا سامنا ہے۔ پہلے فسادات میں ان کا بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصان ہوا اور اب ان پر دہشت گردی تک کا الزام عائد کیا جا رہا ہے۔ شمالی ہند کی شدید سردی میں بھی ہمارے یہ بھائی اپنے بچوں اور بزرگوں کے ساتھ کھلے آسمان کے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں، مگر انسانیت سوز مظالم کا ثبوت دیتے ہوئے حکومت کے اشارہ پر یہاں بھی انہیں سکون سے نہیں رہنے دیا جا رہا ہے اور کئی راحتی کیمپوں کو پولس نے رات کے اندھیروں میں اجاڑ دیا اور خیموں پر بلڈوزر چلا دیا۔ اتر پردیش کی ملائم حکومت سے ہمارا پرزور مطالبہ ہے کہ وہ مظفر نگر اور شاملی کے فساد زدگان کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے ان مجرمین کے خلاف سخت کارروائی کرے اور مظلومین کی بازآبادکاری کیلئے مخلصانہ قدم اٹھائے، ورنہ جن مسلمانوں نے انہیں سر آنکھوں پر بیٹھایا ہے ۲۰۱۴ء کے لوک سبھا انتخابات میں وہی مسلمان انہیں سبق بھی سکھا دیں گے۔ بلاتفریق مذہب وملت ہماری سبھی مسلمان بھائیوں سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ اپنے ان پریشان حال بھائیوں کی ہر طرح سے مدد کریں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ جس جذبہ کے ساتھ اس بار ملی و دینی تنظیمیں اور مدارس کے ذمہ دار مظفر نگر کے مظلومین کے امدادی کیمپوں میں جا جا کر مدد کر رہے ہیں، ان کے اس کار خیر کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، ہم ان کے اس جذبہ کو سلام کرتے ہیں۔

اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں
ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

قدرت بھی ہمیں ایسے مواقع دیتی رہتی ہے کہ ہم اپنے علاوہ اللہ کے دوسرے بندوں کے لئے بھی کچھ کر سکیں۔ مولانا رومؒ نے اس حوالے سے ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے: ایک صاحب حیثیت شخص ایک حاجت مند کے پاس سے گزرا تو اسے اس شخص کی حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا، اس نے خدا سے عرض کیا کہ اے مالک تو اس کے لئے کیوں کچھ

نہیں کرتا۔اسے غیب سے آواز آئی کہ خدا نے اس غریب شخص کی حاجت روائی کے لئے تجھے پیدا کیا ہے''

جب ہم دوسروں کی بھلائی کے بارے میں سوچتے ہیں تو دراصل اپنا فائدہ کررہے ہوتے ہیں اور یہی پیغام ہے اس خاص مہینہ ربیع الاول (جس کی ۱۲ رتاریخ کو یوم عید میلا النبی ﷺ کے طور پر دھوم دھام سے منایا جاتا ہے) میں دنیا میں تشریف لانے والے پیغمبر اسلام، حبیب کبریا، خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سیرت کا۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی غریبوں اور مجبوروں کی مدد کی، بیواؤں اور یتیموں، مسکینوں اور معذوروں کی مدد کرنے میں نہ آپ کوئی عار محسوس کرتے تھے اور نہ تھکتے تھے، بلکہ ان کی خدمت کرکے آپ ﷺ اطمینان، سکون اور خوشی محسوس فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کو بھی آپؐ اس کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''**خیر الناس من ینفع الناس** ''لوگوں میں اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ لوگوں میں اچھا بننے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہم مخلوق خدا کی خدمت کریں اور اس کو فائدہ پہنچائیں، کیونکہ اسی میں ہماری دنیاوی اور آخرت کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا: ''جو شخص کسی مسلمان کی کوئی دنیاوی تکلیف دور کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن کی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل کرے گا، جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست کے لئے آسانی پیدا کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے لئے آسانی پیدا فرمائے گا اور جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ (اس وقت تک) اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے''۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

قارئین کرام! ربیع الاول کے مہینہ میں اللہ کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، آپؐ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے، کچھ مورخین نے ۱۲/ربیع الاول اور کچھ نے ۹/ربیع الاول کو ترجیحی بنیاد پر ذکر کیا ہے۔ اسی مناسبت سے ۱۲/ربیع الاول کے موقع پر بہت سے مسلم ممالک سمیت برصغیر ہند۔ پاک میں بھی مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے گھروں اور محلوں میں چراغاں، اور جلسے جلوس کا اہتمام ثواب کی نیت سے کرتا ہے، جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس موقع پر سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنی زندگی کو بدلنے کا عہد کریں، نیکی اور بھلائی کے راستے پر چلنے اور برائیوں کو ترک کرنے کا دل سے ارادہ کریں، دنیا کو اسلام اور اپنے آخری نبی کی سیرت و

کردار کا پیغام پہنچانے کا عہد کریں، اصل میں عید میلا النبی ﷺ یہ ہے، غیر کا طریقہ اختیار کر کے سڑکوں پر جلوس نکالنا اور شور و ہنگامہ کرنا نہیں۔ جس بات کی کوئی سند دین میں نہ ہو اس کو اختیار کرنا عبادت نہیں ہے، بلکہ مردود ہے۔ اس موقع پر اللہ کے پریشان حال بندوں کی مدد کرنے اور دین و اسلام اور مدارس اسلامیہ کے تحفظ و بقا کیلئے کوششیں کرنے کا مستحکم عزم کرتے ہوئے ہم اس بات کا بھی جائزہ لیں کہ ہماری یہ چند روزہ زندگی اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کے بتائے ہوئے راستے اور تعلیمات کے مطابق بسر ہو رہی ہے کہ نہیں، مگر افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور سیرت نبوی کی روشنی میں صحیح راستے کا انتخاب کرنے کے بجائے ان طریقوں اور اصولوں پر ایمانی جذبے کے ساتھ چل رہے ہیں جن کے بارے میں واضح ممانعت ہے۔

نبی آخر الزماں، رسول برحق، حبیب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''**فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین ، تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور، فان کل محدثة بدعة ، وکل بدعة ضلالة ،،وفی روایة النسائی وکل ضلالة فی النار**'' (مسلمانو! تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے ہی کو اختیار کرنا اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا اور دین میں اضافہ شدہ چیزوں سے اپنے کو بچا کر رکھنا اس لئے کہ دین میں نیا کام (چاہے وہ بظاہر کیسا ہی ہو) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ ہر گمراہی جہنم تک لے جانے والی ہے) (ابوداود، نسائی)

اب اگر کوئی شخص اجر و ثواب کے لئے یا دین سمجھ کر ایسا کام کرتا ہے جس کام کو نہ نبیؐ نے کیا نہ خلفاء راشدین نے، نہ صحابہ کرام میں سے کسی نے کیا، نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے، نہ ائمہ عظام نے اور نہ ہی محدثین کرام نے، تو ایسے عمل سے اس مسلمان کو ثواب تو نہیں مل سکتا، البتہ گناہ ضرور ملے گا، کیونکہ اللہ کے نبی کا ارشاد ہے: **من عمل عملا لیس علیه أمرنا فهو رد**،، جس نے کار خیر سمجھ کر کوئی کام کیا اور اس کام کا میں نے حکم نہیں دیا تو وہ عمل مردود ہے،،۔ (صحیح مسلم)

میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اسے کسی مسلک کے آئینہ سے نہ دیکھیں بلکہ دینی نقطۂ نظر سے غور کرنے کی کوشش کریں، یہی میری دعوت ہے اور یہی میرا مقصد پیغام۔

❁ ❁ ❁

اداریہ

مظفر نگر فساد کے بعد، درد کی داستاں

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

یہ سچ ہے کہ نیتاؤں کی زبان جب دراز ہونے لگتی ہے تو ساری حدوں کو پار کر جاتی ہے اور اس پر لگام لگانا آسان نہیں ہوتا ،خیر سے معاملہ کرسی کے حصول کا ہوتا تو یہ حضرات اپنی شرافت کو بھی طاق پر رکھ دیتے ہیں، ملک کی عزت، عوام کے احسان، اپنے اخلاق اور فرض منصبی کا احساس تو دور کی بات ہے۔ ہندوستان میں گزشتہ چند سالوں میں ان کی زبان درازی کے قصے زیادہ سامنے آئے ہیں۔ سیاسی معاملے ہوں کہ سماجی یا اقتصادی انہوں نے ملک کے عوام کو بے وقوف بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مظفر نگر کے مظلومین پر ہو رہے مظالم کا مسلمانوں کا مسیحا کہے جانے اور مسلمانوں کے ووٹوں کی بدولت اتر پردیش کے اقتدار کی کرسی پر قابض ہونے والے سماج وادی پارٹی کے سربراہ ملائم سنگھ یادو اور ان کی حکومت میں داخلہ سیکریٹری انل گپت نے جس طرح سے مذاق اڑایا ہے اس نے پوری انسانیت کو شرمسار کر دیا ہے، پھر بھی ہم انہیں مسلمانوں کا مسیحا یا خیر خواہ قرار دیں اور ان کی شان میں قصیدے پڑھیں تو اس میں کس کا قصور؟ سر پیٹنے کی نوبت تو اس وقت آتی ہے جب ان کی بے تکی بیان بازی پر جھٹ دی جانے والی صفائی کو ہم دل سے تسلیم کر لیتے ہیں اور زبان سے دیے گئے ان کے زخم کو نظر انداز کر دیتے ہیں، مگر اتر پردیش کی ایس پی سرکار نے مظفر نگر اور شاملی کے مسلم کش فساد کے ذریعہ جو 'زخم ناسور' دیے ہیں وہ شاید کبھی نہیں بھر سکے۔ ہم یہ قطعی نہیں کہتے کہ یہ فسادات یوں ہی برپا ہو گئے اور اس کے پیچھے ہندوستان کی مسلمان دشمن طاقتوں کا ہاتھ نہیں ہے، بلکہ یہ سب مسلمانوں کو اس ملک سے مٹانے کی منظّم سازش کا ہی ایک حصہ ہے کہ جس کی وجہ سے مظفر نگر ہندوستان کا دوسرا گجرات بنا۔ بی جے پی کے ذریعہ نریندر مودی جیسے انسانیت کے قاتل کو وزیر اعظم کے امیدوار کے طور پر پیش کرنا، اس کے بعد ۲۰۱۴ کے لوک سبھا انتخابات کیلئے مودی کے بہت ہی خاص اور گجرات فسادات کے تجربہ کار امت شاہ کو یوپی کا انچارج بنایا جانا۔ یہ سب انہیں جعفرانی سازشوں کی کارستانی ضرور ہے، لیکن مظفر نگر کے دلخراش واقعے کیلئے جہاں بھگوا پارٹیاں ذمہ دار ہیں، وہیں ریاست کی ایس پی اور مرکز کی کانگریس سرکار پوری طرح مجرم ہے۔ اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ مظفر نگر اور شاملی میں اگر مودی کے چہیتوں نے مسلمانوں کے سروں کی فصل کاٹی ہے تو ملائم سنگھ کی حکومت نے کٹوائی ہے اور منموہن سنگھ حکومت تماشائی بنی رہی ہے، گویا اس حمام میں سب ننگے ہیں۔

یوپی کے اسمبلی انتخابات میں بھاری اکثریت سے ملائم سنگھ یادو کو اقتدار سونپ کر ریاست کے مسلمانوں نے جو تاریخ رقم کی تھی اس کا سماج وادی حکومت نے بھر پور صلہ دیا ہے۔مظفر نگر اور شاملی کے مسلمانوں کا قتل اور انہیں بے گھر کر کے جو انعام اکھلیش یادو کی سرکار نے انہیں دیا ہے اسے ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا کے لوگوں نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ گھر بار تباہ و برباد ہوجانے کے سبب اپنے ہی وطن میں خیموں میں اپنے بچوں اور عزیزو اقارب کے ساتھ پریشان حال زندگی بسر کرنے پر مجبور ان بے سہاروں کی مدد کرنا تو دور ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے میں مصروف ہیں سماج وادی پارٹی کے لیڈران۔

یوپی کے اسمبلی انتخابات میں بھاری اکثریت سے ملائم سنگھ یادو کو اقتدار سونپ کر ریاست کے مسلمانوں نے جو تاریخ رقم کی تھی اس کا سماج وادی حکومت نے بھر پور صلہ دیا ہے۔مظفر نگر اور شاملی کے مسلمانوں کا قتل اور انہیں بے گھر کر کے جو انعام اکھلیش یادو کی سرکار نے انہیں دیا ہے اسے ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا کے لوگوں نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

گزشتہ دنوں ملائم سنگھ یادو نے مظفر نگر فسادات کے متاثرین کے لئے قائم کیے گئے امدادی کیمپوں پر جو شرمناک بیان دیا ہے اس کی چوطرفہ مذمت کی گئی۔ملی اور سیاسی رہنما ان سے معافی کا مطالبہ کیا، مگر ملائم کی دیدہ دلیری کا کوئی جواب نہیں،کس ڈھٹائی کے ساتھ سے انہوں نے کہہ دیا کہ'' کانگریس اور بی جے پی کے حامی اتر پردیش میں ان کی پارٹی کی حکومت کی شبیہ خراب کرنے کی سازش کے تحت امدادی کیمپوں میں رہ رہے ہیں،فساد زدگان تو گھر واپس لوٹ چکے ہیں، جو وہاں رہ رہے ہیں وہ دراصل بی جے پی اور کانگریس کے لوگ ہیں،آپ چاہیں تو پتہ لگالیں، یہ وہ لوگ ہیں جو سازشی ہیں اور بی جے پی اور کانگریس کے کارکنان ہیں''

کتنے افسوس کی بات ہے کہ اپنے بیان پر ملائم سنگھ قطعی شرمندہ نہیں ہیں، مگر ان کی پارٹی کے مسلم لیڈران حق نمک ادا کرتے ہوئے صفائی دینے کیلئے کود پڑے ہیں اور یہاں تک کہہ دیا کہ 'نیتا جی کی نیت اور خلوص پر شک نہیں کیا جاسکتا'۔ایس پی کے ان سورماؤں کو مہینوں سے امدادی کیمپوں میں رہ رہے ہزاروں لوگ نظر نہیں آئے۔ان کے درد کو محسوس کرنا تو دور کی بات ان کیلئے حق بات بولنے کی بھی ان میں ہمت نہیں ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ اتر پردیش کی اکھلیش حکومت کے وزراء، اعلیٰ رہنما، پارٹی کے نمائندے ان کیمپوں کی دردناک صورت حال کا جائزہ لینے کیلئے آج تک نہیں جا سکے۔کیا ان کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ کیمپوں میں بے موت مر رہے بچوں کی زندگی کیلئے مناسب اقدام کریں؟۔جان لیوا بیماری میں مبتلا ان بچوں کے اعلاج کیلئے ڈاکٹروں کی ٹیم بھیجیں اور اچھی دواؤں کا بندوبست کریں۔جبکہ میڈیا اور سماجی وملی تنظیموں سے وابستہ لوگ رزانہ فسادزدگان کا درد بانٹنے کیلئے پہنچ رہے ہیں، ان کی اشک

شوئی کررہے ہیں اور چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے ہیں کہ یو پی حکومت ان کی بازآبادکاری میں بالکل نام ہے۔انہیں کیمپوں میں آکر ان کی پریشانیوں پرتوجہ دینی چاہئے مگر حکومت کے نمائندے کان میں روئی ٹھونس کرفساد پر سیاست تو کررہے ہیں لیکن وہاں جانے سے کترا رہے ہیں۔ملائم کے گاؤں 'سیفئی' میں رقص وسرور کی محفلیں سجی، ملائم اوراکھلیش یادوغیرملکی دوشیزاؤوں کے بدیسی ٹھمکے سے خوب لطف اندوز ہوئے،سرکاری فنڈ سے کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے گئے،مہمانوں کیلئے گیس ہیٹر لگایا گیا مگرمظفرنگر کے راحت کیمپوں میں رہ رہے لوگ دانے دانے کو ترستے رہے۔یہی ہے اقلیتوں کے مسیحا کا اصلی چہرہ۔

خیموں کی ان بستیوں میں آج بھی ہرطرف خوف و دہشت کا ماحول ہے،افراتفری اور بے چینی ہے،معصوموں کی موت پر لاچاراور بےبس ماؤوں کے آنسوخشک نہیں ہو پارہے ہیں، بیماری اور بھوک سےفسادزدگان کا براحال ہے،کھانے پینے کی اشیاء اور دواؤں کا فقدان ہے۔مظفرنگر اور شاملی کے درجن بھرراحت کیمپوں میں ۲۰رہزار کے قریب فساد سے متاثر افراد مقیم ہیں،جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔عورتوں، بزرگوں اور بچوں کوسب سے زیادہ پریشانی کا سامنا ہے۔ بہت سی خواتین حمل سے ہیں،ان کے علاج ومعالجہ کیلئے کوئی نظم نہیں ہے۔تقریبا ۱۰۰۰ربچے کے سروں پرموت منڈلا رہی ہے،مگران کی خبرگیری کرنے والا کوئی نہیں ہے،شمالی ہند کی اس جان لیواسردی میں ان پر کھلے آسمان کے نیچے کیا بیت رہی ہے اسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔کسی کے پاس کپڑے ہیں تو سردی سے بچنے،اوڑھنے اور بچھانے کیلئے کچھ بھی نہیں ہے۔راتوں میں جب ساری مخلوق گرم بستر چین وسکون کی نیند سوتی ہے،خیموں کی ان بستیوں میں وقفے وقفے سے سسکیوں اور آہوں کی آوازیں صاف سنائی دیتیں ہیں۔اے کاش ! اتر پردیش کے تقریبا۶۸رمسلم ممبران اسمبلی کوبھی ان کی سسکیاں سنائی دیتیں اوروہ بے چین ہوکرفرقہ پرستوں کے ہاتھوں مجبور ہوچکی سماج وادی حکومت کے خلاف مظلومین کوانصاف دلانے اور کھلے عام گھوم رہے گنہگاروں کوسزا دلانے کی خاطرانسانی ہمدردی کے ناطےمتحد ہوکرآواز بلند کرتے اورانہیں سبق سکھانے کیلئے کچھ عملی اقدامات کرتے۔اے کاش کہیں ایسا ہوتا۔ہم اپنے قارئین کو بتادیں کہ 27اگست2013 کومظفرنگرضلع کےکوال گاؤں میں ہندومسلم جھگڑے سے شروع ہونے والے اس فرقہ وارانہ فساد میں تقریبا۷۰رجانیں جا چکی ہیں،ایک لاکھ سے زائدافرادبےگھر ہوچکے ہیں۔بےگھر ہوئے یہ لوگ دوبارہ حملے کےخوف سے گھر واپسی کیلئے تیارنہیں ہیں اور مختلف کیمپوں میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ قاتل اور دنگائی کی فہرست حکومت کو دی چکی ہے،مگر وہ آج بھی کھلے عام گھوم رہے ہیں اوران کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جارہی ہے۔الٹے حکومت ہمیں دوبارہ ان کا شکار بننے کیلئے گاؤں بھیجنا چاہتی ہے، ہمارا بھروسہ حکومت پر سے بالکل اٹھ چکا ہے،حکومت ہمیں تحفظ فراہم کرنے میں ہرسطح پرناکام ہے، اس کے باوجود کس منہ سے ہمیں گھر واپسی کیلئے مجبور کررہی ہے، مگر اب ہم مرتے دم تک حکومت کی بات پر یقین نہیں کریں گے۔

❀ ❀ ❀

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا پایۂ عظمت

..... ● ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی

ابتداء آفرینش کائنات سے ہی ہر ملک وقوم اور ہر خطّۂ ارض وطبقۂ انسانی میں اصلاح وانقلاب کی علمبردار شخصیتیں منصّۂ شہود پر آتی رہی ہیں اور اپنے فکر ونظر اور کردار وعمل کے ذریعہ معاشرۂ انسانی کو اپنا ہمنوا بنانے کی سعی وعمل میں مصروف رہی ہیں۔ اللہ رب العزت کے کم وبیش سوا لاکھ معزز ترین بندوں اور فرستادوں میں آمنہ اور عبداللہ کے جگر گوشے محمد عربی ﷺ بنی نوعِ انساں کے عظیم ترین محسن اور انسانیت کے سب سے بڑے نجات دہندہ ہیں، جنھوں نے تیئس سال کی قلیل مدت میں تاریخ کے دھاروں کا رخ موڑ دیا۔ تمام معبودانِ باطل سے بے نیاز کر کے بنی نوع انساں کو ان کے خالق سے ملا دیا، دلوں پر حکمرانی کرنے کا گر سکھایا اور عرب وعجم سے اللہ کے دین اور اس کے علم برداروں کی قوت کا لوہا منوایا۔

محمد عربی ﷺ خاتم الانبیاء، رحمۃ للعالمین، سید الانبیاء اور شفیع المذنبین ہیں۔ آپ سے محبت اللہ سے محبت کی کسوٹی ہے۔ فرمایا جاتا ہے:

''(اے محمد ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، تب اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے''۔ (آل عمران:۳۱)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی در اصل بندۂ مومن کا وہ عظیم ترین سرمایہ ہے جو موت کے بعد کی اصل زندگی میں اس کی کامیابی کی ضمانت بنتا ہے اور اس تغیّر پذیر اور فانی عالم آب وگل میں بھی فائز المرام ہونے کا محرک بنتا ہے۔ کوئی شخص خدا کا فرمانبردار اور اطاعت گذار بندہ بننا چاہے تو اس کا راز رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں مضمر ہے۔ خالق السمٰوٰت والارض کی طرف سے ہی یہ اعلامیہ جاری ہوتا ہے: ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی''۔ (النساء:۸۰)

تمام انبیاء ورسل کی بعثت مبارکہ اسی غرض سے ہوئی تھی کہ انسانوں کو باطل خداؤں کے چنگل سے آزاد کر کے ان کے اصل خالق ومالک کا راستہ دکھا دیں اور وہ تمام آستانوں سے کٹ کر اپنی جبین نیاز کو خلاق دو جہاں کے آگے جھکا دیں۔ کتنوں نے خدا کے ان فرستادوں کو مانا اور کتنوں نے انکار کیا، یہ کسی پیغمبر خدا کے مقبول بارگاہ ہونے اور اس کے کامیاب بندہ ہونے کا معیار نہیں ہے۔ اللہ رب العزت کی جانب سے مبعوث کی گئی انسانیت کی تمام چیدہ ہستیاں اپنے اپنے وقتوں میں خدا کی تائید ونصرت کے ساتھ قوم کی بھلائی کا درد لیے ہوئے سرگرم عمل رہے۔ ان تمام میں محمد عربی ﷺ کی ذات گرامی اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ آپ کے اندر اللہ کے راستے سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے تئیں جو غایت درجے کی تڑپ، اضطراب اور بے چینی ہوتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مدعو قوم کے تئیں اس سیمابی کیفیت پر رب العالمین اور احکم الحاکمین کو بھی ملال آجاتا ہے اور فرماتا ہے: ''اچھا تو اے نبی، شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو، اگر یہ

اس تعلیم پر ایمان نہ لائے''۔(الکہف:٦)

انسان ضلالت و گمرہی کے قعرِ عمیق سے نکل کر رشد و ہدایت کی شاہراہ پر گامزن ہوجائے، یہی فکر آپ ﷺ کو کھائے جارہی تھی۔مخاطب معاشرہ یا مدعو قوم کے تئیں جس انتہائی درجے کا قلق اور بے چینی آپ کے دامن گیر تھی، اس کی تصویر کشی اس ربانی ارشاد سے بھی ہوتی ہے جس میں اپنے محبوب کے وجود مسعود کی بابت اللہ رب العزت کی بے انتہا شفقت ومحبت کا اظہار ہوتا ہے۔ فرمایا جاتا ہے:''حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھادیتا ہے (پس اے نبی) ان لوگوں کی خاطر تمہاری جان غم وافسوس میں نہ چلی جائے، جو کچھ یہ کررہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے''۔(فاطر:٨)

انسان پریشانیوں اور مصیبتوں میں گرفتار رہے اور ہدایت کے بدلے گمراہی کا سودا کرے، یہ امر خاتم الانبیا ﷺ کے لیے باعث تشویش تھا، محبت و ہمدردی، عنایت ومہربانی اور رحمت ورأفت کے جذبات واحساسات سے آپ ﷺ کی حیات طیبہ بدرجہ اتم مزین تھی۔ذیل کی آیت کریمہ میں ایک طرف اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کو سراپا خیر و برکت وجود کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے تو دوسری طرف اپنے محبوب کی تڑپ اور اس کی شبانہ روز جدوجہد کو سند مقبولیت عطا کرتا ہے:''تم لوگوں کے پاس ایک رسول آ گیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق گذرتا ہے، تمہاری ہدایت کا وہ حریص ہے۔ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے''۔(التوبۃ:١٢٨)

دنیا میں ہادیانِ قوم وملت اور رہبران تنظیم وتحریک کی کمی نہیں ہے۔ ماضی میں بھی عظیم المرتبت ہستیاں سامنے آئیں اور حال میں بھی ہیں۔لیکن دنیا کے تمام قائدین وپیشوا، قائد اعظم رہبر انسانیت ﷺ کے مقام ومرتبہ کے عشر عشیر کو بھی پہنچنے سے عاجز وکوتاہ ہیں۔سب سے بڑی وجہ امتیاز یہ ہے کہ انقلاب کے نام لیوا دنیا کے یہ زعماء اور قائدین قول کے تو غازی نظر آتے ہیں، اسٹیج کی زینت تو بنتے ہیں لیکن کردار وعمل میں انتہائی پستہ قد اور ادنیٰ ہوتے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ کی پوری زندگی میں خواہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، تنہائی کی زندگی ہو یا اہل وعیال اور احباب و رفقاء کی بزم کی، اسی طرح پنچایتوں اور عدالتوں کی زندگی ہو یا لڑائیوں اور غزوات کی، یہ زندگی باپ کی حیثیت سے ہو یا بیٹے کی حیثیت سے، شوہر اور داماد کی حیثیت سے ہو یا پھر تحریک اسلامی کے قائد اور پوری انسانی برادری کے راہبر وراہنما کی حیثیت سے، ہر حیثیت سے آپ کردار کی انتہائی بلندی پر متمکن ہیں۔اللہ رب العزت نے اس کی سند دے دی ہے:''بلا شبہ آپ کے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہونے والا ہے اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں''۔ (القلم:٣-٤)

آپ ﷺ ان اخلاق فاضلہ کے حامل تھے جو مقناطیسی صفت کے حامل تھے، جن کی بناء پر فارس کے سلمانؓ، حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ اور مکہ کے ابوبکرؓ وعمرؓ اور عثمانؓ وعلیؓ محبت رسول میں اپنا سب کچھ قربان کردینے کے لیے تیار ہوگئے تھے۔آپ ﷺ کے اخلاق سے متعلق ایک بدو کے استفسار پر حضرت عائشہ بجا طور پر یہ فرماتی ہیں کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ پورا قرآن رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وکردار کا ترجمان ہے۔ (مسند احمد، ج٦، ص١٨٨)

اپنوں کا کیا کہنا کہ وہ رسول اللہ کے اخلاق کے کیسے مداح تھے، وہ تو اچھی طرح یہ سمجھتے تھے اور آج بھی سمجھتے ہیں کہ آپ پر ایمان لائے بغیر اللہ پر ایمان معتبر نہیں ہوسکتا، آپ سے

محبت کیے بغیر اللہ سے محبت کا دعویٰ کھوکھلا ہے۔ اغیار واجانب اور مخالفین ومعاندین بھی آپ کی اخلاقی بلندی پر رطب اللسان تھے۔

ایک مرتبہ رؤساء قریش میں آپ فکر وتشویش کا موضوع بحث بنے ہوئے تھے، نضر بن حارث جو قریش میں بلند پایہ اور جہاں دیدہ شخص تھا، اس نے بے ساختہ کہا: ''اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے تم اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ محمد تمہاری ہی رفاقت میں عہد طفولیت سے عہدِ شباب تک پہنچا، اس وقت تک تم میں وہ سب سے زیادہ فہم وفراست والا، ایمان دار اور صادق تھا اور اب جب کہ اس کے بالوں میں سفیدی آ چکی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کر رہا ہے تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس کی باتیں سنی ہیں محمد ان سب سے بری ہیں''۔ (ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ)

کفار قریش میں محمد عربی ﷺ کے سب سے بڑے حریف ابوسفیان، جنھوں نے فتح مکہ سے قبل کی تمام جنگوں میں کفار کی قیادت کی تھی، آنحضرت ﷺ کی تحقیقِ احوال کے لیے قصر روم کے دربار میں طلب کیے جاتے ہیں۔ موقع کتنا نازک اور سنگین ہے۔ ایک دشمن کی شہادت اپنے ایک ایسے دشمن کے بارے میں ہے جس کو وہ اس صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ یہ دشمن اسلام ایسے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہے جہاں کوئی ڈر و خوف نہیں ہے اور جو شوکت وحشمت اور قوت واقتدار کے لحاظ سے وقت کا بڑا بادشاہ ہے جس کو غلط بیانی اور تملق وچاپلوسی کے ذریعہ اگر راضی کر لیا جاتا تو ایک اشارے پر نفری طاقت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مدینہ کی طرف کوچ کر سکتا تھا، لیکن تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ایسے زور آور بادشاہ کے استفسارات پر اس نے محمد عربی ﷺ کی پاکدامنی، سچائی، امانت، شرافت، پاس عہد اور اخلاق محمدی کے دوسرے پہلوؤں کو اجاگر کیا اور محمد عربی کی دعوت کی عظمت کو بادشاہ وقت کے گوش گزار کیا۔

ابوجہل یہ کہا کرتا تھا کہ محمد میں تم کو جھوٹا نہیں سمجھتا، ہاں تمہاری باتیں ہمیں تکلیف دیتی ہیں۔ (سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس، ص ۷۰)

خاندان کے اعزہ واقارب کو اعلانیہ دعوت دینے کا حکم ہوا تو صفا کی بلندی پر چڑھ کر آپ نے اپنے جانی دشمنوں سے اپنے اخلاق کی سند لے لی تھی۔ اہل قریش جب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والی ہے تو کیا تم یقین کرو گے، سب نے بیک زبان کہا تھا کہ تم تو صادق اور امین ہو، تم کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا''۔ (الجامع الصحیح للبخاری: سورہ تبت)

یورپ آج اسلام کی مخالفت میں سرگرم وفعال ہے۔ اہل یورپ نے صلیبی جنگوں میں شکست وہزیمت کے بعد فکری اور قلمی جنگ کا محاذ سنبھال لیا ہے۔ پردہ، تعدد ازدواج، غلامی، ازواج مطہرات، حقوق نسواں اور قرآن وسنت پر علمی پہلوؤں سے متعدد مباحث محل نظر بلکہ قابل تردید ہیں، لیکن محمد عربی ﷺ کو تمام ہادیان مذہب، مصلحین ومقننین میں سرفہرست رکھ کر وہ اپنی علمی دیانت داری کا ثبوت دیتے ہیں۔

پروفیسر ڈیوڈ سموئیل مارگولیتھ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر تھے۔ 'ہیروز آف دی نیشنس' کے سلسلۂ طباعت میں ۱۹۵۵ء میں زیور طبع سے آراستہ ہونے والی کتاب 'محمد اینڈ دی رائز آف اسلام' کو مغربی دنیا میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بلاشبہ اس سے زیادہ جارحانہ اور زہریلی کتاب تاحال نہیں

لکھی گئی، تاہم وہ اپنے مقدمۂ کتاب میں ضمیر کی پکار اور علمی دیانت داری سے انحراف نہ کرسکا۔ وہ لکھتا ہے کہ ''محمد ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا شرف واعزاز کی بات ہے۔ (محمد اینڈ دی رائز آف اسلام، مقدمہ)

آر، باسورتھ اسمتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمد سے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکے دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔ (سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، ص ۵۸)

بہت حد تک دیانت دار ایک اور یوروپین مصنف محمد اور قرآن سے متعلق اپنی شہرت یافتہ کتاب میں لکھتا ہے: ''بلاشک وریب تمام مصنفین وفاتحین میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کی سوانحی تفصیلات محمد کی سوانحی تفصیلات سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں (جان ڈیون پورٹ: اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن)

ایک اور مغربی عالم جو 'محمد ایٹ مکہ'، 'محمد ایٹ مدینہ'، 'محمد ایز اے اسٹیٹس مین' جیسی کتابوں کا مصنف ہے۔ اگرچہ اس کی بہت سی باتیں معاند اسلام جذبات کی عکاسی کرتی ہیں تاہم اپنی ایک مشہور تصنیف میں رقم کرتا ہے: ''پورا قرآن مجید محمد عربی کی ثبوت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ محمد اور قرآن سے متعلق سچائی سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ (ولیم مانٹگمری واٹ، بیلس انٹروڈکشن ٹو دی قرآن، ص ۵۱)

خالق کائنات جو رب العالمین ہے، احکم الحاکمین ہے، الرحمٰن اور الرحیم ہے جس کی تعریف میں پوری دنیا کے درخت اگر قلم بنا دیے جائیں اور سمندر کے پانی روشنائی بنا دیے جائیں اور اس جیسے سات سمندر اور بھی شامل ہوجائیں تو دنیا سے سارے درخت نیست و نابود ہوجائیں گے اور سارے سمندر خشک ہوجائیں گے، لیکن اس مافوق الفطرت ہستی کی تعریف کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ (لقمان: ۲۷) خاتم الانبیاء اور سید المرسلین کی عظمت پر دی گئی سند کے بعد پھر کسی اور کی سفارش اور تعریفی کلمات کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن دنیا انتہائی مسعود ومبارک ذات اور اللہ رب العزت کے محبوب ترین رسول پر گویا ہونے اور آپ کی سیرت مطہرہ کو صفحۂ قرطاس پر لانے میں فخر محسوس کرتی رہی ہے اور انشاء اللہ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنے ہوں یا غیر، خویش واقارب ہوں، یا اجانب واغیار، ان میں سے ہر وہ شخص جو تعصب و جانب داری کے حصار سے نکل کر علمی دیانت داری اور حق و صداقت کی روش پر گامزن ہو، یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ محمد عربی ﷺ اللہ رب العزت کے سب سے زیادہ محبوب، انسانیت کے سب سے بڑے نقیب اور بنی نوع انساں کے سب سے بڑے نجات دہندہ ہیں۔ ان کی زندگی میں پوری انسانی برادری کے لیے جو اللہ واحد پر ایمان رکھے اور آخرت میں اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہو ایک نمونہ ہے۔ (الاحزاب: ۲۱) اور اسی مؤقر ترین اور انتہائی مستند نمونے کو عملی زندگی کا زیور بنا کر آج بھی انسانیت اپنے گوہر مقصود کو پاسکتی ہے اور اس دنیا کو بھی جنت نشاں بنا سکتی ہے۔

(مضمون نگار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ دینیات، سنی ہیں)

❁ ❁ ❁

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

پیر محمد کرم شاہ الازہری

تعمیر اخلاق اور صحت مند معاشرہ

حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان، اجتماعی اور معاشرتی زندگی بسر کرے۔ اپنے بنی نوع انسان سے استفادہ بھی کرے اور اپنے فکر و نظر کے چراغ روشن کر کے شبستان وجود کو منور بھی کرے۔ وہ ماں باپ کا بیٹا بھی ہو اور اپنے بیٹے بیٹیوں کا باپ بھی، اس کے خاندان کے افراد اس کے لئے تقویت کا باعث ہوں، ضرورت کے وقت ان کا سہارا بنیں حتیٰ کہ اس کے تعلقات کا حلقہ سارے ملک اور ساری قوم کو اپنے احاطہ میں لے لے۔

ان معاشرتی تعلقات کے باعث حقوق و فرائض کا معرض وجود میں آنا ناگزیر ہے۔ معاشرے کا ہر فرد جب تک اپنے فرائض پوری ذمہ داری سے ادا نہیں کرے گا نیز جب تک اسے اپنے حقوق کی بازیابی کا یقین نہیں ہوگا اس وقت تک صحتمند معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے حقوق و فرائض میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنا اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ اسلام نے حقوق و فرائض میں توازن پیدا کرنے، پھر اسے برقرار رکھنے اور معاشرہ کو ہر قسم کی بے راہ روی سے بچانے کیلئے اخلاقی تربیت پر بہت زیادہ توجہ دی ہے۔

اس دنیائے فانی میں بے شمار انبیاء آئے جنہوں نے اپنی قوم کے اخلاق کو درست کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، ان کی باتیں سادہ اور واضح تھیں، ان کی تعلیمات میں الجھاؤ نہیں تھا۔ ان کے ہاں پیچیدہ علمی اصطلاحات کی بھرمار نہیں تھی، بلکہ ان کے ارشادات عام فہم اور دلوں میں گھر کر جانے والے تھے۔ انہوں نے خیر و شر کا معیار لذت و الم، نفس پرستی یا نفس کشی کو قرار نہیں دیا، بلکہ اس جدوجہد کی غرض و غایت رضائے الٰہی کو قرار دے کر تمام فکری الجھنوں کو ختم کر دیا۔ اس سے بھی زیادہ جس چیز نے گروہ انبیاء کی تعلیمات کو قبول عام بخشا اور ان کے لئے دلوں کے دریچے کھول دیئے، وہ ان نفوس قدسیہ کے قول و عمل کی ہم آہنگی اور یکسانیت تھی۔ وہ دوسروں کو جس کام کے کرنے کا حکم دیتے پہلے خود اس پر کاربند ہوتے۔ مزید یہ کہ ان کے یہ اعمال کسی ذاتی غرض اور منفعت سے وابستہ نہ تھے۔

انبیاء سابقین کا دائرہ کار محدود تھا۔ ان کی نصیحت کا مقصد کسی ایک قوم کی یا کسی ایک ملک کے باشندوں کی اصلاح تھا اور وہ بھی محدود وقت تک کے لئے۔ بارگاہ الٰہی سے یہ شرف اور یہ اعزاز فقط عبد مکرم، رسول معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا کہ آپ ؐ کی رسالت ہر اسود و احمر، عربی و عجمی، شرقی و غربی کے لئے

تھی۔ارشاد الٰہی ہے:

''ہم نے آپ کو تمام اولاد آدم کی طرف بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمایا ہے''

آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ کا آفتابِ نبوت قیامت تک کے لئے طلوع ہوا ہے۔ اصلاح اخلاق کا فریضہ جو ہر نبی نے اپنے مقام اور حیثیت کے مطابق انجام دیا اس مقصد کی تکمیل کے لئے حضور ﷺ نے اپنے آپ کو وقف فرمایا۔ارشاد ہے:

''مجھے اس لئے معبوث کیا گیا ہے کہ میں مکارم اخلاق کو پائے تکمیل تک پہنچادوں۔''

تکمیل اخلاق کا یہ فریضہ سرور عالمؐ نے جس حسن و خوبی سے انجام دیا اس کو سمجھنے کیلئے درج ذیل امور پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

☆ اخلاقی تعلیم کی جامعیت

☆ اندازِ تعلیم

☆ معلم کی شخصیت

اخلاقی تعلیم کی جامعیت:

حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر اگر سرسری نظر ڈالی جائے تو ہمیں وہاں زندگی کی بوقلمونیوں کا ایک حسین وجمیل مرقع نظر آتا ہے۔ وہاں جنگ کی شعلہ سامانیاں بھی ہیں اور صلح کی رافت ورحمت بھی، دشمن نفرت کے انگارے بھی برساتے ہیں اور عقیدت منداپنی محبت ومؤدت کے پھول بھی نچھاور کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے محبوب خدا کو حلقہ ناخداں میں بھی دیکھا ہے اور حملہ آوروں کے نرغہ میں بھی۔ہم نے ان کی کاروباری مصروفیتوں کا بھی مطالعہ کیا ہے اور غار حرا کی خلوتوں میں ان کے سوز وگداز کا جائزہ بھی لیا ہے۔ہم نے انہیں اپنے وطن سے بظاہر انتہائی بے بسی اور بے کسی میں ہجرت کرتے بھی دیکھا ہے اور پھر چند سال بعد اسی شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہونے کا منظر بھی ملاحظہ کیا ہے۔اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان کے برتاؤ کا ریکارڈ بھی ہمارے سامنے ہے اور اپنے جاں نثار اور وفا شعار ساتھیوں سے حسن سلوک کی تفصیلات بھی ہمارے پیش نظر ہیں۔الغرض زندگی کے وسیع وعریض میدان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں حبیب کبریاؐ نے اپنے اسوہ حسنہ کے حسین وجمیل نقوش نہ چھوڑے ہوں۔ یہ جامعیت، یہ ہمہ گیری اسوہ محمدیؐ کے علاوہ کہیں بھی نظر نہیں آتی۔زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی اسی آبِ زلال سے اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔اس دارشفا میں انسانیت کے ظاہری وباطنی، سیاسی، سماجی اور اخلاقی ہر قسم کے ناقابل علاج امراض کیلئے اکسیر موجود ہے۔

اندازِ تعلیم:

قرآنی آیات میں اخلاق حسنہ کی اہمیت اور افادیت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے کوئی سلیم الطبع متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔حضور نبی کریم ﷺ کے وہ ارشادات جن میں اخلاق حسنہ کو اپنانے کی تلقین کی گئی ہے وہ بھی بڑے دلنشیں اور روح پرور ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمایئے۔سرور کائنات علیہ التحیات والتسلیمات نماز میں اکثر یہ دعا مانگا کرتے:

(ترجمہ): اے اللہ، بہترین اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما، تیرے سوا بہترین اخلاق کی طرف کوئی رہنمائی نہیں

کرسکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے دور کردے، کیونکہ تو ہی برے اخلاق کو مجھ سے دور کرسکتا ہے''

یہ اس پاک ہستی کی دُعا ہے جس کے اخلاق حسنہ کی گواہی عالم الغیب والشہادہ نے یوں دی ہے کہ ''بے شک آپ خلق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔'' یہ اس پیکر حمیدہ کی دُعا ہے جس کا دامن ہر قسم کی نازیبا حرکات کے داغ سے پاک ہے۔ ایسی ہستی جب عجز و نیاز سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کرتی ہوگی تو خود سوچئے صحابہ کرامؓ کے دلوں پر اخلاق حسنہ کی اہمیت کے نقوش کس طرح ثبت ہوتے ہوں گے۔

اہل ایمان کے نزدیک ایمان سے بڑھ کر کوئی قیمتی دولت نہیں۔ حضورﷺ نے اپنے ماننے والوں کو جب یہ ارشاد فرمایا ہوگا تو اخلاق کریمہ کی اہمیت ان کی نگاہوں میں کتنی بڑھ گئی ہوگی۔ ارشاد نبویؐ ہے:

(ترجمہ): جس شخص کا خلق بہترین ہوگا تمام مومنین میں سے اس کا ایمان اعلیٰ اور اکمل ہوگا۔''

ہر نیک دل انسان عبادت الٰہی میں لذت وسرور محسوس کرتا ہے۔ ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص کثرت عبادت پر ناز کرنے لگے اور اخلاق حسنہ کی اہمیت اس کی نگاہوں میں کم ہوجائے۔ اس افتاد سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے محبوبؐ نے تنبیہ فرمادی:

(ترجمہ): انسان اپنے اخلاق کے باعث اس درجہ پر فائز ہوجاتا ہے جو رات بھر ذکر الٰہی میں کھڑے رہنے والے اور عمر بھر روزہ رکھنے والے کو نصیب ہوتا ہے''

کون بندہ ہے جس کے دل میں اپنے پروردگار کی رضا اور محبت کی تمنا نہ ہو۔ اس کا طریقہ بتادیا:

(ترجمہ): اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جس کے اخلاق پسندیدہ ہوں''

ہر مومن کی یہ خواہش ہوگی کہ اس کے ہادی ومرشد کی اس پر نگاہ لطف وکرم ہو اور قیامت کے روز اسے اپنے آقاؐ کے قرب میں جگہ ملے۔ چنانچہ اپنے مشتاقان جمال کو یہ فرما کر بشارت دی:

(ترجمہ): تم میں سے مجھے سب سے پیارا اور آخرت میں سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہوگا جو خوش خلق ہے اور تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور روز قیامت مجھ سے دور وہ شخص ہوگا جو بدخلق ہے''

بے شمار ارشادات نبویؐ میں سے یہ چند اقوال پیش خدمت ہیں۔ اخلاق حسنہ کو اپنانے کی تڑپ پیدا کرنے کے لئے اس سے زیادہ مؤثر اور دلنشین اسلوب کوئی کہاں سے لائے گا۔

جن چیزوں کو اخلاق حسنہ کہا گیا ہے وہ کیا ہیں؟

انسانی معاشرہ کا فرد ہوتے ہوئے معاشرہ کے دوسرے افراد کے جو حقوق انسان پر واجب ہیں ان کو حسن وخوبی سے انجام دینا ہی حسن خلق کہلاتا ہے۔ ماں باپ، بیوی، بچے، پڑوسی، یتیم، بیوہ، سائل، بیمار، مسافر، مجاہد، سب کے ساتھ مروت واحسان کرنے کی تاکید حضرت محمد رسول اللہﷺ کے مقدس ارشادات نبوت میں موجود ہے۔ یہ تعلیم اتنی جامع اور ہمہ گیر ہے کہ انسان تو انسان حیوانات ونباتات بھی اس میں داخل ہیں۔ پھل دار درختوں کو کاٹنے، لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو ویران کرنے،

بستے ہوئے گھروں کو اجاڑنے، ان سب چیزوں سے سختی کے ساتھ منع کر دیا گیا ہے۔ اسلوب تخاطب اتنا شیریں ہے کہ اس کی مٹھاس روح کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتی ہے۔

معلم کی شخصیت:

بے شک معلم اخلاق کی تعلیمات ہمہ گیر اور عالمگیر ہیں اور اس کا اسلوب بیان بھی دلنشیں ہے لیکن معلم کریم کی شخصیت میں جو دلربائیاں اور رعنائیاں ہیں وہ قلب ونظر کو مسحور کر رہی ہیں۔ اس کی ایک جھلک دیکھ کر دل دیوانہ اور روح سرشار ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس پر خود عمل کر کے نہ دکھایا ہو۔ لوگوں کو سچ بولنے اور امانت میں دیانت کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی تو خود راست گفتاری اور امانت داری کا وہ بلند معیار پیش کیا کہ خون کے پیاسے بھی صادق اور امین کہنے پر مجبور ہو گئے۔ لوگوں کو وعدہ پورا کرنے کی تلقین کی تو خود اس پر یوں کاربند ہوئے کہ دشمن بھی عش عش کر اٹھے۔ قیصر روم نے ابو سفیان کو اپنے دربار میں طلب کیا تا کہ حضور ﷺ کے اخلاق و کردار کے بارے میں دریافت کرے تو ابوسفیان جو اُس وقت اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا بدترین دشمن تھا، اس نے بھی یہی کہا کہ محمد ﷺ کے اخلاق بلند ہیں، وہ قول کے پکے اور بات کے سچے ہیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر کا وقت آتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اس کی بنیادیں کھود رہے ہیں۔ پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حبیب بھی ان کے ساتھ کام میں برابر کا شریک ہے۔

غزوہ احزاب کے موقع پر جب عرب کے سارے مشرک قبائل نے مدینہ منورہ پر دھاوا بول دیا، اسلام کے اس مرکز کے دفاع کے لئے خندق کھودنے کا منصوبہ طے ہوا، صحابہ کرامؓ کی طرح حضور ﷺ ہاتھ میں کدال لئے خود بھی خندق کھودنے میں مصروف ہیں۔ لشکر اسلام میدان بدر کی طرف کوچ کر رہا ہے۔ تین تین سپاہیوں کے لئے ایک سواری کا انتظام ہو سکا ہے۔ حضور ﷺ نے بھی اپنی سواری میں سیدنا علیؓ اور مرثدؓ بن ابی مرثد کو شریک کر لیا ہے۔ مدینہ طیبہ سے جب قدسیوں کا یہ لشکر نکلتا ہے تو حضور ﷺ اونٹنی پر سوار ہیں، مقررہ مسافت طے کرنے کے بعد حضور ﷺ اتر جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان میں سے ایک سوار ہو جائے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ ان کی باری میں بھی حضور ﷺ ہی سوار رہیں اس سے انہیں روحانی مسرت ہوگی، حضور جانتے ہیں کہ یہ پیش کش صدق دل سے کی جا رہی ہے لیکن آپؐ ان کی اس مخلصانہ پیش کش کو قبول نہیں فرماتے۔ یہی وہ اسوہ حسنہ ہے جس نے سب کے دلوں کو موہ لیا، یہی وہ اخلاق کریمانہ تھے جنہوں نے سب کو حضورؐ کی محبت کا اسیر بنا لیا۔ یہی وہ سیرت کا بلند معیار تھا جس نے عرب جیسی وحشی، درندہ صفت اور درشت قوم کو کاروان انسانیت کا امام بنا دیا۔ اس معلّم اخلاق کی تربیت سے وہ اُمت تیار ہوئی جس کے بارے میں خالق دو جہاں نے فرمایا:

''تم بہترین اُمّت ہو جو لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو'' (سورہ آل عمران: ۱۱۰)

❁ ❁ ❁

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی

ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک عملی نمونہ

مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی

اسلام، عالمی اور ابدی مذہب ہے۔ اسلام کی تعلیمات اوراس کا سرمدی پیغام دنیا کے ہرگوشے میں بسے ہوئے انسانی افراد اور معاشرے کے لیے یکساں طور پر قابل عمل ہے۔ اس عالمی اور آفاقی مذہب کے پیغمبر آخرالزماں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر مرحلہ اور ہر پہلو پوری امت مسلمہ کے لیے ایک کامل اسوہ اور مکمل نمونہ ہے جیسا کہ قرآن کریم کی شہادت ہے: لَقَد کَانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللہِ اُسوۃ حَسَنۃ (۲۱:۳۳) آپ کی گھریلو زندگی ہو یا سماجی زندگی، مکی زندگی ہو یا مدنی زندگی، عبادات ہوں یا معاملات، سیاسیات ہوں یا اخلاقیات و مذہبیات، آپ کی زندگی کا عملی نمونہ ہر شعبہ زندگی میں تمام انسانوں کے لیے قابلِ تقلید ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ہندوستانی مسلمانوں کے لیے جو اس ملک میں اقلیت میں ہیں، ایک مکمل عملی نمونہ موجود ہے۔ ہمارے ملک میں اکثریت غیر مسلم کی ہے اور سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مسلمان یہاں کی آبادی کا تقریباً پندرہ فی صد ہیں۔ یہ ملک ہم مسلمانوں کا اپنا محبوب وطن ہے اور مسلمان اس سرزمین کے ایک اٹوٹ حصہ کے طور پر صدیوں سے آباد ہیں۔ ہمارے آباء واجداد اسی خاک میں مدفون ہیں اور اس برصغیر میں ہماری تہذیب وتمدن اور تاریخ وروایات کے کتنے ہی انمٹ نقوش اور لاثانی یادگاریں ثبت ہیں کہ اگر اس گراں قدر تہذیبی، ثقافتی و تاریخی ورثہ کو ہندوستانی تاریخ سے مٹا دیا جائے تو یہاں کی تاریخ روکھی اور بے رنگ نظر آنے لگے گی۔

حصولِ آزادی کے بعد بھی گو مسلمانوں کو اس ملک میں مسلسل گذشتہ ساٹھ برسوں سے معاشی و تعلیمی اور سیاسی و سماجی آزمائشوں کا سامنا ہے؛ لیکن ملک کے مجموعی حالات مسلمانوں کے لیے اگر ہمت افزا نہیں تو کم از کم مایوس کن اور دل شکن بھی نہیں۔ یوں تو اسلام کی ساری تعلیمات پر کاربند ہونا مسلمانوں کی مذہبی ذمہ داری اور اسلامی تقاضا ہے۔ تاہم مسلمانوں کے لیے ملک کے موجودہ حالات میں نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ کا ''مکی نمونہ'' خاص طور پر مکمل عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔

امانت، دیانت، پاکیزگی اور شرافت

مکی زندگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی شناخت تھی آپ کی صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی۔ مکی زندگی میں نبوت و رسالت سے سرفراز ہونے سے پہلے اور بعد

کے زمانہ میں آپ کی شناخت آپ کی صداقت وامانت، شرافت و پاکیزگی، تواضع وانکساری اور تقوی و پاکبازی تھی؛ مکہ کا ہر باشندہ آپ کی شرافت و پاکیزگی اور اعلی اخلاق کا قائل تھا۔ آپ کو عام طور پر صادق اور امین کہا جاتا تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجرِ اسود کو اس کے مقام تک اٹھا کر رکھنے میں قریش کے اندر جو سخت اختلاف پیدا ہوا اور جس کی وجہ سے خوں ریز جنگ چھڑنے والی تھی، وہ آپ کی جوانی کا زمانہ تھا، لیکن قریش کے سرداروں اور بڑے بوڑھوں کو جب یہ ہاشمی نوجوان دکھائی پڑا تو سب نے بیک آواز ہوکر کہا: هَذا مُحَمّدُن الاَمِينُ رَضِينَا هَذا مُحَمّدُن الامِينُ (یعنی یہ محمد امین شخص ہیں، ہم ان سے خوش ہیں، یہ امین ہیں)۔ اور سب نے اس نوجوان کے حکیمانہ فیصلے کو بخوشی قبول کیا اور اس طرح ایک خون ریز جنگ چھڑتے چھڑتے رہ گئی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱:۱۱۶، بحوالہ سیرت ابن ہشام)

نبی اکرمؐ پر نبوت کے ابتدائی مراحل میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ نبوت کے پیغام اور توحید کی دعوت کو علی الاعلان اپنے قبیلہ والوں تک پہنچایا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لاتے ہیں اور قریش کے قبائل کو آواز دیتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اے قریش! اگر میں کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن کی فوج حملہ آور ہونے کو تیار ہے تو کیا تم یقین کرو گے؟ پوری قوم یک زبان ہوکر کہتی ہے: نَعَم! مَا جَرّبنَا عَلَيكَ اِلّا صِدقاً (ہاں! ہم نے آپ میں سوائے صدق اور سچائی کے کچھ نہیں پایا)۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 4397)

آپ کی امانت و دیانت کا عالم تھا کہ مکہ کے بڑے بڑے تاجر خواہش مند ہوتے تھے کہ آپ ان کے تجارتی سامان لے کر شام و یمن وغیرہ کی عالمی منڈیوں میں جائیں تاکہ آپ کے ذریعہ ان کی تجارت کو فروغ حاصل ہو۔ نبوت و رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی مکہ کے وہ لوگ جو آپ کی دعوتِ اسلام کو نہیں مانتے تھے، وہ بھی آپ کے پاس اپنی امانتیں بغرض حفاظت رکھ جاتے تھے؛ انھیں اس بات کا اطمینان تھا کہ ان کی امانت اس امین کے علاوہ کسی اور کے ہاتھوں میں اتنی محفوظ نہیں ہے۔

صبر واستقامت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا دوسرا سب سے واضح عنصر آپ کا بے پناہ جذبہ صبر واستقامت، اولوالعزمی اور اپنے صحیح موقف پر پہاڑ کی طرح قائم رہنے کی قوت تھی۔ تبلیغِ اسلام اور دعوتِ حق کے بعد مکہ کی اکثریت آپ کے خلاف تھی۔ وہ ہمیشہ آپ کے اور مٹھی بھر مسلمانوں کے درپئے آزار رہتے، انھیں تکلیفیں پہنچاتے، ایذائیں دیتے اور دن رات اسلام، پیغمبر اسلام اور متبعینِ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے اس برتاؤ کا جواب صبر و خاموشی اور ہمت واستقامت سے دیا۔ آپ نے دعوتِ حق کے اپنے موقف سے ذرہ برابر پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا، حتی کہ آپ کو پورے عرب کی بادشاہت، مال و دولت، حسین ترین عورتوں اور ہر خواہش کی چیز پیش کیے جانے کی پیش کش بھی کی گئی، لیکن آپ نے اس دعوت حق کے سامنے ہر کسی پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ آپ نے

خواجہ ابو طالب کی فہمائش کے جواب میں فرمایا کہ چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند دوسرے میں سورج رکھ دیا جائے اور کہا جائے کہ اس کام سے باز رہو، تو بھی میں ایسا نہیں کرسکتا۔

تصادم سے گریز اور دعوت وتبلیغ کا تسلسل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صبر آزما اور مخالف ماحول میں اہلِ مکہ کے سامنے اعلیٰ اخلاقی نمونہ پیش کیا۔ گالیوں کا جواب دعاؤں سے، پتھر کا جواب نرم کلامی سے، دل آزاری کا جواب ہمدردی وغم گساری سے دیا۔ آپ نے اس ماحول میں تصادم سے گریز کیا اور حکمت وبصیرت کے ساتھ کام کرتے رہے۔ لوگوں کی بھلائی اور دنیا وآخرت کی کامیابی کے لیے ان کو خدائے واحد اور اللہ کے پسندیدہ دین کی طرف بلاتے رہے۔ دعوت وتبلیغ کا جو فرضِ منصبی آپ نے اٹھایا تھا، اس پر پوری دلجمعی، استقامت اور سختی سے قائم رہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی دعوت دلوں کے قلعوں کو تسخیر کرتی چلی گئی اور مکہ کی ایک بڑی تعداد نے مخالف ماحول میں بھی اسلام میں کشش محسوس کی۔ جو لوگ کل تک آپ کے مشن کے شدید ترین دشمن تھے، وہ آپ کے اخلاق عالیہ اور دعوت حق کی گرمی سے پگھل کر پانی پانی ہوجاتے اور اہل ایمان کے حلقے میں شامل ہوجاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے یہ چند خاص سبق ملتے ہیں کہ اہل ایمان کو اپنے حق وصداقت کے موقف پر پورے یقین واعتماد کے ساتھ جمنا چاہیے اور اس کی طرف پورے وثوق کے ساتھ دعوت دینی چاہیے۔ جہاں تک ہوسکے اپنے پڑوسیوں، اہل خاندان، اہل وطن سے خواہ وہ کسی بھی فکر و خیال اور مذہب کے ماننے والے ہوں، ان سے اخلاق ومحبت، خیر خواہی و ہمدردی اور بہتری و بھلائی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ نیز، معاشرے کے سامنے ہمیشہ اپنے اعلیٰ کردار وعمل، تقویٰ و طہارت، امانت ودیانت اور اخلاص و خیر خواہی کے ذریعہ بلند پایہ اخلاقی اقدار وآداب کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

> حضرت جعفرؓ نے اسلام کے تعارف پر مشتمل جو تقریر نجاشی کے دربار میں کی تھی، اس میں رسول پاک ﷺ کی چودہ تعلیمات کا ذکر تھا: (۱) توحید (۲) سچائی (۳) امانت داری (۴) صلہ رحمی (۵) پڑوسیوں سے اچھا سلوک (۶) حرام کاموں سے پرہیز (۷) خوں ریزی سے گریز (۸) بدکاری سے پرہیز (۹) جھوٹی بات سے پرہیز (۱۰) مالِ یتیم سے پرہیز (۱۱) عورتوں پر الزام تراشی سے گریز (۲۱) نماز قائم کرنا (۳۱) زکوٰۃ دینا (۴۱) روزہ رکھنا۔ ان تعلیمات میں، مذہب، اخلاق اور سماج سب کچھ کی رہنمائی موجود ہے۔

ہجرت حبشہ سے چند سبق

نبوت کے پانچویں برس دو مرحلوں میں تقریباً سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر حبشہ (موجودہ ایتھوپیا، افریقہ) کی طرف ہجرت فرمائی۔ گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہجرت میں حصہ نہیں لیا، لیکن چوں کہ آپ کے اصحاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے آپ کے مشورہ سے ہجرت اختیار کی تھی اور آپ کی

تعلیمات کی روشنی میں انھوں نے وہاں زندگی گزاری؛ اس لیے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا ہی ایک حصہ تصور کیا جاتا ہے۔

حبشہ ایک غیر مسلم ملک تھا، وہاں کا حکمراں نجاشی اس وقت نصرانی تھا۔ سو کے قریب مسلمانوں کی جمعیت وہاں کی قلیل ترین اقلیت تھی؛ لیکن حبشہ کی زندگی میں حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں جو لائحہ عمل اختیار کیا، وہ ہندوستان جیسے ملک میں رہنے والی مسلم اقلیت کے لیے ایک بہترین اسوہ ہے۔

حبشہ پہنچنے کے بعد مسلمانوں نے وہاں اپنی کالونی بنالی اور اس عادل بادشاہ کی رعایا بن کر رہنے لگے۔ ابھی کچھ دن ہی گزرے تھے کہ کفار مکہ کے دو نمائندوں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص نے حبشہ کی سرزمین بھی مسلمانوں پر تنگ کرنی چاہی اور بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا چاہا۔ اس موقع پر حبشہ کے مسلمانوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا، وہ ہمارے لیے روشن نمونہ کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے اجتماعیت اور اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر منتخب کیا۔ پھر انھوں نے باہمی مشورہ اور اتفاقِ رائے سے یہ طے کیا کہ جس دین حق کی خاطر ہم نے اپنا وطن چھوڑا ہے، اس کے خلاف ہم کچھ نہیں کہیں گے اور جو کچھ حق ہوگا، حکمت وبصیرت کے ساتھ معقول و مدلل انداز میں اس کو سامنے رکھیں گے۔ نیز، اپنے جائز مقصد کے حصول اور اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے عادل بادشاہ کے عدل وانصاف اور قانون کا سہارا لیں گے؛ چناں چہ جب قریشی نمائندوں نے نجاشی کے سامنے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا کہ یہ بد دین ہوکر اپنے ملک سے بھاگ آئے ہیں، ان کو واپس کیا جائے، تو نجاشی نے مسلمانوں سے صفائی پیش کرنے کو کہا۔ ان روشن اصولوں کی رہ نمائی میں حضرت جعفرِ طیار رضی اللہ عنہ نے نہایت معقول انداز میں کہا کہ: کیا ہم غلام ہیں جو تمہارے یہاں سے بھاگ آئے ہیں، یا ہم نے کسی کا قتل کیا ہے یا ہم کسی کا مال ہڑپ کر کے آئے ہیں۔ اس برمحل اور معقول سوال کا جواب ان قریشی نمائندوں کے پاس نہیں تھا۔

پھر نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا کہ آخر وہ کون سا دین ہے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اس کے جواب میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات کا جو خلاصہ پیش کیا، وہ ایک بہترین دینی اور سماجی نمونہ تھا۔ حضرت جعفرؓ نے اسلام کے تعارف پر مشتمل جو تقریر نجاشی کے دربار میں کی تھی، اس میں رسول پاک ﷺ کی چودہ تعلیمات کا ذکر تھا: (۱) توحید (۲) سچائی (۳) امانت داری (۴) صلہ رحمی (۵) پڑوسیوں سے اچھا سلوک (۶) حرام کاموں سے پرہیز (۷) خوں ریزی سے گریز (۸) بدکاری سے پرہیز (۹) جھوٹی بات سے پرہیز (۱۰) مالِ یتیم سے پرہیز (۱۱) عورتوں پر الزام تراشی سے گریز (۱۲) نماز قائم کرنا (۱۳) زکوٰۃ دینا (۱۴) روزہ رکھنا۔ ان تعلیمات میں، مذہب، اخلاق اور سماج سب کچھ کی رہنمائی موجود ہے۔

دوسرے دن قریشی نمائندوں نے ایک دوسری چال چلی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عبدیت کے اسلامی

عقیدہ کے خلاف نجاشی عیسائی بادشاہ کو بھڑکانا چاہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے۔ مسلمانوں کے لیے یہ مشکل وقت تھا؛ لیکن حق پرستی اور صداقت شعاری کے روشن اصولوں کی روشنی میں جو اسلامی عقیدہ تھا، وہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے بلاکم وکاست پیش کردیا اور بالآخر حق کا بول بالا ہوا اور باطل رسوا وذلیل ہوکر واپس ہوا۔

کتبِ سیرت واحادیث میں حبشہ میں مسلمانوں کی عام زندگی کی تفصیلات نہیں ملتیں، لیکن جو کچھ جابجا روایات میں ملتا ہے، اس سے بھی ان کے طرزِ معاشرت کی ایک جھلک دکھائی دیتی محسوس ہوتی ہے۔ حضرات نے صحابہؓ نے اپنی چھوٹی سے بستی بنا کر تجارت وغیرہ کا پیشہ اختیار کیا اور مقامی غیر مسلم آبادی کے ساتھ معاملات کیا۔ اس سے مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ جہاں بھی رہیں محنت ومشقت اور امانت ودیانت کے ساتھ حلال روزی کے ذرائع اختیار کریں۔

مسلمانوں نے ملک کی خیر خواہی اور اہل ملک کے ساتھ وفاداری کا برتاؤ کیا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دنوں نجاشی بادشاہ کو ایک بغاوت کا سامنا کرنا پڑا؛ چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی کامیابی کے لیے دعا کی۔ اس سے یہ اصول ماخوذ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ملک اور عادل رہ نما کے ساتھ وفاداری اور خلوص ومحبت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

ہم مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ نازک اور اہم مواقع پر اجتماعیت اختیار کرکے باہمی مشورہ سے کام لینا اور اپنا امیر منتخب کرلینا چاہیے۔ مسلمانوں کو یہ طے کرلینا چاہیے کہ کسی حال میں بھی حق وصداقت کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور اپنے ایمان و یقین کا سودا کسی صورت میں نہیں کریں گے، یہی ان کی مذہبی اور تہذیبی زندگی کی اساس ہے۔ نیز، جذباتیت سے گریز کرتے ہوئے حکمت وبصیرت سے کام لینا چاہیے اور مخالف حالات کا صبر و استقامت سے سامنا کرنا چاہیے۔ دین کی دعوت، حکمت، معقولیت اور مدلل طریقہ سے اپنے ہم وطنوں کو دینی چاہیے اور ہمیشہ طاقت کا مقابلہ حکمت و دانائی سے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے ملک کے نظامِ عدل سے واقفیت حاصل کرنا چاہیے اور اسے اپنے تحفظ کے لیے اور اپنا حق حاصل کرنے کیلئے استعمال کرنا چاہیے۔ نیز مسلمانوں کو جس ملک میں وہ رہیں، وہاں امن پسند شہری کی حیثیت سے رہنا چاہیے اور تخریبی کارروائیوں سے گریز کرنا چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے موقف، مقصدِ حیات اور طرزِ زندگی سے ہم وطنوں کو واقف کرائیں؛ تاکہ وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں اور تحفظ کے مسائل پیدا نہ کریں اور اسلام سے اجنبیت کی وجہ سے اس کو حریف نہ سمجھیں۔ نیز، مسلمانوں کو ہم وطنوں کے مذہب، مزاج اور تہذیبی شعار سے ضروری واقفیت حاصل کرنی چاہیے؛ تاکہ امن وسکون اور بقائے باہم کی راہ ہموار ہو۔ ہجرتِ حبشہ سے قبل سورۂ مریم کا نزول، نجاشی کی عدالت میں حضرت جعفرؓ کی تلاوت، اور نجاشی کے دربار میں آپ کی پوری تقریر کا خلاصہ یہی ہے۔

❁ ❁ ❁

سیرت طیبہ اور ہماری ذمہ داری

..... ● سید احمد ومیض ندوی

ربیع الاوّل کی آمد کے ساتھ مسلمانوں میں ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے، ہر طرف سیرت النبی ﷺ کے جلسوں کا ایک سماں بندھ جاتا ہے، جگہ جگہ جشن کا منظر نظر آنے لگتا ہے، لوگ غیر معمولی جوش وخروش کے ساتھ جلسہ ہائے سیرت میں شرکت کرتے ہیں، محلّہ محلّہ میں محافل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد عمل میں آتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے ان جلسوں کی اہمیت اور افادیت اپنی جگہ مسلمہ ہے، لیکن سیرتِ رسولؐ سے متعلق ہماری ذمہ داریاں صرف جلسوں کے انعقاد سے ختم نہیں ہوتیں، سیرت کے جلسوں کے مثبت اثرات ساتھ ان کا منفی پہلو یہ ہے کہ مسلمان صرف جلسوں کے انعقاد ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں، سیرت رسولؐ سے وابستگی مسلمانوں پر عظیم ذمہ داری عائد کرتی ہے۔

عالمِ اسلام طاغوتی قوتوں کے آگے بے بس نظر آرہا ہے

اس وقت اُمت ایک نازک موڑ سے گذر رہی ہے، اس کی عزت ذلت میں تبدیل ہوچکی ہے، دشمنوں کی یلغار ہے، عالمِ اسلام طاغوتی قوتوں کے آگے بے بس نظر آرہا ہے، دنیا کے گوشہ گوشہ میں خونِ مسلم کی ارزانی ہے۔ مسائل کے اس دلدل سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ ہے کہ اُمت مسلمہ پورے طور پر سیرتِ رسولؐ سے وابستہ ہوجائے، سیرتِ رسولؐ سے دوری ہی اُمت کو پستی کے غاروں میں دھکیل رہی ہے۔ سیرت رسولؐ سے حقیقی وابستگی کے لیے ضرورت ہے کہ اُمت مسلمہ رسولؐ کی زندگی اور اسوۂ حسنہ کو پوری طرح اپنی عملی زندگی میں رائج کرنے کے لیے عملی اقدامات کرے۔ اس سلسلے میں پہلا کام یہ ہے کہ تمام تحریکیں، جماعتیں اور ادارے مسلمانوں کو سیرتِ رسولؐ کے عملی گوشوں سے متعارف کرنے کے لیے تعارف سیرت پر پروگراموں اور جلسوں کا انعقاد عمل میں لائیں۔ یہ کام ہمہ گیر سطح پر انجام دیا جائے، عوام الناس میں سیرت کے جلسوں کے انعقاد کے ساتھ ساتھ اہل علم طبقہ میں مختلف زبانوں میں سیرت کے عملی موضوعات پر مستند کتابیں عام کی جائیں۔ یہ جلسے اور پروگرام اور تعارف، سیرت کی یہ مہم صرف ماہ ربیع الاول تک ہی محدود نہ رہے بلکہ سال کے بارہ مہینے وقفہ وقفہ سے ان کا انعقاد عمل میں آتا رہے، عصری اداروں اور کالجوں میں زیر تعلیم طلباء کے لیے ایسا نصاب تیار کیا جائے جو سیرت رسولؐ وسیرتِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور تاریخ اسلام پر مشتمل ہو، اسی طرح چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے ابتدائی درجہ کی عام فہم کتابیں تیار کی جائیں۔ سیرت رسولؐ سے وابستگی کا یہ پہلا زینہ ہے، سیرت رسولؐ سے استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کی معلومات حاصل کی جائے، اُمت کا بڑا طبقہ سیرت کی ابتدائی چیزوں سے نابلد ہے۔ چونکہ عصری درسگاہوں میں زیر تعلیم مسلمان طلباء کے کورس میں سیرت کا مضمون نہیں ہوتا، اس لیے وہ سیرت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں، تعارف سیرت کی اس مہم میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ سیرت کا ہر گوشہ سامنے آجائے، یہ ایک جامع ترین سیرت ہے، اس میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے کے لیے اسوہ پایا جاتا ہے۔ مختلف طبقات کے لیے الگ الگ موضوعات و پروگراموں کا انعقاد بھی ممکن ہے، مثلاً تاجر طبقہ کے اجلاس میں رسول

اکرمؐ کی تجارتی تعلیمات پر روشنی ڈالی جائے، خواتین کے اجلاس میں رسول اکرمؐ کی خواتین سے متعلق ہدایات ذکر کی جائیں، قائدین اور رہنماؤں کے اجتماع میں آپ کے قائدانہ کردار کو اُجاگر کیا جائے، اساتذہ کے مجمع میں تعلیم و تدریس سے اسوہ نبیؐ کی توضیح کی جائے وغیرہ۔ تعارفِ سیرت کی اس مہم کو اگر منظم انداز میں روبہ عمل لایا جائے تو اس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

سیرت رسول ﷺ کو عملی زندگی میں اختیار کرنے کا مرحلہ

تعارفِ سیرت کے بعد دوسرا مرحلہ سیرت رسولؐ کو عملی زندگی میں اختیار کرنے کا ہے، اس وقت اُمت سیرت سے وابستگی کے لمبے چوڑے دعوے کرتی نظر آتی ہے، لیکن عملی زندگی سیرت رسول سے بہت دور ہے۔ سیرت سے وابستگی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک اعتقادی، دوسری عملی۔ اعتقادی وابستگی کا مطلب یہ کہ آپ کو خدا کا برحق رسول تسلیم کیا جائے، اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو پاکیزہ تعلیمات مانا جائے۔ یہ صرف اعتقادی وابستگی ہے، عملی وابستگی یہ ہے کہ آپ کی سیرت اور آپ کے طور طریقوں کو عملی زندگی میں نافذ کیا جائے۔ اُمت مسلمہ میں اعتقادی وابستگی تو پائی جاتی ہے لیکن عملی وابستگی میں کافی جھول پایا جاتا ہے، مسلمان نماز کی حالت میں تو سیرت رسولؐ کے پابند ہوتے ہیں لیکن زندگی کے دیگر شعبوں میں وہ خود کو سیرت سے آزاد سمجھتے ہیں، ایک مسلمان نماز اس طرح ادا کرتا ہے جیسے رسولؐ نے ادا کی تھی، لیکن اس کی تجارت اور معاشرت اس طرح نہیں ہوتی جیسے رسولؐ نے کی تھی۔ اتباعِ سنت اور اسوۂ حسنہ کو اُمت مسلمہ میں عام کرنے کے لیے ملت کے ذمہ داروں کو تعارفِ سیرت ہی کی طرح باقاعدہ مہم چلانا چاہیے، مختلف اداروں اور تحریکوں کے ذریعہ نبوی سنتوں کی عملی مشق کرائی جائے، گھروں میں والدین اور سرپرست حضرات بچوں کو سنتوں کی عملی تربیت دیں، کھانے کا موقع ہو تو کھانے کی سنتوں پر عمل کرایا جائے، سوتے وقت سونے کی سنتوں کو بتایا جائے اور سنتوں کے مطابق سلایا جائے، لباس پہننے کا موقع آئے تو اس کی سنتیں یاد دلائی جائیں، دینی جماعتوں کے ذمہ داروں کی زندگی سیرتِ رسولؐ کا نمونہ ہو، مساجد میں روزانہ چند سنتوں کی جانب توجہ دلائی جائے، روزمرہ کی زندگی سے متعلق سنتوں کا مستند مجموعہ تیار کیا جائے، جس کو مسلم گھرانوں میں عام کیا جائے، آپؐ کی سنتوں میں اللہ تعالیٰ نے عجیب نورانیت رکھی ہے، سنتوں پر عمل سے دلوں میں نور پیدا ہوتا ہے، معاملات میں صفائی آتی ہے، معاشرتی زندگی سکون کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

دعوت دین کے لیے سیرت کا استعمال

سیرت رسولؐ سے متعلق مسلمانوں کی ایک اہم ذمہ داری دعوت دین کے لیے سیرت کا استعمال ہے۔ غیر مسلموں میں دعوت کے لیے سیرتِ رسولؐ کو موءثر ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ سیرت رسولؐ کی دعوتی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''غیر مسلم طبقہ پر اتمامِ حجت کے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی عملی زندگی کو اسلام کی صداقت کا عملی نمونہ بنا کر پیش کریں اور ہماری عملی زندگی میں لوگ اسلام کی برکتیں اور رحمتیں دیکھ کر اسلام کو نجات و ہدایت کا راستہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رحمت عالمؐ کے اخلاقی کمالات اور آپؐ کا معجزانہ کردار لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ہر طبقہ کو اس کی زبان، اس کی سمجھ اور اس کی استعداد کے مطابق سمجھانے کی کوشش کی جائے، تاکہ رحمت للعالمین اور صاحب خلق عظیم رسول ﷺ کی محبت لوگوں کے دلوں میں اتر جائے، اور پر اس محسنِ انسانیت ﷺ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو لوگ سچا ماننے پر اپنے آپ کو مجبور پانے لگیں۔

(فتاویٰ عزیزیہ)

سیرت رسولؐ کے دعوتی استعمال کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں، مختلف زبانوں میں سیرت سے متعلق موءثر لٹریچر تیار کر کے عام کیا جائے، غیر مسلموں کے سامنے سیرتِ رسول کے پہلو کو رکھا جائے، آپؐ کی وہ تعلیمات جو انسانی رواداری اور امن عالم پر مبنی ہیں، رائج کی جائیں، مختلف تقریبوں اور عیدوں کے موقع پر غیر مسلموں کو مدعو کر کے سیرت بیان کی جائے، اہل علم طبقہ کے لیے علمی انداز اختیار کیا جائے، مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے الگ الگ اجلاس بھی منعقد کئے جاسکتے ہیں، جیسے وکالت سے تعلق رکھنے والے مسلمان وکلاء کا اجلاس منعقد کریں، تاجر حضرات غیر مسلم تاجروں کا اجلاس منعقد کریں۔

ذمہ داری سیرت کے دفاع کی

سیرتِ رسولؐ سے متعلق ایک ذمہ داری سیرت کے دفاع کی ہے، خود مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو چکا ہے جو سیرت وسنت کا شدت سے منکر ہے، اب اس طرح کی ذہنیت کے لوگوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اُمت کے سارے اختلافات اور مسائل کی بنیاد سنت و احادیث ہے، صرف کتاب اللہ تھامے رہنا چاہیے، یہ لوگ عمل بالکتاب کے عنوان سے قرآن سے دور ہو رہے ہیں، انکارِ حدیث دراصل انکارِ قرآن ہی کی ایک قسم ہے، سیرت ونعت سے متعلق ان حضرات کے شبہات کو دور کرنا علماء اُمت کی اہم ذمہ داری ہے۔ یہ کام منظّم طور پر انجام دیا جانا چاہیے، جن جامعات میں تخصصات کے شعبہ جات قائم ہیں، وہاں اختصاص فی الحدیث کے طلبہ کو فتنہ انکار حدیث کے موضوع پر تیار کرنا چاہیے، علمی دفاع کا کام دیرطلب ہے، خاموش طریقہ سے ایسے علماء تیار کیے جائیں جو منکرین حدیث کے ہر شبہ کا جواب دے سکتے ہیں، اسی طرح اس وقت ان مسلمانوں کو بچانے کا مسئلہ ہے جو آئے دن فتنہ انکارِ حدیث سے متاثر ہوتے جارہے ہیں، منکرینِ حدیث میدان میں پوری طرح سرگرم ہو چکے ہیں، مختلف مقامات پر ان کے پروگرام منعقد ہو رہے ہیں اور نوجوانوں کو برگشتہ کیا جارہا ہے، اس کے لیے علماء حضرات اپنے خطبوں اور جلسوں میں خصوصیت کے ساتھ اس موضوع کو زیر بحث لائیں۔

ذمہ داری تحفظِ ختم نبوت کی

سیرت سے وابستگی پر عائد ہونے والی ایک اہم ذمہ داری تحفظِ ختم نبوت کی ہے، بہت سے سادہ لوح مسلمان قادیانیت کا شکار ہو رہے ہیں، عام مسلمانوں میں ختم نبوت کا واضح تصور نہیں ہے، اضلاع اور دیہاتوں میں قادیانیت سرگرم ہے، شہروں میں بھی کافی سرگرمیاں جاری ہیں، ربیع الاول کے موقع پر سیرت النبی کے جلسوں کی بھرمار ہوتی ہے، ان جلسوں میں ختم نبوت کے موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے، علاوہ ازیں مختلف تحریکات کے ذمہ دار حضرات قادیانیت سے متاثرہ مقامات کا دورہ کر کے مسلمانوں کے عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ کریں، قادیانیت کا فتنہ جس تیزی سے پھیلتا جارہا ہے، اُمت مسلمہ میں اسی قدر غفلت پائی جاتی ہے، سیرتِ رسولؐ سے وابستگی کا تقاضا ہے کہ ہم ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ہر چیز کی قربانی کے لیے تیار ہو جائیں۔

ربیع الاول کے موقع سے سیرت کے عنوان سے آج جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا تعلق صرف زبانی جمع خرچ سے ہوتا ہے، جب کہ سیرت سے متعلق علمی ذمہ داریوں سے جی چرایا جاتا ہے، اس وقت اُمت کو سیرت سے وابستہ کرنے کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔ آیئے ہم سب مل کر اس کے لیے عملاً سرگرم ہو جائیں۔

❁ ❁ ❁

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ

کیوں کیا جائے؟

ڈاکٹر حمید اللہؒ

ڈاکٹر حمید اللہ کی سیرت طیبہ پر فرانسیسی زبان میں تحریر کردہ کتاب کے چند اقتباسات

تعریف وتوصیف اس اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو رب العالمین ہے، ہم اسی ہی کی پرستش کرتے ہیں اور اسی ہی سے مدد مانگتے ہیں، ہمارے پاک پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ انسانیت کی اصلاح وفلاح کے لئے کیا ہم اس کی تصدیق وتوقیر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

☆ اللہ جل شانہ کے پیغمبر کا تصور مختلف ممالک، اقوام اور ادوار کے حوالے سے مختلف ہوسکتا ہے۔ اسلام میں انسان تمام مخلوقات سے اشرف وافضل ہے جب کہ رب تعالیٰ جل شانہ، کے پیغمبر، انسانوں میں سب سے زیادہ اشرف وافضل اور کامل واکمل ہیں۔ یقینی طور پر یہ بات انسانیت کے بہتر پہلوؤں کے تحت ہی سمجھی جاسکتی ہے۔

☆ انسانی زندگی دو عظیم شعبوں میں تقسیم ہے۔ ایک مادی جب کہ دوسرا روحانی ہے۔ ان دونوں شعبوں میں ہم آہنگی اور توازن پیدا کرنے کے لیے ایسی حیات مبارکہ کی عملی مثال دینا ہوگی جو فانی انسانوں کی رہنمائی کے لیے ایک مثالی نمونہ ہو۔

☆ تاریخ نے ایسے لا تعداد بادشاہوں، دانشوروں، ولیوں اور دوسرے ممتاز راہنماؤں کا ریکارڈ پیش کیا ہے جن کی زندگیاں ہمارے لیے بہترین قابل عمل مثالیں ہیں، پھر آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیوں کیا جائے جو کہ انسانوں کی طرح سالوں قبل اس دار فانی سے کوچ فرما گئے اور اس دوران سائنس کی قابل قدر ترقی کے ساتھ ساتھ ہمارے حالات اور زندگی کے بارے میں ہمارے نظریات میں ٹھوس تبدیلیاں آچکی ہیں؟

ایک مسلمان کے لیے اس کا جواب انتہائی سادہ ہے کہ وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے رہبر ورہنما حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی نہ کرے، لیکن وہ افراد جو ابھی تک نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت (سوانح حیات) کی تفصیلات سے آگاہ وآشنا نہیں ہیں ان کے لیے چند حقائق کی یاددہانی اہمیت کی حامل ہے۔

(الف) محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نگرانی میں انتہائی قابل اعتماد انداز میں محفوظ کرنے کی خاطر تحریر میں لائی گئیں۔ دوسرے مختلف بڑے مذاہب کے بانیوں میں سے صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک نے خوش بخت نظریہ کے تحت وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ جل شانہ، کی جانب سے وحی اور احکامات کو نہ صرف اپنی صحبت کے افراد تک پہنچایا، بلکہ اپنے کاتبوں کو لکھوایا اور یہ کہ اس کے کئی نسخے اپنے پیروکاروں تک پہنچانے کا محتاط ومحفوظ انتظام فرمایا۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعلیمات کے تحفظ کا تعلق ہے یہ مسلمانوں کا مذہبی فریضہ بن گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ، کی جانب سے نازل ہونے والے کلام کے مختلف حصّوں (اقتباسات) کو اپنی نمازوں میں تلاوت کریں۔اس طرح اس متبرک کلام کا زبانی یاد کرنا لازم ہوگیا۔ یہ روایت بغیر کسی رکاوٹ کے جاری وساری رہی کہ رب کائنات کے کلام قرآن الحکیم کے تحریر شدہ نسخے محفوظ رکھے جائیں، دوسرا یہ کہ انہیں زبانی حفظ کیا جائے۔ یہ دونوں طریقے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی اصلی زبان میں مستند ومعتبر ترسیل وتفسیر میں ایک دوسرے کے مددگر ثابت ہوئے۔ قرآن الحکیم اپنے مواد کے اعتبار سے ''عہد نامہ قدیم'' کی پہلی پانچ کتابوں مع ''عہد نامہ جدید'' کی پہلی چار کتابوں سے بھی زیادہ عظیم ہے، چناچہ اس امر میں حیرت وحیرانی کی کوئی بات نہیں کہ قرآن پاک میں تمام شعبہ ہائے حیات کے بارے میں ہدایات موجود ہیں۔

(ب) پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ، کے نبی اور رسول کا عزاز حاصل کرنے پر اپنی اجارہ داری کا اعلان نہیں فرماتے، بلکہ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام قوموں کے لیے پیغمبر بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے چند کے نام بھی لیے ہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جن پیغمبروں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے پیغمبر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محض یہ دعویٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقانیت ووحدانیت کی بحالی کا کردار ادا کرنے آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ پیغمبروں کی تعلیمات کا احیاء چاہتے ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام وحضرت حواؑ کے جانشینوں کی بدقسمت تاریخ کے دوران جنگوں اور انقلابات کے ذریعے بے قدری و تنزلی کا شکار ہوئیں۔ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش قسمت و مقدّس یادداشت کی بہت مضبوط و مستحکم اور غیر مصالحانہ توثیق و تصدیق یہ رہی کہ رب تعالیٰ جل شانہ، کے کلام کی ترسیل وابلاغ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی برقرار رہی جس سے رب تعالیٰ جل شانہ، کی طرف سے مزید پیغمبر بھیجنے کی ضرورت نہ رہی، یقینی طور پر ہمارے پاس قرآن پاک اور حدیث پاک اپنی اصلی زبان میں محفوظ ہیں۔

(ت) نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کے پہلے ہی روز سے تمام دنیا سے مخاطب ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم یا کسی زمانے تک محدود نہیں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ ونسل اور سماجی ومعاشرتی درجہ بندیوں کی غیر مساوی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا۔ اسلام میں تمام انسان مکمل طور پر برابر ہیں اور ذاتی برتری کی بنیاد نیک اعمال وافعال پر ہے۔

(ث) انسانی معاشرے میں مکمل طور پر اچھے اور مکمل طور پر برے انسان شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ اکثریت کا تعلق متوسط درجہ سے ہوتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ کر اطمینان حاصل نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ''فرشتوں'' سے مخاطب ہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام کا رخ بنیادی طور پر عام لوگوں اور فانی انسانوں کی بہت زیادہ اکثریت کی جانب رکھا قرآن الحکیم کے الفاظ میں انسان کو ''اس دنیا کے اچھے حصے اور آخرت کے اچھے حصے'' کے حصول کے لیے کوشش وکاوش کرنی چاہیے۔

(ج) انسانی معاشرے میں عظیم سلاطین، عظیم فاتحین، عظیم مصلحین اور عظیم متقین کی کمی نہیں، لیکن زیادہ تر افراد اپنے متعلقہ شعبے ہی میں مہارت اور قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ ان تمام اوصاف

کا تمام پہلوؤں کے حوالے سے اجتماع صرف ایک ہی شخص میں ہونا، جیسا کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ہے، نہ صرف بہت ہی نایاب وکمیاب ہوتا ہے، بلکہ وہاں ہوتا ہے جب معلم کو اپنی تعلیمات کو بذات خود عملی شکل دینے کا موقع ملتا ہے یعنی جب تدریس وتجربہ میں توازن پیدا ہوتا ہے۔

(ح) اتنا کہنا کافی ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صالح کی حیثیت سے ایک مذہب کے بانی ہیں جو دنیا کہ بڑے مذاہب میں سے ایک ہے جس کا ہمیشہ شاندار و جاندار وجود رہا ہے، جس کا نقصان اس کے روزانہ کے فوائد وثمرات کے مقابلہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اپنے ہی بتا ہوئے اصول وضوابط پر انتہائی ریاضت واستقامت کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے حوالے سے رحمتہ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ بے داغ ہے، ہم جانتے ہیں کہ ایک سماجی و معاشرتی منتظم کی حیثیت سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ملک میں صفر سے سفر کا آغاز کیا جہاں ہر ایک شخص، ہر دوسرے شخص سے برسرو کار تھا. سرور کونین حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی ریاست کی بنیاد رکھنے میں دس سال لگے جو تیس لاکھ مربع کلومیٹر سے زیادہ کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اور جس میں تمام جزیرہ نمائے عرب کے ساتھ ساتھ فلسطین اور جنوبی عراق کے علاقے شامل تھے۔ آپ صلی ا علیہ وسلم نے اتنی بڑی سلطنت کو اپنے جانشینوں کے لیے ورثہ میں چھوڑا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پندرہ سال کے عرصے میں اسے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے تین براعظموں تک وسعت دے دی۔ (طبری، جلد اول)

فاتح کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی وعسکری ہجات میں دونوں جانب سے انسانی جانوں کے ضیاع کی کل تعداد چند سو افراد سے زیادہ نہیں ہے، لیکن ان علاقوں کی رعایا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کامل واکمل تھی۔ درحقیقت رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسموں کے بجائے دلوں پر حکمرانی کی۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی کامیابی وکامرانی کا تعلق ہے مکہ مکرمہ میں حجتہ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیڑھ لاکھ پیروکاروں کے اجتماع سے خطاب کیا جب کہ ابھی تک مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس تاریخی موقع پر لازما اپنے اپنے گھروں میں رہی ہوگی (کیونکہ ہر سال حج کرنا فرض نہیں ہے)۔

(خ) پیغمبر اسلام حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قوانین اپنے پیروکاروں کے لیے لاگو کیے اپنے آپ کو بھی قوانین سے بالاتر نہیں سمجھا، بلکہ اس کے برعکس جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں سے عمل کی توقع ہوسکتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بڑھ کر عبادت وریاضت کی، روزے رکھے اور رب تعالیٰ جل شانہ، کی راہ میں خیرات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصاف پسند تھے اور حتیٰ کہ اپنے دشمنوں کیساتھ نرمی و ہمدردی سے پیش آتے تھے چاہے وہ امن کا زمانہ یا جنگ کا دور ہو۔

(د) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کرتی ہیں یعنی عقائد، روحانی عبادت، اخلاقیات، معاشیات، سیاست الغرض وہ تمام کچھ جس کا انسان کی انفرادی یا اجتماعی، روحانی ومادی زندگی سے ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شعبہ ہائے حیات میں اپنے فعل وعمل کی مثال چھوڑی ہے۔

☆ چنانچہ کسی بھی فرد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ ضروری کرنا چاہیے اس سے پہلے کہ وہ اس بارے میں کوئی فیصلہ کرے۔

❁ ❁ ❁

رسول کریم ﷺ کے دعوتی مکاتب کی معنویت

عہد حاضر میں

ظفر دارک قاسمی

محمد ﷺ کی حیات طیبہ تمام عالم انسانیت کے لیے نمونۂ عمل ہے اللہ تعالیٰ انسانیت کی ہدایت اور تعمیر وترقی کے لیے وقت اور حالات کی مناسبت سے ہر دور میں اپنے منتخب وبرگزیدہ بندوں کو مختلف اقوام میں مبعوث کرتا رہا ہے جو انسانی تہذیب وتمدن کے سچے علمبردار رہے تاریخ شاہد ہے کہ جب نبوت کا بارگراں پڑنے سے آپ ﷺ کو خوف زدگی کی کیفیت محسوس ہوئی اور پورا واقعہ حضرت خدیجہؓ کو سنایا اور کہا مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے اس وقت حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے جو کچھ کہا وہ احادیث کی کتابوں میں موجود ہے بخاری شریف میں ہے ''ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم اللہ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کریگا، بے شک آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں بے سہارا لوگوں کا بار اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کو کما کر دیتے۔ مہمان نوازی کرتے ہیں، نیک کاموں میں مدد کرتے ہی۔'' بظاہر یہ پانچ صفات ہیں مگر اس میں خدمت خلق وفلاح عام کی قابل تقلید مثال موجود ہے جو کہ زمان ومکان سے بالاتر ہر انسان کے لیے نمونہ ہے۔ اور اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی سرشت میں بھی انسان دوستی رکھ دی گئی تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ کی ساری زندگی امن وامان اور انسانیت کو بلند مقام بخشنے کی سچی داستان ہے۔ آپ نے بعثت سے قبل بھی امن، قومی یکجہتی اور انسان دوستی کی بحالی کی بھرپور کوشش کی کیونکہ اس وقت دنیا میں نراج، بدامنی، خلفشار کا دور دورہ تھا۔ برائیوں کا سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا ماخذ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حرب فجار خونریزی میں سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔ یہ جنگ قبیلۂ قریش اور قبیس کے درمیان ہوئی تھی، اس طرح کی متواتر لڑائیوں سے سیکڑوں گھر برباد ہوگئے اور قتل وغارت گری ایک عادت بن گئی یہ دیکھ کر بعض طبقوں میں امن و سلامتی کی تحریک پیدا ہوئی اور خاندان کی سرکردہ شخصیات اور رسول ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تجویز پر ۲۰/ذی القعدہ عام الفیل میں ایک معاہدہ ہوا جس میں آپ ﷺ بھی شریک تھے۔ قیام امن کے اس معاہدہ کو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس معاہدہ کے وقت آپ ﷺ کی عمر بیس سال تھی یہ معاہدہ آپ کے نزدیک اتنا اہم تھا کہ آپ عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے ''عبداللہ بن جدعان کے گھر معاہدے کے وقت میں موجود تھا۔ اس کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو لینا پسند نہ کرتا۔ اسلام میں اس معاہدہ کے لیے بلایا جائے تو میں ضرور شریک ہوں گا'' یہ بھی فرمایا کہ ''جاہلیت میں جو معاہدہ تھا، اسلام نے اسی کے استحکام ہی کو بڑھایا ہے''

اس معاہدے میں بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد اور بنو تمیم شامل تھے۔ معاہدہ کی اہم نکات یہ ہیں۔ (۱) ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے۔ (۲) ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے (۳) ہم

غریبوں کی امداد کیا کریں گے۔ (۵) ہم مکہ یا غیر مکہ کے مظلوموں کی حمایت کریں گے۔ اس معاہدہ سے اندزہ ہوتا ہے کہ آپ قیام امن اور خدمت انسانیت کو کس درجہ اہمیت دیتے تھے سچی بات یہ ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی جو انسانیت کو سنبھالا دے۔ ظلم و عداوت، قتل و قتال اور بدامنی اور حکم عدولی جیسے جرائم آخری حدوں کو پار کر چکے تھے۔ حق وصداقت نام کی کوئی چیز نہیں تھی ۔حضرت سلمان فارسی جیسے ایمان و یقین کے متلاشی کو ایران سے لیکر شام کی آخری حدوں تک صرف چار اشخاص ایسے ملے تھے جو انبیاء کے بتائے ہوئے راستے پر تھے۔ اس عالم گیر تاریکی، پستی کا نقشہ قرآن مجید اس طرح کھینچتا ہے۔ ''خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے'' انسانیت کی پستی انتشار اور خدافراموشی کی ایک مؤثر تصویر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے استفسار پر مہاجرین کی طرف سے حضرت جعفر طیار کی جانب سے کی جانے والی تقریر میں نظر آتی ہے۔ ''اے بادشاہ ہم جاہلیت میں پڑی ہوئی قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ فحش کام کرتے تھے۔ قطع رحمی کرتے تھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔ عہد و پیمان کا پاس کرنے میں بُرا رویہ رکھتے تھے اور ہم میں طاقتور کمزوروں کو کھا جاتا تھا'' انسانیت کی اس زبوں حالی میں اللہ رب العزت کی طرف رسول رحمت کا ورود سعود ہوا بعثت کے بعد کفار مکہ نے آپ کو اور آپ کے جانثار صحابہؓ کو سخت ترین اذیتیں پہنچائیں۔ اسی اثناء حضور نے مدینہ کو ہجرت فرمائی چنانچہ سن ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی جو بقائے باہم۔ امن و امان پر مبنی تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مختلف غیر مسلم امراء کو دعوتی خطوط روانہ فرمائے۔ جن کا مقصد تمام انسانیت کو امن وسلامتی کی آزادی، اخوت، مساوات اور حق شناسی سے آشنا کرانا تھا حضور ﷺ نے ان دعوتی خطوط کے ذریعہ لوگوں کو سچی ہمدری سکھائی اور فساد زدہ دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کی کامیاب ترین سعی کی اس دنیا کو چین وسکون کی اس وقت بھی ضرورت تھی چنانچہ آج بھی اس دنیا کو عدل وانصاف امن وشانتی کی شدید ضرورت ہے۔ جو دعوتی مکتوب آپ ﷺ نے بادشاہوں کو روانہ فرمائے تھے ان کی اہمیت افادیت کو بڑھانے کے لیے چند پہلو ابھر کر سامنے آتے ہیں جن کو سطور ذیل میں بیان کیا جائیگا۔ دراصل ان دعوتی خطوط کے ذریعہ نوع انسانیت کو خیر خواہی شانتی اور جذبہ خیر سگالی کا درس دینا مقصد تھا۔

ان خطوط کو دو بنیادی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک، مسلم امراء وقبائل کے نام۔

دوسرے، غیر مسلم امراء ووقبائل کے نام۔

رسول اللہ ﷺ نے جن مسلم امراء قبائل، غیر مسلم بادشاہوں کو خطوط ارسال فرمائے، ان کی تعداد میں تقریباً تین سو پچاس ہے ان میں سے چند نمایاں حسب ذیل ہیں:

شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی، شاہ روم قیصر ہرقل، فارس کسریٰ، خسرو پرویز، شاہ اسکندریہ ومصر مقوقس، شاہ بحرین منذر بن ساویٰ شاہ یمامہ ہوذہ بن علی، شاہ دمشق حارث غسانی شاہ عمان جیفر وعبد، ایل نجران مسیلمہ کذاب، بنو جذامہ، بنو بکر بن وائل ذی الکلاع وغیرہ۔

چند غیر مسلم امرا کے علاوہ اکثر امراء وقبائل نے اسلام قبول کرلیا اور کفر کے اندھیروں سے نکل کر ایمان واسلام کی روشنی میں آگئے۔ رسول ﷺ نے غیر مسلموں کے علاوہ امرائے قبائل کے نام بھی فرامین جاری فرمائے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

خالد بن ولید، منذر بن ساویٰ، فروہ بن عمر و جذامی، اکیدر، وائل بن حجر، مالک بن نمط، بنی نہد، اہل حضرموت، قبائل عباہلہ

پہلی خصوصیت

اگر ہم ان کو ادبی نقطہ نظر سے دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مراسلات ادب نگاری کا بہترین منقع ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے مراسلات میں مکتوب نگاری کی تمام عمدہ و اعلیٰ خوبیاں نمایاں ہیں۔ کلام اللہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی گفتگو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ عروج و کمال کی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔ آپ ﷺ کے مراسلات طوالت بیان سے پاک اور مسجع و مقفیٰ عبارت آرائی کے تکلف و تصنع سے کوسوں دور ہیں۔ الفاظ کے گورکھ دھندوں اور لفظ و بیان کی نمایش کے بجائے اسلوب کی سادگی نمایاں ہے، مراسلات ایجاز و اختصار کا عظیم شاہکار ہیں۔ مراسلات کے علاوہ یہ خصوصیت آپ ﷺ کی عام گفتگو میں بھی پائی جاتی ہے۔ مراسلات کا ہر جملہ پیغمبرانہ صداقت و امانت کا آئینہ دار ہے۔ یہ پختہ یقین، بلند حوصلہ اور عزم مصمم کے ساتھ دعوت حق سے معمور ہیں۔

دوسری خصوصیت

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ مراسلات دعوتی انداز سے بھی انتہائی اہم ہیں ہمارے ماخذ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین عرب کے علاوہ عیسائی، یہودی اور مجوسی امراء اور سرداروں کے نام دعوتی پیغامات اور مراسلات کا سلسلہ جاری رکھا جن میں انھیں وعظ و نصیحت کی گئی اور ایمان یقین اور عمل کی دعوت دی گئی۔

مشرکین عرب کے نام دعوتی پیغامات میں آپ نے انھیں شرک و بت پرستی سے اجتناب اور تنہا اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دی اور اپنی آخرت کو سنوارنے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر حساب دینے پر یقین کی دعوت دی۔ علاوہ ازیں رسالت محمدی تسلیم کرنے کو کہا اور دینی و دنیاوی معاملات میں اتباع نبوت کا حکم دیا۔

عیسائیوں کے نام دعوتی مراسلات میں انھیں مشترک امر یعنی توحید اور عیسیٰ بن مریم کے اللہ کا بندہ و رسول اور کلمۃ اللہ ہونے کے ناتے سے اسلام اور اپنی نبوت کی تصدیق و اتباع کی دعوت دی ہے جیسا کہ قیصر، مقوقس اور اہل نجران کے نام خطوط سے عیاں ہے۔

مجوسیوں کے نام پیغام میں آپ نے انھیں اہرمن اور یزداں کی پوجا چھوڑ کر ایک اللہ عزہ جل کی طرف بلایا اور تمام کائنات کے لیے اپنے رسول ہونے کا اعلان کیا، اور انھیں توحید اور رسالت پر ایمان کی دعوت دی جیسا کہ خسرو پرویز کسریٰ کے نام خط سے ظاہر ہے۔ کسریٰ سے اسلام قبول کرنے کی صورت میں امن و سلامتی کا وعدہ فرمایا اور اسلام قبول کرنے سے انکار کی صورت میں اسے تمام اہل فارس کی گمراہی اور تباہی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ لیکن اس بدبخت نے رسول اللہ ﷺ کے نامۂ مبارک کو پھاڑ ڈالا۔ رسول اللہ نے س کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی پیش گوئی فرمائی جو کہ سچ اور درست ثابت ہوئی۔

تیسری خصوصیت

تیسری خصوصیت یہ ہیکہ مسلم امراء و قبائل کے نام مراسلات دعوتی نوعیت کے نہیں، بلکہ وعظ و نصیحت پر مبنی ہیں اور بعض نماز، روزہ کے مسائل اور خصوصاً زکوٰۃ کی تفصیلات پر مشتمل ہیں، مثلاً زکوٰۃ کی مقدار نصاب، مقدار واجب زکوٰۃ میں دیے جانے والے مال کی اہمیت نوعیت اور حالت وغیرہ۔ مسلم امراء کے نام بعض مراسلات انتظامی نوعیت کی ہدایت پر مشتمل ہیں مثلاً امراء کو آراضی دینے اور ان کی حکمرانی کو برقرار رکھنے کے احکام۔ اہل دومۃ الجندل کو ملکیت باغات اور آراضی کی نوعیت کا خط لکھ کر ایک قسم کا معاہدہ فرمایا۔ اسی طرح وائل بن حجر کے نام خط میں ان کی تمام جائیداد کو ان کی ملکیت میں برقرار رکھا گیا ہے اور کسی دوسرے آدمی کے اس زمین سے ہر قسم کے تعرض کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ معاہدات کے ضمن میں مختلف قبائل

کوعہد و پیماں پر کاربند رہنے اور رسول اللہ ﷺ کی حرمت کا لحاظ رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ مسلم امراء وقبائل کو ایمان وعمل پر ثابت قدم رہنے کی صورت میں اجر وثواب، انعام واکرام اور جنت کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ جبکہ غیر مسلم امراء کو اسلام قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے پر امن سلامتی اور مغفرت وبخشش کی نوید دی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت بشیر ونذیر پیغمبرانہ صداقت کی وجہ سے کفار کو ڈنکے کی چوٹ پر ایمان سے انکار کی حالت میں جزیہ اور جزیہ سے انکار پر جنگ کی دھمکی دی اور جہنم کے عذاب سے ڈرایا دھمکایا اور اس کو اس سے آگاہ کردیا۔ کہ حکمراں وسردار قبیلہ کے اسلام قبول نہ کرنے پر اس کی تمام رعایا اور اہل قبیلہ کا گناہ اس کی گردن پر ہوگا، جب کہ مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عدم عمل کی صورت میں ان کی املاک کی واپسی اور امراء وقبائل کی معزولی کی دھمکی دی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرایا ہے۔

چوتھی خصوصیت

سیاسی ہے ماخذ بتاتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی میں دنیا میں دو بڑی بنیادی سلطنتیں قائم تھیں، یعنی سلطنت روم اور سلطنت فارس، جبکہ جزیرہ نمائے عرب میں قبائلی طرز زندگی رائج تھا۔ سلطنت روم میں عیسائی مذہب ترقی کررہا تھا کیونکہ قیصر مذہباً عیسائی تھا اور مسیحی مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی یہی حیثیت فارس میں مجوسی مذہب کو حاصل تھی۔ اور وہاں کی آبادی اہرمن اور یزواں کو اپنا خالق تصور کرتی تھی۔ جزیرۂ عرب میں گردش ایام نے ملت ابراہیمی کی جگہ بت پرستی کو جنم دیا۔ لوگوں نے ملت ابراہیمی سے روگردانی کی اور اللہ کے علاوہ کئی معبودان باطلہ بنالیے تھے۔ یوں رومی مسیحی گمراہیوں کا شکار ہوچکے تھے، فارسی عوام توہم پرستی میں مبتلا تھے اور عرب قبائل ملت ابراہیمی سے انحراف کے علاوہ فخر ومباہات اور شدید باہمی نفرت اور تعصب کی فضا میں زندگی بسر کررہے تھے۔ پوری دنیا کفر وشرک کی لپیٹ میں تھی۔ اور کفر وشرک کی ظلمت چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ انسانیت گمراہیوں کی دلدل میں بری طرح دھنسی ہوئی تھی اور ظلم وستم کی چکی میں بری طرح پس رہی تھی۔ اب وقت آگیا تھا کہ دنیا سے ظلم وستم کا راج ختم کردیا جائے، ذات پات کی اونچ نیچ اور امیر وغریب اور آقا وغلام کا فرق مٹادیا جائے اور کفر وشرک کی بیخ کنی کردی جائے۔ دنیا میں ہمہ گیر اور عالم گیر امن کی ضرورت تھی لہٰذا دنیائے ضلالت کے عین وسط میں محمد ﷺ آفاقی امن وفلاح کا پیغام لے کر فاران میں نمودار ہوئے اور لوگوں کے سامنے اپنا پیغام پیش کیا چند ارواح مقدسہ نے اس پیغام کو دل وجاں سے قبول کرلیا اور بارگاہ رسالت میں حاضری کا شرف حاصل کرتے ہوئے فیض یاب ہونے لگے تھے۔ اب وقت آگیا تھا کہ جزیرہ عرب کو رشد وہدایت کی آغوش میں لینے کے بعد رحمۃ للعالمین ہونے کا عملی مظاہرہ کیا جائے چنانچہ جاں نثاروں کو جمع کرکے اعلان کیا گیا کہ مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا گیا۔ لہٰذا پیغام امن وانقلاب لے کر قریب وبعید قبائل اور ارباب اقتدار کے پاس جاؤ اور انھیں اسلام کی آغوش میں لے آؤ۔ بصورت دیگر وہ ذلیل ورسوا ہوکر جزیہ دینے کے لیے آمادہ ہوجائیں۔ ورنہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار رہیں۔ کیونکہ یہی اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ مذکورہ تینوں صورتوں میں سے ایک کے انتخاب میں ہر شخص کو ضمیر وارائے کی مکمل آزادی دی گئی چنانچہ کئی ایک حضرات نے اس دعوت کو قبول کرلیا اور کئی ایک نے خاموشی اختیار کرلی۔ صرف کسریٰ نے اپنی بدبختی کو دعوت دی اور نامہ مبارک کو چاک کرکے قعر مذلت کے کنویں میں جاگرا اور ہمیشہ کے لیے ناکام ونامراد ہوگیا۔

جہاں دیگر عرب قبائل اور روم و فارس اور حبشہ کے حکمرانوں کو دعوتی مراسلات ارسال کیے گئے، وہاں یمن کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ یمن اپنی زرخیزی، شادابی، خوش حالی اور منظم و مستحکم نظام حکمرانی کی وجہ سے عرب کے دیگر علاقوں کے مقابلے میں نمایاں و امتیازی حیثیت رکھتا تھا لہٰذا عالمی دعوتی پروگرام میں یمن پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اکثر خطوط اس علاقے سے تعلق رکھنے والے قبائل کی طرف لکھے گئے۔ مراسلات کے ذریعے دی جانے والی دعوت کو قبول کرتے ہوئے مندرجہ ذیل قبائل وفود کی صورت میں دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور اسلام سے بہرہ ور ہوکر رشد و ہدایت کے ستارے بن کر دنیا کو جگمگایا۔

وفد عبدالقیس، وفد اشعریین، وفد کندہ ازد، وفد ہمدان، وفد غامد، وفد نخع، وفد بنی الحارث، وفد دوس، وفد تجیب، وفد بہرہ اور وفد نجران وحضرموت۔

یہ وفود اپنے سرداروں اور ممتاز افراد کی قیادت میں حاضر ہوئے اور ذہنی فکری انقلاب کے بعد دینی مسائل سیکھتے، سیاسی نکات حاصل کرتے اور نصائح سے فیض یاب ہوکر اصول جہاں بانی وحکمرانی معلوم کرکے اپنے اپنے علاقوں کو واپس روانہ ہوگئے۔

پانچویں خصوصیت

یہ خصوصیت بھی انتہائی اہم ہے یعنی امن وامان کا قیام اور ظلم وزیادتی کا سدباب ان مراسلات میں ایمان کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ امن وسلامتی کا قیام بھی موجزن ہے۔ نیز ان کو ایک طرح کی سیاسی عدالتی اور سرکاری حیثیت حاصل ہے۔ رسول ﷺ نے اپنی نبوی زندگی میں انسانی جانوں کے احترام کی لازوال مثالیں قائم کی۔ ماخذ بتاتے ہیں کہ ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں چھوٹی بڑی ۸۳ جنگیں لڑیں جن میں ۵۶ سرایا اور ۲۷ غزوات ہیں ان جنگوں میں ۲۵۹ مسلمان شہید اور ۷۵۹ کفار مارے گئے جبکہ ایک مسلمان اور ۶۵۶۴ کفار اسیر ہوئے۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے اپنی کتاب عہد نبوی کے میدان جنگ میں جو تبصرہ کیا ہے وہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

''عہد نبوی ﷺ کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں اکثر دگنی تگنی اور بعض وقت دس گنی قوت سے مقابلہ ہوا اور تقریباً ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی۔'' تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی و مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتے ہیں تو اہل مکہ کے ساتھ درگذر اور رواداری کا جو سلوک فرمایا۔ انسانی تاریخ میں اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔ تمام مجرمین سزا کے منتظر کھڑے تھے مگر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا جاؤ تم سب آزاد ہو۔ آج اکیسویں صدی کی غالب تہذیب کو اپنی نام نہاد انسانی آزادیوں پر فخر ہے۔ مگر ایک فاتح قوم کی صورت میں مفتوحین کے ساتھ جو توہین آمیز سلوک روا رکھتی ہے اس کو اگر رسول رحمت کے دعوتی مکاتیب کی روشنی میں دیکھا جائے تو انسانیت شرمسار ہوجاتی ہے۔

ان دعوتی مکاتیب کا بنیادی مقصد بھی اتحاد امت عدل و مساوات کو پروان چڑھانا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جن امراء نے ان مکتوب کی آواز پر لبیک کہا وہ خود دنیا میں امن وامان اور حق وصداقت کے علمبردار بنے رہے۔ محمد ﷺ نے ان مکتوب کے ذریعہ بھی نوع انسانیت کو ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کی ہے چنانچہ عہد حاضر میں بھی دنیائے انسانیت کو اخوت، شانتی، عدل مساوات کی سخت ضرورت ہے اگر ہم ان بنیادی حقوق کو تلاش کریں تو ہمیں عہد رسالت میں ان گنت نمونے مل جائیں گے۔ جو عالم انسانیت کو کامیاب و کامران بنانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

(مضمون نگار شعبہ دینیات، اے ایم یو علی گڑھ کے ریسرچ اسکالر ہیں)

❁ ❁ ❁

انسانی حقوق کا دائمی منشور

..... ● ڈاکٹر محمد طیب خان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور خود ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے معلوم چلتا ہے کہ کوئی فلسفہ یا نظریہ اسی صورت میں مستحکم ہوتا ہے جو اجتماعی اور انفرادی زندگی میں ہر شخص و ادارے کے لیے یکساں طور پر قابل عمل ہو اور صرف نعروں پر مشتمل نہ ہو اور جو منصفانہ طور پر سب پر یکساں لاگو ہو سکے۔ اس طرح موجودہ دور میں انسانی حقوق (Human Rights) کا ساری دنیا میں چرچا عام ہے۔ اس پر مختلف طریقوں سے کام ہو رہا ہے، ادارے قائم ہیں اور ان کا بظاہر مقصد صرف یہ نظر آ رہا ہے کہ انسانی حقوق کا نظریہ ایسے مذہب کا درجہ پا لے کہ جس کے مقابل کوئی مذہب جس میں حالات اور زمانے کی رعایت ہو، نہ آ سکے اور خصوصاً اسلام، اس لیے کہ اس کی تعلیمات ہر طرح اور ہر دور کے لیے مکمل اور قابل عمل ضابطہ حیات اور قابل عمل ہیں، نہ یہ تعلیمات کسی قوم اور زبان بولنے والے اور نہ ہی بلند اور کم تر کو سامنے رکھ کر واضح کی گئی ہیں اس لیے عالم گیر ہیں اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک عملی مثال ہے۔

انسانی حقوق کا تعین اسلام نے خود کر دیا ہے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح احکامات اس ضمن میں عطا فرمائے، چونکہ لوگ دینی احکام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے کم واقفیت رکھتے ہیں اس لیے دوسری اقوام سے مرعوب رہتے ہیں اور ان کی ہر درآمد شدہ فکر اور نظریہ ہمیں صحیح بھی لگنے لگتا ہے۔ اب غور فرمائیں کہ اقوام متحدہ نے جو انسانی حقوق کا چارٹر پیش کیا ہے اس کی بیشتر دفعات اور خود (Universal Declaration of Human Rights) ''خطبہ حجۃ الوداع'' کا چربہ ہے، جو ہمیں محسن انسانیت نے چودہ صدی قبل عطا فرما دیا تھا۔

انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت کے نام منشور اعظم ''حجۃ الوداع 632'' جس کے متعلق یہ کہنا بجا ہے کہ یہ انسانی حقوق کا اولین، جامع ترین، مثالی، ہمہ گیر اور دائمی نافذ العمل منشور ہے۔ جو نہ کسی سیاسی مصلحت کی بنیاد تھا اور نہ کسی وقتی جذبے کی پیداوار۔

یہ حقوق انسانی کے اولین علمبردار، انسانیت کے تاجدار، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی نوع انسان کے نام انسانی حقوق و فرائض کا آخری اور دائمی پیغام تھا جسے تاریخ میں انسانی حقوق کے تمام منشوروں اور دستاویزات حقوق پر تاریخی اعتبار سے اولیت کا شرف حاصل ہے اور جو ابدی فوقیت اور عملی حقیقت کا آئینہ دار ہے ''خطبہ حجۃ الوداع'' کو بلا خوف تردید تاریخی حقائق کی روشنی میں انسانیت کا سب سے پہلا منشور انسانی حقوق ''Declaration of the Right of man'' اور ظلمت کدہ عالم سے انسان دشمنی، بدامنی، ناانصافی، جبر و تشدد اور استحصال و استبداد کے خاتمے پر مبنی فلاحی نظام کو نئے عالمی نظام (New World Order) ہونے کا شرف حاصل ہے۔

عہد حاضر میں مغربی علمبرداروں اور انسانی حقوق کے نام نہاد ترجمانوں کی جدوجہد اور تحریک کا آغاز خود ان کی اپنی تاریخی شہادتوں کی روشنی میگنا کارٹا (Magna Carta)

(مجریہ 15 جون 2015 جسے وولٹیر منشور آزادی اور مغربی دنیا ''منشور اعظم'' قرار دیتی ہے) سے ہوا ہے۔

مغربی دنیا کی اس تحریک کا نکتہ اختتام اور منتہائے ارتقاء اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق مجریہ 10 دسمبر 1948 کو قرار دیا جاتا ہے اس طرح ہادی عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ انسانیت کے منشور اعظم ''خطبہ حجۃ الوداع'' کو تاریخ کے تمام انسانی حقوق کے منشوروں اور دستاویز پر تاریخی اولیت اور ابدی فوقیت کا حامل قرار دینا بالکل بجا ہے۔ انسانی حقوق کی یہ مثال اور دائمی منشور رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں اور انسانی معاشرے کے لیے دائمی دستور عمل اور ضابطہ حیات ہے۔

مغربی دنیا کے خود ساختہ ناپائیدار قابل تغیر وتبدیل وقتی تقاضوں اور مصلحتوں کی وجہ سے ان میں اضافہ اور تخمینے کا عمل جاری رہتا ہے اور یہی اس کے نقص کی دلیل ہے، ہر انسانی عمل خواہ وہ اجتماعی ہو یا انفرادی نقائص سے پاک اور تنقید سے بالاتر نہیں ہوتا، ان وجوہ سے تمام بنی نوع انسان کے لیے قابل عمل نہیں ہو سکتا۔ دن رات کا مشاہدہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

انسانی حقوق کے ان مغربی علم برداروں کے قول و فعل کا تضاد ہے، جس کے نتیجے میں دنیا کے گوشے گوشے میں آج ہر جگہ حریت کی قدر ومنزلت پامال اور شرف انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی ہے، انسانیت کے ان نام نہاد علمبرداروں نے انسانی دوستی، ہمدردی اور انصاف کے نام پر جو کردار ادا کیا اسے انسانیت کے نام پر جنگ عظیم اول و دوئم، جنگ خلیج، بوسنیا، روانڈا، صومالیہ، فلسطین و لبنان، عراق اور افغانستان نیز دیگر خطوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان ممالک میں انھوں نے انسانیت کے خلاف ایسے سنگین جرائم سے تاریخ رقم کی جس کی مثال تاریخ عالم کے تاریک سے تاریک دور میں بھی ملنا محال ہے، یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو قومیں عہد حاضر میں حقوق انسانی کے پرفریب اور بلند و بانگ دعوے کر رہی ہیں وہی انسانیت کا خون چوسنے میں پیش پیش ہیں۔

آج اسلام و اسلامی دنیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کو انسانی حقوق کے حوالے سے ہدف تنقید بنانے والے درحقیقت تاریخی صداقت اور ایک ناقابل تردید ابدی حقیقت کو جھٹلا کر انسانیت کے خلاف اپنے سیاہ کارناموں اور تاریک مظالم کے سفاکانہ جرائم سے توجہ ہٹا کر اس پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خطبہ حجۃ الوداع'' کی صورت میں انسانی حقوق کا منشور اعظم اس تاریخی دور میں عطا فرمایا جو آج کی نام نہاد مہذب دنیا کی ترقی یافتہ جمہوریت سے زیادہ بہتر دور تھا، اس میں درندگی، دھوکا دہی اور فریب نہ تھا، وہ ایسا زمانہ تھا جب عہد حاضر کی ترقی یافتہ اقوام تہذیب وتمدن سے بہت دور تھیں، جس میں مغربی دنیا انسانی حقوق تو درکنار انسانیت کے نام سے بھی ناواقف اور انسانیت وانسانیت نوازی سے حد درجہ دور تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریک دور میں انسان کو انسانیت نوازی کا عملی درس دیا، انھیں حقوق وفرائض سے آگاہ کیا، انسانی حقوق کے منشور اعظم ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے اس مثالی، ہمہ گیر اور ابدی منشور کو عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مدنی معاشرہ میں نافذ العمل بنا کر اسلامی دستور حیات کا لازمی عنصر اور جزو لاینفک بنا دیا اور اس طرح ایک تاریخ ساز مثالی فلاحی معاشرہ کی بنیاد قائم فرمائی جس کے تفویض تابندہ کی بدولت یورپ اور مغربی دنیا تہذیب وتمدن کی دولت سے ہمکنار اور مہذب ہونے کے اہل قرار پائی۔ لہٰذا انسانی حقوق پر مبنی یہ ایسا ابدی منشور اور چارٹر ہے جسے بلاتفریق رنگ ونسل، قوم وملت رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لیے دائمی دستور العمل ہونے کا شرف حاصل ہے جس پر انسانیت جتنا بھی فخر وناز کرے کم ہے۔

❁ ❁ ❁

اسلام کی پہلی دو وحی انسانیت کا چارٹر

.....● جاوید چوہدری

دن 14 اگست کا تھا اور سن 610ء رمضان المبارک کی اٹھارہویں تاریخ تھی، ہجرت کو ابھی بارہ سال باقی تھے، ہمارے رسولؐ غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت فرما رہے تھے، حضرت جبرائیل امین تشریف لائے اور فرمایا ''پڑھ''۔ دو جہانوں کے مالک نے جواب دیا ''میں پڑھنا نہیں جانتا'' حضرت جبرائیل نے رحمت اللعالمین کو سینے سے لگایا، زور سے بھینچا، آپؐ کو تکلیف ہوئی، حضرت جبرائیل نے آپ کو چھوڑا اور فرمایا ''پڑھ'' مالک دو جہاں نے دوسری بار جواب دیا ''مجھے پڑھنا نہیں آتا'' فرشتے نے دوسری بار سینے سے لگایا، دبایا اور فرمایا ''پڑھ'' مالک دو جہاں نے فرمایا ''کیا پڑھوں'' فرشتے نے تیسری بار سینے سے لگایا، بھینچا اور اس کے بعد ہمارے رسولؐ پر پہلی وحی اتری:

''پڑھ اپنے رب کے نام سے، جس نے پیدا کیا، جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے، پڑھ اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم کے واسطے، اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا''

یہ دنیا کے آخری نبیؐ اور آخری دین کے لیے اللہ تعالیٰ کا پہلا پیغام تھا، آپ اگر اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو محسوس کرنا چاہتے ہیں تو آپ اور مجھ جیسے گنہگار کے لیے پہلی دو وحی کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی میں انسان کو چار پیغام دیے، اللہ کے نام سے پڑھیے۔ یعنی پڑھنا مسلمان کے لیے اللہ کا پہلا حکم ہے اور ہم میں سے جو مسلمان پڑھتا نہیں وہ اللہ کے پہلے حکم کی عدولی کرتا ہے چنانچہ ہم اگر مسلمان ہیں تو ہمیں روز مطالعہ کرنا چاہیے۔

دوسرا پیغام، انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور پیدا بھی جمے ہوئے خون سے کیا۔ یعنی ایسی چیز سے پیدا کیا جس سے شاید پیدائش ممکن نہ ہو، گویا انسان کی پیدائش اللہ تعالیٰ کا عظیم معجزہ ہے، خالق اپنی مخلوق کا ذمے دار ہوتا ہے اور ہماری زندگی، ہمارے رزق، ہمارے عروج و زوال اور ہمارے اتار اور چڑھاؤ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور ہمیں زندگی کے تمام معاملات کے لیے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا چاہیے۔

تیسرا پیغام، آپ کا رب بڑا کریم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے تیسرا پیغام تھا، اللہ تعالیٰ کریم ہے، بڑا ہی کریم ہے یعنی ہمیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے کرم مانگنا چاہیے اور اللہ کرم کرتا ہے اور اسلام کی پہلی وحی کا چوتھا اور آخری پیغام پھر علم سے متعلق تھا ''جس نے علم سکھایا اور قلم کے واسطے، اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا'' اس پیغام میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو انسان کو علم عنایت کرتی ہے، علم والے اللہ تعالیٰ کے خصوصی بندے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جب انھیں علم دیتا ہے تو ان پر فرض ہو جاتا ہے یہ اس علم کو قلم کے ذریعے آگے پھیلائیں

یعنی کتابیں لکھیں چنانچہ ہم میں سے ہر وہ شخص جو علم اور تجربے کے باوجود کتاب نہیں لکھتا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتا ہے۔

ہمارے رسول ﷺ پر پہلی وحی 14 اگست 610ء کو نازل ہوئی تھی' آپؐ گھبرا گئے، گھر واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا'' مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے ڈر لگ رہا ہے'' حضرت خدیجہؓ نے کمبل اوڑھا دیا اور آپؐ کو دلاسا دیا'' خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بے آبرو نہیں کرے گا کیونکہ آپؐ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلس اور ناداروں کو اپنی نیک کمائی سے حصہ دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں اور آپؐ لوگوں کی دستگیری کرتے ہیں''

حضرت خدیجہؓ کے یہ الفاظ انسانیت کا چارٹر ہیں، یہ وحی کے بعد کسی انسان کا نبی اکرمؐ کو پہلا ٹریبوٹ تھا، میری آپ خواتین و حضرات سے درخواست ہے، آپ اگر دنیا میں آبرومندانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو آپ ان الفاظ کو فریم کروا کر اپنی دیوار پر لگا لیں یا میز پر رکھ لیں اور ان چھ احکامات کو اپنی زندگی کا معمول بنا لیں اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی مخلوق میں بے آبرو نہیں ہونے دے گا۔ یہ ہم عام انسانوں کے لیے کامیابی اور عزت کا فارمولہ ہے، میں واپس وحی کے سلسلے کی طرف آتا ہوں۔

نبی اکرمؐ پر پہلی وحی کے نزول کے بعد کچھ عرصے تک دوسری وحی نازل نہیں ہوئی جس کی وجہ سے آپؐ مضطرب اور پریشان رہتے تھے یہاں تک کہ ایک دن آپؐ غار حرا کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں حضرت جبرائیل امین تشریف لے آئے، آپؐ پر لرزہ طاری ہو گیا، آپؐ گھر تشریف لے آئے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا'' مجھے چادر اوڑھا دو' مجھے چادر اوڑھا دو'' آپؐ لیٹ گئے، چادر اوڑھ لی اور آپؐ پر دوسری وحی نازل ہو گئی، دوسری وحی کے الفاظ تھے'' اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے اٹھیے اور خبردار کیجیے اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کیجیے، اپنا لباس پاک رکھئے اور گندگی سے دور رہیے، احسان کسی فائدے کی خاطر نہ کیجیے اور اپنے رب کے لیے صبر کیجیے''

یہ دوسری وحی آپ اور میرے جیسے گنہگاروں کے لیے دوسرا چارٹر تھا، اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کے لیے چار احکامات جاری کیے، ہم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کریں، ہم ہر وقت اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کریں اور اس کی بڑائی، اس کے کرم پر شکر ادا کریں، دوسرا حکم لباس کی صفائی اور گندگی سے پرہیز تھا۔

اللہ تعالیٰ کو گندے لوگ اور گندگی پسند نہیں، چنانچہ اس نے حکم جاری کیا آپ اگر مسلمان ہیں تو آپ کا لباس صاف ہونا چاہیے اور آپ کو گندگی نہیں پھیلانی چاہیے، اس حکم سے ہم پر صفائی اور گندگی سے پرہیز فرض ہو گیا، تیسرا حکم لوگوں پر بے لوث ہو کر احسان کریں، آپ کو جب بھی کسی پر احسان کرنے کا موقع ملے آپ بے لوث ہو کر احسان کریں اور چوتھا حکم صبر تھا، صبر روزے جیسی کیفیت ہوتی ہے، آپ کے سامنے کھانا اور مشروبات پڑے ہوتے ہیں، مگر آپ صرف اللہ کی رضا کے لیے کھانے اور پینے کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاتے، زندگی میں آپ کو اسی طرح دوسروں سے بدلہ لینے، اپنی انا کا جھنڈا بلند کرنے، لوگوں کو خریدنے اور دوسروں کو رگیدنے کا پورا پورا موقع ملتا ہے، اللہ تعالیٰ

نے آپ کو وسائل اور طاقت بھی دے رکھی ہوتی ہے، مگر آپ اس کے باوجود صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خاموش رہتے ہیں، آپ اپنے ہاتھ، اپنی جیب اور اپنی طاقت کو قابو میں رکھتے ہیں تو آپ صابر کہلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس صبر کا میٹھا پھل عنایت کرتا ہے، یہ چاروں احکامات اور اس سے قبل علمَ قلم اور اللہ تعالیٰ کریم ہے یہ نبی اکرمؐ پر نازل ہونے والی پہلی دو وحیوں کے پیغامات ہیں، اسلام ان دو وحیوں سے شروع ہوتا ہے اور آخری وحی (حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا) پر ختم ہوتا ہے۔

حضرت جبرائیل امین نے ان دو وحیوں کے بعد نبی اکرمؐ کو وضو کرنے کا طریقہ اور نماز سکھائی اور اس کے بعد نماز مسلمانوں پر فرض ہوگئی، مسلمان شب معراج تک صرف دو نمازیں پڑھتے تھے، فجر کے وقت دو رکعت نماز اور مغرب کے وقت دو رکعت نماز، باقی تین نمازیں معراج کے دوران فرض ہوئیں چنانچہ اگر یہ جسارت نہ ہو (میں اگر غلطی پر ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے) تو اللہ تعالیٰ نے نماز سے قبل مسلمان کو علم، قلم، اللہ تعالیٰ کے کرم، اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو تسلیم کرنا، لباس کی صفائی اور گندگی سے پرہیز، بے لوث احسان اور صبر کا حکم دیا تھا اور ان احکامات کے بعد دنیا کے پہلے مسلمان کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا تھا، آپ وحی کے اس آرڈر کو سامنے رکھ کر سوچئے اگر مسلمان پڑھ نہیں رہا، یہ روز کتاب نہیں پڑھتا، یہ آخری سانس تک اللہ تعالیٰ کے پھیلائے ہوئے علم کو نہیں سیکھتا، یہ اپنے علم اور تجربے کو قلم کے سپرد نہیں کرتا، یہ روز ہر سانس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان نہیں کرتا، یہ لباس کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا۔ یہ گندگی سے پرہیز نہیں کرتا، یہ روز لوگوں پر بے لوث احسان نہیں کرتا اور یہ قدرت کے باوجود روز صبر نہیں کرتا تو کیا یہ صرف وضو اور نماز کی بنیاد پر اچھا اور مکمل مسلمان ہوسکتا ہے اور ہم اگر نماز اور وضو کے علاوہ باقی خوبیاں تلاش کریں تو کیا یہ ہمیں اپنے مخالفوں میں نہیں ملتیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں، دنیا کا 80 فیصد علم یورپ، امریکا اور مشرق بعید کے غیر اسلامی ممالک میں ہے، دنیا کی نوے فیصد کتابیں یورپ اور امریکا میں شائع ہوتی ہیں، یہ لوگ علم اور قلم کے سچے عاشق ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے بھی مستفید ہو رہے ہیں، یہ اس کی بڑائی کا کھوج بھی لگا رہے ہیں، یہ لباس اور ماحول دونوں کی صفائی کو مذہب کا درجہ بھی دیتے ہیں، یہ پوری دنیا کے محسن بھی ہیں اور یہ انفرادی اور قومی دونوں سطح پر ہم سے زیادہ صابر بھی ہیں اور اگر یہ حقیقت ہے تو پھر ہمارے پاس کیا بچتا ہے؟ وضو اور نماز اور کیا صرف یہ دونوں پورا اسلام ہو سکتے ہیں؟ جی نہیں! اور یہ فیصلہ بھی کیجیے جس دن ان لوگوں نے وضو کر لیا اور نماز پڑھ لی کیا یہ اس دن ہم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے مقرب نہیں ہو جائیں گے؟ اور اگر یہ ہو گئے تو پھر ہماری 14 سو سال کی تپسیا، ہماری چودہ سو سال کی مسلمانی کہاں جائے گی؟۔

آپ ایک لمحے کے لیے صرف سوچئے گا۔

(نوٹ: یہ میری ذاتی رائے ہے جس کے غلط ہونے کے امکانات بھی ہیں، جہاں آپ کو غلط لگے میری رہنمائی کریں)

❁ ❁ ❁

قرآن مجید کی درست تلاوت

..... ● حافظ ساجد انور

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری الہامی کتاب ہے۔ ہر مسلمان کا قرآن کریم پر غیر متزلزل ایمان ہے۔ قرآن کریم کے ساتھ عقیدت اور وابستگی ہر مسلمان کا ایک دینی فریضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ عقیدت کے مختلف مظاہر معاشرے میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کہیں قرآن کریم کو گھر اور کاروبار کی جگہ خیر و برکت کے لئے رکھا جاتا ہے تو کہیں ختم قرآن کے ذریعے اس سے فیض حاصل کیا جاتا ہے۔ مختلف معاشرتی مسائل میں اس سے کسبِ فیض کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی جاتی ہے اور دلہن کو قرآن کے سائے میں رخصت کیا جاتا ہے۔ الغرض اپنے اپنے ظرف اور حالات کے مطابق لوگ قرآن کریم کے ساتھ عقیدت، محبت اور وابستگی کا اظہار کرتے ہیں۔

قرآن کریم کے ساتھ عقیدت، محبت اور وابستگی کے یہ جذبات اپنی جگہ، لیکن قرآن کریم کا نزول صرف ان اُمور کے لئے نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم کتاب کے اہم حقوق ہیں جو ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔ ان حقوق میں قرآن کریم پر ایمان لانا، اس کی درست تلاوت کرنا، قرآن میں غور و فکر کرنا، اللہ کی اس عظیم کتاب کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور قرآن کریم کی تبلیغ و تنفیذ کے لئے کوشش کرنا شامل ہے۔

یہاں قرآن مجید کے صرف ایک حق، یعنی تلاوت قرآن کے حوالے سے چند گزارشات پیش کی جارہی ہیں:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔''

(سورہ المزمل:۴)

قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے دل میں سرور اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلوں کا اطمینان اور سکون قرآن کی تلاوت میں رکھا ہے۔ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''بنی آدم کے دلوں پر اس طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح پانی لگنے سے لوہے پر زنگ آجاتا ہے۔''

صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ دلوں کے اس زنگ کو دُور کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔''

قرآن کریم کی تلاوت کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ ٹھہر

ٹھہر کر خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کی جائے۔ الفاظ کو ٹھیک طریقے سے ادا کیا جائے تاکہ سننے والا بھی سمجھ سکے۔ نبی اکرمؐ کی تلاوت کے بارے میں حضرت ام سلمہؓ نے بیان کیا ہے کہ آپؐ کی تلاوت کا ایک ایک حرف واضح ہوتا تھا۔

تلاوت کے آداب بیان کیا گیا ہے کہ:

''تیز تیز رواں دواں نہ پڑھو، بلکہ آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو اور ایک ایک آیت پر ٹھہرو، تاکہ ذہن پوری طرح کلام الٰہی کے مفہوم و مدعا کو سمجھے اور اس کے مضامین سے متاثر ہو۔ کہیں اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے تو اس کی عظمت و ہیبت دل پر طاری ہو۔ کہیں اس کی رحمت کا بیان ہے تو دل جذباتِ تشکر سے لبریز ہوجائے۔ کہیں اس کے غضب اور اس کے عذاب کا ذکر ہے تو دل پر اس کا خوف طاری ہو۔ کہیں کسی چیز کا حکم ہے یا کسی چیز سے منع کیا گیا ہے تو سمجھا جائے کہ کس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کس چیز سے منع کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ قراءت محض قرآن کے الفاظ کو زبان سے ادا کردینے کے لئے نہیں، بلکہ غور و فکر اور تدبر کے ساتھ ہونی چاہئے۔''

(تفہیم القرآن، جلد ششم، ص ۱۲۶۔۱۲۷)

تیز تیز رواں دواں نہ پڑھو، بلکہ آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو اور ایک ایک آیت پر ٹھہرو، تاکہ ذہن پوری طرح کلام الٰہی کے مفہوم و مدعا کو سمجھے اور اس کے مضامین سے متاثر ہو۔ کہیں اللہ کی ذات وصفات کا ذکر ہے تو اس کی عظمت وہیبت دل پر طاری ہو۔ کہیں اس کی رحمت کا بیان ہے تو دل جذباتِ تشکر سے لبریز ہوجائے۔ کہیں اس کے غضب اور اس کے عذاب کا ذکر ہے تو دل پر اس کا خوف طاری ہو۔

قرآن کریم کی تلاوت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایک حرف کے بدلے میں دس دس نیکیوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سنن ترمذی کی روایت میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص کتاب اللہ کے ایک حرف کی تلاوت کرے اسے ہر حرف کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ میں 'الم' کو ایک حرف نہیں کہتا، بلکہ الف الگ حرف ہے لام الگ اور میم الگ حرف ہے۔''

(ترمذی)

احادیث مطہرہ میں نبی اکرم ﷺ کی تلاوت کا معمول بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ سے بھی قرآن کی تلاوت سنتے تھے۔ آپؐ نے درست تلفظ اور خوش الحانی کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنے کا حکم دیا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کو بھی معمول بنانا چاہئے۔ قرآن کریم کی تلاوت باعث اجر و ثواب بھی ہے اور روح کی غذا بھی۔ ہم سب کو کوشش کرنی چاہئے کہ قرآن کی تلاوت ترتیل و تجوید کے ساتھ کریں۔ اگر اس میں کوئی کمی اور کوتاہی ہو تو سیکھنے کی کوشش کی جائے۔ عمر کے کسی بھی حصے میں

طلب علم کوئی معیوب بات نہیں ہے۔

حضرت انسؓ سے نبی اکرم ﷺ کی تلاوت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب ارشاد فرمایا کہ ''آپ ﷺ کی تلاوت شد و مد کے ساتھ ہوتی تھی۔'' پھر انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھ کر سنایا اور اللہ اور الرحمٰن اور الرحیم سب کو مد کے ساتھ پڑھا۔ (بخاری)

نبی اکرم ﷺ سے جہاں صحیح تلفظ اور درست ادائیگی کے ساتھ تلاوت کرنا منقول ہے وہیں کئی مواقع پر آپؐ نے اس حوالے سے تصحیح کی تلقین بھی فرمائی۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ اس نے تلاوت میں کسی جگہ غلطی کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کی رہنمائی کرو۔ (مستدرک حاکم)

قرآن کریم کی درست تلاوت کے لئے تجوید کے ضروری قواعد سے آگاہی از حد ضروری ہے تاکہ کہیں حروف کی تبدیلی کی وجہ سے معانی و مفاہیم کی تبدیلی واقع نہ ہو جائے۔ اسی طرح معنی و مفہوم کی تبدیلی کبھی بے جا وقف کرنے یا بلا ضرورت ملا کر پڑھنے کے نتیجے میں بھی واقع ہوتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سورہ مزمل کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''لغت کی رُو سے ترتیل کے معنی ہیں واضح اور صاف پڑھنا اور شریعت میں ان چیزوں کی رعایت رکھنے کا نام ترتیل ہے:

(۱) ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کیا جائے تاکہ ایک حرف کی آواز دوسرے سے بالکل جدا رہے اور 'طا' کی جگہ 'تا' اور 'ضا' کی جگہ 'ظا' ادا نہ ہو۔ (۲) وقوف (تلاوتِ قرآن کے دوران رُک جانے اور ٹھہرنے) کی رعایت تاکہ وصل و قطع (حروف ایک دوسرے سے ملانے اور نہ ملانے کا عمل) بے موقع ہو کر کلام کے مطلب میں تبدیلی کا باعث نہ ہو۔ (۳) آواز کا ذرا بلند کرنا تاکہ قرآن کے الفاظ زبان سے کان تک اور وہاں سے دل تک پہنچ کر دل میں شوق اور خوف کی کیفیت پیدا کریں۔ اس لئے کہ تلاوت سے غرض یہی ہے۔ (۴) اپنی آواز کو عمدہ بنانا تاکہ اس میں دردمندی پائی جائے اور دل پر جلدی اثر کرے۔ (۵) تشدید و مد کا ان کے موقعوں پر پورا لحاظ رکھنا کیونکہ ان دونوں سے کلامِ الٰہی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ (۶) دوزخ کے اور عذاب کے خوف کی اور جنت اور اس کی نعمتوں کے شوق کی آیتیں پڑھے یا سنے تو وہاں ذرا ٹھہرے اور دوزخ سے پناہ مانگے اور جنت کا سوال کرے، اور جن آیتوں میں دعا کا یا ذکر کا حکم ہو تو کم از کم ایک مرتبہ اس ذکر اور دعا کو زبان سے پڑھ لے، جیسے 'رَبِّ زِدنِی عِلمًا'، اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما، آمین'' گویا قرآن صحیح پڑھنے کے لئے مقررہ اصولوں کے مطابق قرآن کی قرات غور اور توجہ سے سنے اور اسی طرح قرآن کی تلاوت کرنے کی کوشش کرے۔''

الغرض قرآن کریم کی درست تلاوت نہ صرف باعث اجر و ثواب ہے، بلکہ ہر مسلمان پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی درست تلاوت کے اصول سیکھے، اور ان اصولوں کے مطابق قرآن کی تلاوت کو اپنا معمول بنائے۔

❁ ❁ ❁

سید محمد رشید رضا کی

ڈاکٹر شہاب الدین، علی گڑھ

قرآنی خدمات

محمد رشید رضا بیسویں صدی عیسوی کے مشہور مصلح عالم، قرآن مجید کے مفسر، عربی زبان کے ممتاز انشاء پرداز، خطیب، اتحاد اسلامی کے داعی اور نقیب تھے۔ ۲۷ر جمادی الاولیٰ/۱۹ر ستمبر ۱۸۶۵ء کو طرابلس الشام (لبنان) سے تین میل دور بحیرہ روم کے ساحلی گاؤں قلمون میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی گاؤں کی مسجد میں قرآن مجید کی اور ابتدائی تعلیم پائی اس کے بعد الفیہ ابن مالک، صحیح مسلم اور حریری کے بعض مقامات حفظ کئے، اس کے بعد طرابلس کے مدرسہ میں تعلیم کے لئے داخل ہوئے۔ محمود نشابہ سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی، عقلی اور ادبی علوم کی تحصیل رسالہ حمیدیہ کے مصنف سے کی اور بعد میں عبدالغنی رافعی سے نیل الاوطار کا کچھ حصہ پڑھا۔ انھیں حدیث کا اعلیٰ ذوق الزبیدی کی شرح احیاء علوم الدین اور الذہبی کے میزان الاعتدال سے پیدا ہوا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کا رویہ

سید رشید رضا تعلیم سے فراغت کے بعد عبادت و ریاضت اور دعوت وارشاد میں مصروف ہوگئے، اس اثنا میں انھیں سید جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہ کے العروۃ الوثقی کے بعض شمارے مل گئے ان کے مطالعے سے انھیں فکر ونظر کے نئے راستے دکھائی دئے اور مسلمانوں کی دینی اور سیاسی بدحالی سے آگاہی ہوئی اس لئے انھیں سید جمال الدین افغانی سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا لیکن ان کے انتقال کی وجہ سے سید محمد رشید رضا کی آرزو پوری نہیں ہوسکی۔ اسی دوران مفتی محمد عبدہ طرابلس الشام گئے تھے۔ جہاں ان سے ملاقات ہوئی سید محمد رشید رضا ان کے خیالات کے گرویدہ ہوگئے۔ لہٰذا سید رشید رضا نے طرابلس الشام کا میدان تنگ پاکر مفتی محمد عبدہ کی خدمت میں قاہرہ جانے کا فیصلہ کیا اور رجب ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں قاہرہ پہنچ گئے۔(۱)

قاہرہ پہنچ کر دوسرے دن مفتی محمد عبدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں پیر ومرشد مان لیا۔ سید محمد رشید رضا نے تحریک کی کہ اسلام کی دعوت اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے ایک ہفتہ وار اخبار المنار جاری کیا جائے۔ اس کا پہلا شمارہ ۱۷ر مارچ ۱۸۹۸ء کو شائع ہوا اور اگست ۱۹۳۵ء تک برابر نکلتا رہا۔ رسالے کا مقصد شریعت اسلامیہ اور افکار عصریہ میں تطبیق اور توحید خالص اور اتباع سنت کی دعوت تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی صلاح وفلاح پر مضامین ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی معاشی وسیاسی بدحالی پر تبصرے ہوتے تھے، اسلام پر غیر مسلموں کے اعتراضات کی تردید اور دنیائے اسلام سے

آمدہ فتاویٰ کے جوابات دئے جاتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مفتی عبدہ کی تفسیر کے اجزاء المنار میں بالالتزام شائع ہوتے تھے۔المنار کی اصلاحی دعوت کی بازگشت ملیشیا، انڈونیشیاں اور ہندوستان جیسے غیر عرب مسلم ممالک میں بھی سنی گئی۔(۲)

سید رشید رضا اور مولانا شبلی میں خط وکتابت ہوتی تھی چنانچے انھوں نے مولانا شبلی کی دعوت پر ہندوستان کا دورہ کیا اور لکھنؤ پہنچ کر ۶/اپریل ۱۹۱۲ء کو ندوۃ العلماء کے اجلاس کی صدارت کی اور عربی زبان میں ایک نہایت فصیح تقریر فرمائی۔(۳)

مختلف ممالک کا سفر:

۱۹۲۱ء میں فلسطین سے متعلق پہلا اجلاس جینوا میں ہوا تو سید محمد رشید رضا بھی جینوا گئے۔اجلاس کے اختتام پر انھوں نے امیر شکیب ارسلان کی معیت میں سوئزرلینڈ اور جرمنی کی سیاحت کی اور ماہرین سے اسلامی ممالک کی سیاست پر گفتگو کی۔۱۹۲۶ء میں انھوں نے حجاز کی موتمر اسلامی میں شرکت کی اور مسلم ممالک کے نمائندگان کے ساتھ حجاز کے آئینی مستقبل پر بحث وتمحیص میں حصہ لیا،اس کے بعد تصنیف وتالیف میں منہمک اور تفسیر منار کی تکمیل میں مصروف ہوگئے۔سورہ یوسف کی تفسیر لکھ کر فارغ ہوئے تھے کہ ۲۲/اگست ۱۹۳۵ء کو سلطان ابن سعود سے مل کر جب وہ سوئزرلینڈ سے قاہرہ آرہے تھے کہ حرکت قلب بند ہوجانے سے ان کا انتقال ہوگیا۔(۴)

فضل وکمال:

سید محمد رشید رضا ایک ممتاز عالم،زبردست خطیب اور بہترین انشاء پرداز تھے،آپ علم کلام اور تفسیر میں مہارت رکھتے تھے،حدیث اور بلاغت کے امام تھے،صحیح عقائد کی تبلیغ اور غیر مسلموں کے اعتراضات کی تردید اور ان کی دوسری خدمات ایسی ہیں جن کی گرد کو اس زمانہ کا کوئی عالم نہیں پہنچ سکا(۵) سید رشید رضا ہندوستان کے علم حدیث کے کارناموں کے معترف تھے وہ کہا کرتے تھے اگر گیارویں،بارویں،اور تیرہویں صدی ہجری میں ہمارے برادر ہندوستانی علماء علم حدیث کی طرف توجہ نہ کرتے تو آج یہ علم معدوم معدوم ہوگیا ہوتا۔(۶)

تصنیف وتالیف:

سید محمد رشید رضا کی علمی زندگی کا اہم کارنامہ تفسیر منار ہے۔مفتی محمد عبدہ جامعہ الازہر میں قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے،سید رشید رضا اس درس کی یادداشتیں مرتب کر کے مفتی محمد عبدہ کو دکھاتے اور وہ حسب ضرورت اس میں تصحیح یا ترمیم کرتے تھے۔المنار،ج۳(۱۹۰۰ء) میں مفتی محمد عبدہ کی تفسیر شائع ہونے لگی،سب سے پہلے سورہ الاعصر کی تفسیر شائع ہوئی اسکے بعد سورہ الفاتحہ کی تفسیر طبع ہوئی۔مفتی محمد عبدہ کے انتقال (۱۹۰۵ء) کے بعد اس تفسیر کا سلسلہ سید محمد رشید رضا نے جاری رکھا۔وہ سورہ یوسف کی تفسیر لکھ رہے تھے کہ ۲۲/اگست ۱۹۳۵ء کو ان کا پیغام اجل آپہنچا۔(۷)

تاریخ وسیر میں ان کی کتابیں:

(۱) تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ (قاہرہ ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۱ء)

(۲) ذکری مولد النبوی

(۳) مختصر ذکری مولد النبوی (۱۳۳۵ھ قاہرہ)

(۴) الوحی المحمدی (طبع اول، قاہرہ)

علم کلام ومناظرہ میں:

(۱) شبہات النصاری وحجج الاسلام (قاہرہ،۱۳۲۲ھ)

(۲) نداء للجنس اللطیف (حقوق النساء فی الاسلام) قاہرہ،۱۳۵۱ھ)

(۳) محاورات المصلح والمقلد (قاہرہ،۱۳۲۵ھ)

(۴) المنار والازہر (قاہرہ،۱۹۲۲ء)

سیاست میں

(۱) الامام والخلافۃ العظمی (قاہرہ،۱۹۲۲ھ)

(۲) الوھابیون والحجاز (قاہرہ،۱۳۴۴ھ)

صلاح الدین المنجد نے ان کے فتویٰ کو چھ جلدوں میں مرتب کرکے شائع کیا ہے۔

انھوں نے الربو ، کتاب السنۃ والشیعۃ، مساوات المرأۃ والرجل، الغزالی و تاریخہ لکھنی شروع کی تھی لیکن تکمیل کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ اچھے شاعر بھی تھے،ان کی آخری نظم مقصورہ رشیدیہ ہے اس میں چار سو سے زائد اشعار ہیں۔مقصورہ کے بعض اشعار اسرار البلاغۃ طبع اول اور تاریخ الاستاذ الامام (ج ا،ص: ۵۶۷ تا ۵۶۸) میں منقول ہیں،اسی طرح جلد اول (ص: ۹۷۸ تا ۹۸۲) کے اشعار میں سید جمال الدین افغانی کی اصلاحی دعوت اور مصر میں ان کے کارناموں کا ذکر ہے۔ان کے علاوہ انھوں نے انجیل برناباس،تفسیر ابن کثیر وبغوی،امام المقبلی کی علم الشامخ فی آثار الحق علی الاباء والمشائخ،عبد القدر الجرجانی کی دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغۃ، ابن قدامہ کی المغنی فی شرح مختصر الحرقی اور امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کی بہت سی کتابیں مقالے تصحیح اور حاشیہ کے ساتھ شائع کیں۔(۷)

حواشی

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب،لاہور،۱۴۰۶ھ،۱۹۸۶ء،طبع اول،ج۱۹،ص۴۲۲۔ دیکھئے شکیب ارسلان ، السید رشید رضا، واخاء اربعین، دمشق، ۱۹۳۷ء،ص۲۳ تا ۴۳۔

(۲) ایضاً ص۴۲۲۔

(۳) ایضاً ،ص،۴۲۳۔

(۴) السید رشید رضا شکیب ارسلان و اخاء اربعین، دمشق، ۱۹۳۷ء،ص۱۶۷۔

(۵) محمد بجۃ البیطار، سید رشید رضا، در مجلّہ مجمع العلمی العربی، دمشق، ج۱۰،ص۳۸۵ تا ۳۷۴۔ دیکھئے ،در معارف اعظم گڑھ ، سید سلیمان ندوی، ۱۹۳۸ء، ج ۳۶،۴۲، تا ۲۴۳ اردو دائرہ معارف اسلامیہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور،۱۴۰۶ھ،۱۹۸۶ء،طبع اول، ج۱۹،ص۴۲۴۔

(۶) محمد فواد الباقی،مفتاح کنوز السنۃ،قاہرہ،۱۹۳۳ء،ص،ق۔

(۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب،لاہور،۱۴۰۶ھ،۱۹۸۶ء،طبع اول، ج۱۹،ص۴۲۵۔

(۸) ص۴۲۶۔

نکاح کے بغیر جنسی تعلق

نظامِ خاندان کی تباہی

..... ● ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

خاندان کی اہمیت وافادیت عہد قدیم سے مسلّم رہی ہے اور اسے سماج کا ایک اہم ادارہ سمجھا گیا ہے۔ اسی بنا پر دنیا کی تمام تہذیبوں، ملکوں اور خطوں میں انسان خاندانی نظام کے تحت زندگی گزارتے رہے ہیں، لیکن موجودہ دور میں مختلف اسباب سے یہ ادارہ معرضِ خطر میں ہے۔ ان دنوں انسانیت جن سنگین مسائل سے دوچار ہے ان میں سے ایک خاندان کی تباہی و بربادی ہے۔ بے محابا آزادی، خودغرضی، مفاد پرستی، شہوت رانی، مادیت کے غلبے اور مال و دولت کی حرص نے اس مقدّس ادارہ کو بری طرح شکست وریخت سے دوچار کردیا ہے، خاندان کی ذمہ داریوں سے فرار کی راہیں تلاش کی جارہی ہیں، یہاں تک کہ اب اس کی ضرورت سے بھی انکار کیا جانے لگا ہے۔

اس رجحان کو اصطلاحی طور پر Live in Relationship یا Cohabitation کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی مرد اور عورت کا ایک ساتھ رہتے ہوئے زندگی گزارنا۔ اس کا اطلاق ان جوڑوں پر کیا جاتا ہے، جو نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہنے لگیں۔ ان کی یہ معاشرت عارضی اور چندروزہ بھی ہوسکتی ہے اور اس میں پائیداری بھی ممکن ہے کہ وہ طویل زمانے تک ایک ساتھ رہیں۔ اس عرصے میں ان کے درمیان جنسی تعلق بھی قائم رہتا ہے، جس کے نتیجے میں بسا اوقات بچے بھی ہوجاتے ہیں، لیکن میاں بیوی کی طرح رہنے کے باوجود ان کے درمیان نکاح کا معاہدہ نہیں ہوتا، جس کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے کہ جب بھی اس کی مرضی ہو علیٰحدگی اختیار کرلے۔ نکاح نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے ساتھی کے تعلق سے ہر طرح کی ذمہ داریوں سے آزاد رہتا ہے اور اس پر کوئی قانونی بندش نہیں ہوتی۔

عالمی صورتِ حال

نصف صدی قبل تک دنیا کے بیش تر حصوں میں نکاح کے بغیر جنسی تعلق کو سخت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا اور زیادہ تر ممالک کے دستوروں اور قوانین میں اسے غیر قانونی قرار دیا گیا تھا، لیکن اس کے بعد صورت حال بہت تیزی سے تبدیل ہونے لگی اور خاندان کی پابندیوں سے آزاد رہ کر زندگی گزارنے کا رجحان پرورش پانے لگا، جس میں برابر اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ اب اس نے انتہائی خطرناک اور بھیانک صورت اختیار کرلی ہے۔ اس کا اندازہ اس سلسلے میں مختلف ممالک کے بارے میں جاری ہونے والے اعداد وشمار سے لگایا جاسکتا ہے۔

امریکا میں ۱۹۶۰ء سے قبل تقریباً چار لاکھ پچاس ہزار جوڑے بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہتے تھے۔ ۲۰۰۰ء تک ایسے لوگوں کی تعداد میں دس گنا اضافہ ہوگیا، یہاں تک کہ ۲۰۱۱ء میں ان کی تعداد تقریباً ساڑھے سات ملین تک پہنچ گئی۔ ۲۰۰۹ء میں U.S. Census Bureau نے American Community Survey کروایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تیس (۳۰) سے چوالیس

(۴۴) سال کی درمیانی عمر کے مرد اور خواتین، جو نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہتے ہیں، ان کا تناسب ۱۹۹۹ء میں چار (۴) فی صد تھا، جواب سات (۷) فی صد ہوگیا۔ خواتین کا الگ سے کیے جانے والے سروے کا نتیجہ یہ تھا کہ کہ انیس (۱۹) سے چوالیس (۴۴) سال کی درمیانی عمر کی ایسی خواتین، جو نکاح کے بغیر کسی مرد کے ساتھ رہتی ہوں، ان کا تناسب ۱۹۸۷ء میں تینتیس (۳۳) فی صد تھا، جواب بڑھ کر اٹھاون (۵۸) فی صد ہوگیا۔ برطانیہ کے Office for National Statistics کے مطابق وہاں ۲۰۱۲ء میں بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہنے والے جوڑوں کی تعداد 9.5 ملین تھی، جو ۱۹۹۶ء میں ان کی تعداد کی دوگنی تھی۔ یہی حال یورپی ممالک کا ہے۔ ۲۰۱۱ء میں یورپی یونین کے ستائیس (۲۷) ممالک میں پیدا ہونے والے بچوں میں 39.5 فی صد ایسے تھے، جن کی ولادت بغیر نکاح کے جنسی تعلق کے نتیجے میں ہوئی تھی۔

یہ وبا مغربی ممالک کے ساتھ اب مشرقی ممالک میں بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ National Institute of Population and Social Security Research Japan کے مطابق پچیس (۲۵) سے انتیس (۲۹) سال کی درمیانی عمر کی خواتین کی تقریباً تین (۳) فی صد تعداد اس وقت جاپان میں بغیر نکاح کے مردوں کے ساتھ رہ رہی ہے اور بیس (۲۰) فی صد خواتین ایسی ہیں جنھوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی بغیر نکاح کے جنسی تعلق کا تجربہ کیا ہے۔ فلپائن میں ۲۰۰۴ء میں بیس (۲۰) سے چوبیس (۲۴) سال کی درمیانی عمر کے تقریباً ڈھائی ملین افراد (مرد و خواتین) بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ Live in Relationship اختیار کرنے والے جوڑوں کا تناسب آسٹریلیا میں ۲۰۰۵ء میں وہاں کی آبادی کا بائیس (۲۲) فی صد اور نیوزی لینڈ میں ۲۰۰۱ء میں وہاں کی مجموعی آبادی کا اٹھارہ (۱۸) فی صد تھا۔ [۱] یہ صرف چند ممالک کے اعداد و شمار ہیں۔ دیگر ممالک کا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔

ہندوستان کا حال

ہندوستان زمانۂ قدیم سے ایک مذہبی اور اخلاقی روایات کا احترام کرنے والا ملک رہا ہے۔ یہاں مختلف مذاہب، اقوام و قبائل اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے بستے ہیں۔ یہ سب خاندانی نظام کے قائل رہے ہیں۔ ان کے نزدیک نکاح کو اعتبار و استناد حاصل رہا ہے اور نکاح کے بغیر جنسی تعلق کو سخت ناپسندیدہ اور گھناؤنا کام سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن اباحیت، فحاشی اور آوارگی میں روزافزوں اضافہ کی وجہ سے اب یہاں بھی Live in Relationship کو گوارا کیا جانے لگا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کی شناعت کے احساس میں کمی آئی ہے، بلکہ اس کو قانونی جواز دینے کی باتیں بھی کی جانے لگی ہیں۔

ہندوستان میں کتنے جوڑے بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہتے ہیں؟ اس کے اعداد و شمار دست یاب نہیں ہیں، لیکن مختلف رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رجحان یہاں بہت تیزی سے فروغ پا رہا ہے اور خاص طور سے میٹرو شہروں میں رہنے والے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

ہندوستان کی پارلیمنٹ کا رجحان بھی اس کی خاموش تائید و حمایت کی طرف ہے اور یہاں کی عدالتیں اسے قانونی جواز فراہم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ خواتین کو گھریلو تشدد سے محفوظ رکھنے کے لیے ۲۰۰۵ء میں ایک قانون منظور کیا گیا، جسے Protection of Women from Domestic Violence Act کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے دائرے میں ان خواتین کو بھی شامل کیا گیا

ہے جو بغیر نکاح کے مردوں کے ساتھ رہتی ہوں۔ ان کے باہمی جنسی تعلق کو Relationship in the Nature of Marriage (نکاح کی نوعیت کا تعلق) قرار دیا گیا ہے۔ اس قانون میں ایسی عورتوں کو، ان پر گھریلو تشدد ہونے کی صورت میں، بعض مالی اور دیگر سہولیات کی ضمانت دی گئی ہے۔

سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے ۲۳/ مارچ ۲۰۱۰ء میں S.Khushboo vs Kanniammal کے کیس میں یہ رولنگ دی کہ بالغ مرد اور عورت بغیر نکاح کے بھی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فاضل ججوں نے ساتھ ہی اپنے ان احساسات کا اظہار کرنا بھی ضروری سمجھا:

"When two adult People want to live togather, what is offence? Does it amount an offence? Living togather is not an offence. It can not be an offence"

''اگر دو جوان (مرد اور عورت) ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اس میں جرم کیا ہے؟ یہ معاملہ جرم تک کہاں پہنچتا ہے؟ ایک ساتھ رہنا جرم نہیں ہے۔ یہ جرم ہو بھی نہیں سکتا''۔

۱۳/ اگست ۲۰۱۰ء کو Madan Mohan singh vs Rajni Kant کیس میں سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے یہ رائے دی کہ کوئی مرد اور عورت اگر لمبے عرصے تک بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہیں تو ان کے تعلق کو 'نکاح پر مبنی تعلق' کے مثل مانا جاسکتا ہے۔ ایک دوسرے کیس (Bharata Matha vs R. Vijaya) میں سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے فیصلہ دیا کہ Live in Relationship کے نتیجے میں اگر کوئی اولاد ہوتی ہے تو اسے اپنے باپ اور ماں دونوں کی جانب سے وراثت کے حقوق حاصل ہوں گے۔

سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے ۲۱/ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو D. Velusamy vs D. Patchaiammal کے کیس میں رائے دی کہ Demestic Violence Act 2005 کے تحت درج ذیل شرائط پوری کرنے پر دو افراد کے Live in Relationship کو نکاح کی حیثیت دی جاسکتی ہے:

(۱) وہ دونوں سماج کی نگاہوں میں میاں بیوی کی طرح رہتے ہوں۔

(۲) وہ اس عمر کو پہنچ گئے ہوں جو قانونی طور پر نکاح کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے۔

(۳) بغیر نکاح کے ساتھ رہتے ہوئے وہ اس لائق ہوں کہ ان کے درمیان قانونی طور پر نکاح ہوسکتا ہو۔

(۴) وہ رضا کارانہ طور پر ایک ساتھ رہتے ہوں اور انھوں نے ایک قابل لحاظ مدت تک 'مشترکہ رہائش' اختیار کی ہو۔ [۲]

ابھی حال میں مدھیہ پردیش کی عدالت عالیہ نے فیصلہ دیا ہے کہ بغیر نکاح کے ساتھ رہنے والی عورت کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو نکاح کر کے ساتھ رہنے والی عورت کو حاصل رہتے ہیں۔ دونوں شوہر کے ساتھ ایک مکان میں الگ الگ کمروں میں رہیں گی اور دونوں کے ساتھ شوہر کو پندرہ پندرہ دن رہنا ہوگا۔

اس تفصیل سے ہندوستانی عدلیہ کے رجحان کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس طرح Live in Relationship کو نکاح جیسی قانونی حیثیت دینے کے لیے بے تاب ہے۔

اسباب اور قائلینِ جواز کے دلائل

خاندان کی قید و بند سے فرار اور بغیر نکاح کے آزادانہ

رہن سہن کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اس رجحان کی حمایت کرتے ہیں اور اسے قانونی حیثیت دینے کے لیے کوشاں ہیں وہ اس کے مختلف دلائل پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۱) جس مرد اور عورت کا آپس میں نکاح ہوتا ہے، ان کے درمیان عموماً پہلے سے تعارف نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو بہت معمولی۔ وہ ایک دوسرے کی عادات و اطوار، مزاج، رہن سہن کے انداز اور دیگر باتوں سے واقف نہیں ہوتے۔ بغیر نکاح کے ساتھ رہنے کا مقصد ایک دوسرے سے تفصیلی واقفیت حاصل کرنا اور یہ جائزہ لینا ہوتا ہے کہ کیا وہ آئندہ زندگی ایک ساتھ رہ کر گزار سکتے ہیں؟ بعض سروے رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہنے والے افراد میں سے تین چوتھائی سے زیادہ یہی کہتے ہیں کہ نکاح سے قبل ان کا ساتھ رہنا نکاح کا پیش خیمہ ہے۔

(۲) نکاح کے بندھن میں بندھ کر اگر کوئی مرد اور عورت ایک ساتھ زندگی گزاریں گے تو کچھ عرصہ کے بعد ناپسندیدگی یا کسی اور وجہ سے الگ ہونے میں قانونی رکاوٹیں اور رواجی بندشیں ہوں گی۔ اس لیے زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ بغیر نکاح کے وہ ایک ساتھ رہیں اور جب ان کا جی بھر جائے، ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہو جائیں اور اپنی اپنی راہ لیں۔

(۳) کچھ لوگوں کی آمدنی محدود ہوتی ہے یا وہ اپنی معاشیات کے بارے میں غیر یقینی صورت حال سے دوچار رہتے ہیں۔ وہ شادی میں تاخیر کرتے ہیں، یا بسا اوقات شادی ہی نہیں کرتے۔ اس لیے کہ وہ نکاح کے مصارف برداشت کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں، یا انھیں اندیشہ رہتا ہے کہ اگر نکاح کے بعد رشتہ پائیدار نہ رہ سکا اور اس کا طلاق پر خاتمہ ہوا تو وہ مالی مشکلات کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ لوگ اسی میں عافیت سمجھتے ہیں کہ نکاح کے بغیر صنفِ مخالف کے ساتھ کچھ وقت گزار لیں۔

(۴) بعض نوجوان لڑکے یا لڑکیاں اعلیٰ تعلیم کے حصول یا ملازمتوں کے لیے وطن سے دور کہیں عارضی طور پر مقیم ہوتے ہیں اور مختلف اسباب سے ان کے لیے ابھی نکاح کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہنے لگتے ہیں۔

(۵) کوئی شخص شادی شدہ ہو اور وہ کسی وجہ سے دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہو، لیکن قانون پہلی بیوی کے رہتے ہوئے دوسرے نکاح کی اجازت نہ دیتا ہو تو وہ بغیر نکاح کے دوسری عورت کے ساتھ رہنے لگتا ہے۔

(۶) کچھ مرد اور خواتین نکاح کو فرسودہ روایت سمجھتے ہیں اور خود کو اس کا اسیر نہیں بنانا چاہتے۔ وہ اسی چیز کو دانش مندی سمجھتے ہیں کہ نکاح کے بندھن میں بندھے بغیر جس کے ساتھ چاہیں کچھ وقت گزار لیں اور جب اس سے جی بھر جائے تو اسے چھوڑ کر دوسرے سے رشتہ استوار کر لیں۔

نظامِ خاندان-فطرت کا تقاضا

حقیقت یہ ہے کہ انسانی فطرت خاندانی نظام کے تحت زندگی گزارنے کا تقاضا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم ترین زمانے سے آج تک تمام انسانی معاشرے اس پر عمل پیرا رہے ہیں اور موجودہ دور کی اباحیت پسند اور مادہ پرست تہذیب کے غلبے سے قبل کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے اور نظامِ خاندان کو کم زور کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

نسلِ انسانی کی بقا اور تسلسل کے لیے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کا صنفی تعلق پائیدار بنیادوں پر قائم ہو۔ دونوں محض اپنی شہوانی خواہش کی تکمیل اور حصولِ لذّت کے لیے باہم ملنے، پھر

الگ ہوجانے کے معاملے میں آزاد نہ ہوں، بلکہ ان کے درمیان ایسا مستحکم تعلق ہو جو معاشرہ میں معروف ہواور اس کے تحفظ کی ضمانت بھی دی گئی ہو۔ اس لیے کہ ان سے جو اولاد ہوگی وہ اپنی زندگی، نگہ داشت اور تربیت کے لیے بہت زیادہ توجہ، نگرانی، خبرگیری اور سرپرستی چاہتی ہے۔ اس کام میں اگر مرد ساتھ نہ دے تو تنہا عورت اسے صحیح طریقے سے انجام نہیں دے سکتی۔

اسی مقصد کے لیے فطرت نے مرد اور عورت کے درمیان صنفی کشش رکھی ہے۔ اسی غرض سے وہ باہم ملتے ہیں، پھر جب اولاد ہوتی ہے تو دونوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ دونوں مل کر اس کی پرورش کرتے ہیں، اس کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں اور اسے زندگی کی دوڑ دھوپ کے قابل بناتے ہیں۔

نکاح کے بغیر جنسی تعلق سے فطرت کے یہ تقاضے پامال ہوتے ہیں، اس لیے کہ اس سے محض لذّت کوشی اور شہوانی جذبات کی تسکین مقصود ہوتی ہے، نسل انسانی کا تسلسل پیش نظر نہیں ہوتا اور اگر اتفاقاً حمل ٹھہر جائے اور بچہ پیدا ہوجائے تو مرد اس کی سرپرستی قبول کرنے اور اس کی تربیت و کفالت کا بار اٹھانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

تمدن کی ترقی خاندانی نظام پر منحصر ہے

خاندانی نظام اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر تمدن کی ترقی ممکن نہیں۔ تمدن کا وجود ہی اس وقت ہوتا ہے جب ایک مرد اور عورت مل کر ایک گھر بناتے اور خاندان کی تشکیل کرتے ہیں۔ اولاد ہوتی ہے اور خاندان وسیع ہوتا ہے تو اس کے دائرے میں والدین اور دوسرے رشتے دار آجاتے ہیں۔ بہت سے خاندان وجود میں آتے ہیں اور ان کے درمیان رابطے پیدا ہوجاتے ہیں۔ اس طرح اجتماعی زندگی شروع ہوتی ہے اور تمدن پروان چڑھتا ہے۔ لیکن اگر مردوں اور عورتوں پر خودغرضی اور انفرادیت پسندی غالب رہے اور وہ خود کو محض اپنے شہوانی جذبات کی تسکین اور لطف و لذت کی تحصیل تک محدود رکھیں اور خاندان کی تشکیل سے دل چسپی نہ لیں تو اجتماعی زندگی کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اور وہ بنیاد ہی باقی نہیں رہتی جس پر تمدن کی عمارت قائم ہوسکے۔

خاندان انسان کو حیوان سے ممتاز کرتا ہے

خاندان انسانی زندگی کا خاصّہ ہے۔ وہ انسانوں کو حیوانات سے ممتاز کرتا ہے۔ حیوانات میں بھی جنسی جذبات پائے جاتے ہیں، جن کے تحت ان کے نر اور مادہ ملتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں بچے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی نسل چلتی ہے۔ لیکن حیوانات میں جنسی اتصال کے بعد ان کے نر کا مادہ اور اور بچے سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، یا اگر رہتا ہے تو بہت کم زور سا۔ مادہ اپنی نئی نسل کی پرورش اور حفاظت کرتی ہے، وہ بھی صرف اس حد تک کہ وہ زندہ رہ سکے۔ اس کے بعد وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔ اس کے برعکس انسانوں کے باہمی رشتے میں پائیداری پائی جاتی ہے۔ مرد اور عورت بامقصد طریقے پر جنسی تعلق قائم کرتے ہیں۔ ان سے جو اولاد ہوتی ہے، دونوں مل کر طویل عرصے تک اس کی پرورش و پرداخت کرتے ہیں۔ ان کے درمیان الفت و محبت، ہمدردی آخر تک قائم رہتی ہے۔ وہ دوسروں کے حقوق کی پاس داری اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائی کا خیال رکھتے ہیں۔

انسانوں میں جو لوگ اپنے تعلقات کو صرف جنسی جذبہ کی تسکین تک محدود کرلیتے ہیں اور خاندان کی تشکیل اور اپنی نسل کی پرورش و نگہ داشت سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، وہ حقیقت میں خود کو انسانیت کے بلند مرتبے سے حیوانیت کے پست درجے میں گرالیتے ہیں۔

عورت کا سراسر خسارہ

بچے کی پیدائش اور پرورش و پرداخت میں عورت کا کردار مرد سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ مرد کا کام اصلاً صرف تخم ریزی ہے۔ جنسی تعلق قائم کر کے وہ الگ ہو جاتا ہے، آگے کے تمام مراحل عورت کو تنہا سر انجام دینے پڑتے ہیں۔ وہ نو مہینے بچے کو اپنے پیٹ میں رکھتی اور اپنے خون سے اس کی پرورش کرتی ہے۔ وضع حمل کے بعد دو سال تک مسلسل اسے اپنا دودھ پلاتی ہے۔ بچہ انتہائی کم زور اور لاغر پیدا ہوتا ہے اور بھرپور نگہ داشت کا محتاج ہوتا ہے، وہ اپنا آرام و سکون تج کر جی جان سے اس کی نشو ونما میں لگی رہتی ہے۔ اسے یہ خدمت طویل عرصے تک انجام دینی پڑتی ہے۔ معاہدۂ نکاح کے نتیجے میں مرد کا عورت اور بچے سے تعلق مسلسل قائم رہتا ہے۔ وہ عورت کو ہر ممکن مدد اور تعاون فراہم کرتا ہے، اس کی کفالت کا بار اٹھاتا ہے، اس کی ضروریات پوری کرتا ہے، اس کی سرپرستی اور نگرانی میں عورت سکون واطمینان کے ماحول اور الفت ومحبت کی فضا میں اپنے کار ہائے مفوّضہ انجام دیتی ہے۔ دونوں مل کر بچے کی جسمانی، ذہنی اور اخلاقی تربیت کرتے ہیں۔ اگر نکاح کا مضبوط بندھن نہ ہو تو مرد بہ طیب خاطر اس ذمہ داری کو قبول نہیں کر سکتا اور اگر وہ اس سے انکار کر دے تو کسی طرح بھی اسے اس کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔ اس صورت میں عورت کا سراسر خسارہ ہے۔ مرد تو چند لمحات اس کے ساتھ گزار کر الگ ہو جائے گا اور وہ ساری مشقتیں اور پریشانیاں تنہا جھیلنے کے لیے مجبور ہوگی۔ ماہرینِ سماجیات نے اس بے اعتدالی، ناانصافی اور ظلم کو محسوس کیا ہے اور اس پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر پارول شرما نے Live in Relationship کے بارے میں ملکی اور بین الاقوامی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد آخر میں اپنے احساسات ان الفاظ میں بیان کیے ہیں:

''یہ ایک حسّاس مسئلہ ہے۔ لوگ اب بڑی تعداد میں Live in Relationship کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور مختلف اسباب سے اس طریقۂ معاشرت کو رواج مل رہا ہے، لیکن نوجوان نسل، خاص طور پر مرد اس 'رشتہ' کو سنجیدگی سے نہیں لیتے اور زندگی کے خوش گوار ایام آنے سے قبل ہی اپنے ساتھی سے بے وفائی کر بیٹھتے ہیں اور اس سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ مایوسی، غصہ اور ذہنی دباؤ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور معاملہ بسا اوقات خودکشی تک جا پہنچتا ہے''۔ [۳]

بے قید معاشرت کے تلخ نتائج

نکاح ایک مضبوط بندھن ہے، جو مرد، عورت، بچوں اور خاندان کے دیگر افراد کو ایک دوسرے سے مربوط رکھتا ہے۔ ان کے درمیان محبت، ایثار، ہم دردی، خیر خواہی اور تعاون کے جذبات پروان چڑھاتا ہے۔ انھیں ایک دوسرے کی مدد کرنے، ان کی ضروریات پوری کرنے اور ان کے کام آنے پر ابھارتا ہے۔ یہ بندھن نہ ہو تو افراد خودغرضی، ذاتی مفاد اور مطلب براری کے لیے ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں اور اپنی ضرورت پوری ہوتے ہی ایک دوسرے سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک کو صرف اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے اور دوسرے کا استحصال کرتے ہوئے اسے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔ اس صورت حال سے سب سے زیادہ متاثر وہ بچے ہوتے ہیں جو بے قید جنسی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی صحیح ڈھنگ سے پرورش نہیں ہو پاتی، وہ اچھی تربیت، عمدہ اخلاق اور صحیح خطوط پر شخصیت کی تعمیر سے محروم رہتے ہیں، گھر کا سکون اور خاندان کی پرامن فضا انھیں میسر نہیں آتی، اس بنا پر وہ سماج میں انتشار، فواحش ومنکرات اور بے حیائی پھیلنے کا باعث بنتے ہیں۔ الغرض بے قید معاشرت کے نتیجے میں تمدن کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے، افراد کی زندگیاں تلخ ہو جاتی ہیں اور پورا معاشرہ دائمی اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آج پوری دنیا

میں اور خاص طور پر مغربی معاشروں میں ہم اس کا نمونہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

موہوم فائدے

نظامِ خاندان کی مخالفت کرنے والے اور بغیر نکاح کے جنسی تعلق کو جواز فراہم کرنے والے اس کے جو فائدے بیان کرتے ہیں وہ موہوم اور خیالی ہیں، ان کا حقیقت سے دؤر کا بھی واسطہ نہیں۔ لیکن بالفرض اگر انھیں تسلیم کرلیا جائے تو تمدن پر اس کے جو دؤر رس اور بھیانک اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بڑے عبرت انگیز اور تشویش ناک ہیں۔ اس لیے دانش مندی کا تقاضا ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے اور اس رجحان کو ختم کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔

اس کا سب سے بڑا فائدہ- جیسا کہ عرض کیا گیا- یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نکاح سے قبل ایک ساتھ رہنے سے ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس لیے اگر کچھ عرصہ ایک ساتھ گزار کر نکاح کیا جائے گا تو اس رشتے میں پائیداری رہے گی، لیکن یہ بات حقیقت سے بعید ہے۔ National Centre for Health Statistics نے بارہ ہزار پانچ سو اکہتر (۱۲،۵۷۱) افراد کی اسٹڈی کی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو مرد اور عورت اس ارادہ سے ایک ساتھ رہے کہ آئندہ نکاح کرلیں گے، یا رشتہ طے ہوجانے کے بعد نکاح سے قبل انھوں نے کچھ وقت ایک ساتھ گزارا، ان میں علیٰحدگی کے امکانات اتنے ہی رہے جتنے ان جوڑوں میں تھے جنھوں نے نکاح سے قبل ایک ساتھ زندگی نہیں گزاری تھی۔ [۴]

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام نظامِ خاندان کا حامی ہے، اس لیے وہ اسے مستحکم کرنے کی مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے اور اسے کم زور کرنے والے اسباب کو دفع کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ ذیل میں اسلام کے نقطۂ نظر کی کسی قدر وضاحت کی جارہی ہے:

خاندان اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

اسلام خاندان کو ایک سماجی ضرورت ہی نہیں قرار دیتا، بلکہ اس کا ایک دینی تقاضے کی حیثیت سے ذکر کرتا ہے۔ قرآن میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جو پیغمبر بھیجے ہیں انھوں نے خاندانی زندگی گزاری ہے اور اس کے تقاضے پورے کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجاً وَذُرِّيَّةً۔ (الرعد:۳۸)

تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔

وہ بیوی بچوں کو انسان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے نیک بندوں کی زبانی یہ دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَاماً۔ (الفرقان:۷۴)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔

آباد خاندان، جس میں بیوی، لڑکے لڑکیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اور دیگر رشتے دار ہوں اور آدمی ان کے درمیان رہ کر خوشی و مسرت، سکون و اطمینان اور کیف و فرحت محسوس کرے، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ قرآن کہتا ہے:

وَاللّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ

يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ۔(النحل:۷۲)

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے تمھاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمھیں بیٹے پوتے عطا کیے اور اچھی اچھی چیزیں تمھیں کھانے کو دیں۔ پھر کیا یہ لوگ (یہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی) باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

نکاح جنسی تعلق کا واحد جائز ذریعہ

اسلام نے مرد اور عورت کے جائز اور صحت مند تعلق کے لیے نکاح کو لازم قرار دیا ہے۔ وہ نہ تو رہبانیت کی ہمت افزائی کرتا ہے اور نہ جنسی تسکین کی کھلی چھوٹ دیتا ہے۔ اس کے نزدیک نکاح کے ذریعے ایک مضبوط خاندان وجود میں آتا ہے، جس کے تمام افراد میں ذمہ داری کا احساس پایا جاتا ہے اور وہ اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق سے غفلت نہیں برتتے۔ اس لیے وہ نکاح کی ترغیب دیتا ہے اور افراد، خاندان اور معاشرہ کو صریح الفاظ میں اس کی تاکید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ....(النور:۳۲)

تم میں سے جو لوگ مجرّد ہوں ان کے نکاح کر دو....

'ایامیٰ' جمع ہے، جس کا واحد 'ایّم' ہے۔ اس کا اطلاق اس مرد پر ہوتا ہے جو بغیر بیوی کے ہو اور اس عورت پر ہوتا ہے جو بغیر شوہر کے ہو، خواہ ابھی ان کا نکاح ہی نہ ہوا ہو، یا نکاح کے بعد عورت بیوہ ہوگئی ہو اور مرد کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہو۔[۵]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سخت الفاظ میں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

من قدر على ان ينكح ، فلم ينكح ، فليس منّا۔[۶]

جو شخص نکاح کرنے پر قادر ہو، پھر بھی نکاح نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔

اسلام جنسی خواہش کی تکمیل کو نکاح کا پابند بناتا ہے اور نکاح سے ہٹ کر کسی طرح کا تعلق رکھنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ وہ مردوں اور عورتوں دونوں پر سخت پابندی عائد کرتا ہے کہ نکاح کے علاوہ وہ باہم کسی طرح کا جنسی تعلق نہ رکھیں۔ قرآن میں ہے:

مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلاَ مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ۔ (المائدۃ:۵)

اس طرح کہ تم (مرد) ان (عورتوں) سے باقاعدہ نکاح کرو۔ یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو، یا پوشیدہ بدکاری کرو۔

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسَافِحٰتٍ وَلاَ مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ۔ (النساء:۲۵)

وہ عورتیں پاک دامن ہوں، نہ کہ علانیہ بدکاری کرنے والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں۔

ان آیات میں وارد تینوں الفاظ قابل غور ہیں۔ حَصُن کے معنیٰ محفوظ ہونے کے ہیں، حِصْن قلعہ کو کہتے ہیں، جو دشمنوں سے حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اِحْصَان پاک دامن رہنے اور بدکاری سے محفوظ ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ گویا نکاح کی حیثیت ایک مضبوط قلعے کی ہوتی ہے، جس کے حصار میں آکر انسان شیطان کے حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی معنیٰ میں مردوں کے لیے 'محصنین' اور عورتوں کے لیے 'مُحْصَنَات' کا استعمال ہوتا ہے۔ سَفَح کے معنیٰ کوئی سیّال چیز (مثلاً خون، پانی، آنسو یا منی وغیرہ) بہانے کے ہیں۔ مُسَافَحَة بغیر نکاح کے کسی مرد اور عورت کے ایک ساتھ رہنے کو کہتے ہیں۔ خَدْن (جمع اَخْدَان) کے معنی دوست کے ہیں۔ مُسَافِحِين / مُسَافِحَات ان مردوں اور عورتوں کو کہتے ہیں جو علانیہ بدکاری کا

ارتکاب کریں اور مَتَّخِذِی اَخْدَان / مُتَّخِذَاتِ اَخْدَان انھیں کہتے ہیں جو پوشیدہ طریقے پر اس میں مبتلا ہوں۔ ایک فرق یہ بیان کیا گیا ہے کہ مُسَافِحَات میں بہت سے افراد سے بدکاری کے معنیٰ پائے جاتے ہیں اور اتّخاذ خَدْن (دوست رکھنا) یہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت کسی ایک فرد کے ساتھ ناجائز تعلق رکھے۔ ے

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

''بیش تر مفسرین نے کہا ہے: مُسَافِحَة اس عورت کو کہتے ہیں جو علانیہ خود کو بدکاری کے لیے پیش کرے کہ جو مرد بھی چاہے آ کر اس سے جنسی تعلق قائم کرلے اور مُتَّخِذَةُ الْخَدْنِ وہ عورت ہے جو کسی ایک ہی فرد سے ناجائز جنسی تعلق استوار رکھے۔ اہل جاہلیت دونوں قسموں کے درمیان فرق کرتے تھے۔ وہ بہت سے مردوں سے بدکاری کرنے والی عورت کو تو زانیہ مانتے تھے، لیکن کسی ایک مرد سے جنسی تعلق رکھنے والی عورت کو زانیہ نہیں مانتے تھے۔ چوں کہ یہ فرق ان کے درمیان معروف اور معتبر تھا اس لیے اللہ سبحانہ نے بدکاری کی ان دونوں قسموں کا الگ الگ تذکرہ کیا اور دونوں کو حرام قرار دیا۔'' ۸

زنا کی حرمت

نسلِ انسانی کے تسلسل اور تمدن کی ترقی دونوں کے لیے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کا صنفی تعلق قانون کے دائرے میں اور قابل اعتماد رابطے تک محدود ہو۔ اسی لیے اسلام زنا کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ وہ فعل ہے جس کی اگر آزادی دے دی جائے تو ایک طرف نسل انسانی کا تسلسل دشوار ہوجائے اور دوسری طرف تمدّن کی جڑ کٹ جائے۔ اس بنا پر وہ اسے سخت گھناؤنا اور بُرا فعل قرار دیتا ہے اور اس سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاء سَبِيْلاً۔ (الاسراء:۳۲)

اور زنا کے قریب نہ جاؤ۔ بلاشبہ وہ بڑی بے شرمی کا کام اور برا راستہ ہے۔

'فاحشۃ' اس برائی کو کہتے ہیں جس کی شناعت بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہو۔ ۹

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ 'زنا کے قریب نہ جاؤ'۔ اس میں بڑی بلاغت پائی جاتی ہے۔ گویا کہا جارہا ہے کہ نہ صرف یہ کہ زنا کا ارتکاب نہ کرو، بلکہ ان تمام دواعی ومحرکات سے بھی دور رہو جو زنا تک لے جانے والے ہوں۔ ۱۰

اسلام زنا کو ایک سنگین سماجی جرم قرار دیتا ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (النور:۲)

زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

باہم رضا مندی سے بھی بغیر نکاح کے جنسی تعلق کی اجازت نہیں

مغربی ممالک کے قوانین، جنھیں اب دنیا کے بیش تر ممالک نے تسلیم کرلیا ہے اور عالمی رائے عامہ کا بھی ان پر تقریباً اتفاق ہوگیا ہے، ان کے مطابق اگر بغیر نکاح کے جنسی تعلق فرق مخالف کی رضامندی سے قائم کیا جائے تو وہ قابلِ تعزیر جرم نہیں ہے۔ اسے جو چیز جرم بناتی ہے وہ جبر اور زور زبردستی ہے۔ ۲۰۱۲ء کے اواخر میں ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں ایک طالبہ کے ساتھ اجتماعی آبروریزی کا واقعہ پیش آیا۔ اس پر پورے ملک میں زبردست احتجاجی مظاہرے ہوئے اور سماج کے تمام طبقات نے اس کی شدید مذمت کی، خاص طور سے حقوقِ نسواں کی تنظیموں اور کالجوں اور یونی

ورسٹیوں کی اسٹوڈینٹس یونینوں نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ اس دوران میں لڑکیوں کے ہاتھوں میں ایسے پلے کارڈس (Play Cards) دیکھے گئے جن پر لکھا ہوا تھا: 'تم میری مرضی کے بغیر مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے'۔ گویا کسی لڑکے کا کسی لڑکی سے جائز رشتے کے بغیر اس سے جنسی تعلق قائم کرنا جرم نہیں ہے، بلکہ جرم یہ ہے کہ اس کام کے لیے اس کی رضامندی کیوں نہیں حاصل کی گئی اور اس کے ساتھ زور زبردستی کیوں کی گئی۔

اسلام کی نظر میں جتنا سنگین جرم زنا بالجبر ہے اتنا ہی سنگین جرم زنا بالرضا بھی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو لوگ بغیر نکاح کے جنسی تعلق قائم کرتے ہیں وہ قوانینِ فطرت سے کھلواڑ کرتے ہیں اور نظام تمدن میں انتشار واضطراب کا باعث بنتے ہیں، اس لیے وہ بھی سزا کے مستحق ہیں۔

خاندان کے استحکام کی دیگر تدابیر

اسلام نے خاندان کے استحکام کے لیے اور بھی بہت سی تدابیر اختیار کی ہیں، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس نے میاں بیوی، اولاد، والدین اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق بیان کیے ہیں اور سب کو ان کی ادائی کا پابند کیا ہے۔ اس نے معاشرہ کی عفت و پاکیزگی قائم رکھنے کے لیے متعدد احتیاطی احکام دیے ہیں اور بدکاری، بے حیائی اور فواحش ومنکرات کو رواج دینے والوں کے لیے سخت تعزیری قوانین بیان کیے ہیں۔ اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کیا جائے تو خاندان کا ادارہ مستحکم ہوگا اور صالح تمدن کے فروغ کے لیے اپنا کردار بہ خوبی انجام دے سکے گا۔

حواشی ومراجع

۱ ملاحظہ کیجیے wikipedia.org/wiki/cohabitation

۲ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے wikipedia.org/wiki/cohabitation_in_India

۳ VSRD International Journal of Technical and Non- Technical Research, Vol.IV, Issue VIII, August 2013, Article: Live in Relationship: A Comparative Approach, by Parul Solanki Sharma, Asstt. Prof. School of Law, FIMT, GGSIPU, New Delhi, p.199

۴ Jayson, Sharon, "Report: Cohabiting has little effect on marriage Success", USA Today, October 14,2010

۵ زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۵ء، ۳/ ۲۲۷۔ رازی، مفاتیح الغیب، المعروف بالتفسیر الکبیر، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۰ء، ۲۳/ ۱۸۳

۶ دارمی، کتاب النکاح، باب الحث علی التزویج

۷ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۸۸ء، ۵/ ۹۴

۸ التفسیر الکبیر، تفسیر سورۂ نساء، آیت: ۲۵

۹ الکشاف: ۲/ ۶۳۸ (فاحشة) قبيحة زائدة على حدّ القبح، شوکانی، فتح القدیر۔ ای قبیحاً مبالغا فی القبح مجاوزاً للحد

۱۰ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۰/ ۱۶۵

(مضمون نگار جماعت اسلامی ہند نئی دہلی کے سکریٹری تصنیفی اکیڈمی ہیں)

❁ ❁ ❁

ٹورزم اور قرآن

مولانا انور جمال قاسمی مظفر پوری

سیر وسیاحت کا شوق ہر انسان کے دل میں ہے، نئی جگہوں اور خوبصورت مناظر، وعجائبات دیکھنا اور اس سے محظوظ ہونا آدمی کی فطرت ہے، قدیم زمانے میں سیاحت نہ مستقل شغل تھا اور نہ وہ آج کی طرح آسان وسہل، اس زمانے میں مسافت کی دوری، وسائل آمدورفت کی شدید قلت، خطرات ومصائب بھرے راستے اور پاپیادہ سفر کی دقتیں وغیرہ سیاحت وٹورزم کو مشکل وغیر دلچسپ کام بنائے ہوئے تھیں۔

نئی دنیا جب نئے نئے محفوظ آرام دہ وتیز رفتار وسائل آمدورفت سے واقف ہوئی، تو اس نے دنیا کے ایک کونے کو دوسرے سے بہت حد تک جوڑ دیا، دہ ریاں کم ہوئیں، عالمی برادریوں میں نزدیکیاں آئیں، ایک کو دوسرے سے ملنے اور ہر ایک کے رہن سہن، بود وباش کو دیکھنے کا رجحان پیدا ہوا، وہاں کے قدرتی مناظر، انسانی تعمیرات وعجائبات دیکھنے کا شوق ولگن بھی لوگوں کے دلوں میں شدت سے پیدا ہوئے۔ پھر اس خواہش کی تکمیل کی غرض سے لوگ اس طرف کثرت سے متوجہ ہوئے اور ٹورزم مستقل پسندیدہ شغل بن کر ابھری۔

ملک وقوم اور ملکی وقومی یادگاروں وقدرتی مناظر دیکھنے کے شوق میں آنے والے وفود وافراد میں بیش بہا اضافے ہوئے، ان ٹورسٹ وسیاح کی آمدورفت سے کسی بھی ملک کی مقبولیت وشہرت نے ہر ملک وحکومت کو اپنے قدرتی وانسانی سیاحتی مقاموں کی سمت خصوصی دھیان دینے پر مجبور کیا اور اب تو ہر ملک کی حکومتیں اپنے ملک کے دلکش وفرحت بخش خطے وعلاقے، انسانوں کے چھوڑے ہوئے عجائبات ومصنوعات، علمی کاوشوں سے وجود میں آئے ایجادات کی اصلاح وجدید کاری کو لازمی سمجھتی ہیں، اس کے لیے باضابطہ محکمے اور وزارتیں تشکیل دی جاتی ہیں، اس کے اخراجات کے لیے بجٹ مخصوص کئے جاتے ہیں۔ ان دنوں ٹورزم وسیاحتیں عموماً تین طرح کی ہو رہی اور تینوں سے روز بہ روز لوگوں کی دلچسپیوں میں اضافے اور آنے والوں کے اعداد وشمار تیزی سے بڑھتے نظر آرہے ہیں۔

پہلی تفریحی سیاحت وٹورزم:

اس سے خوشحالی وفارغ البال لوگوں کی خاص دلچسپی ہوتی ہے، اس غرض سے وہ ملک وبیرون ملک کے فرحت بخش، دلکش، کیف آور، وصحت افزا مقامات کا رخ کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصد قدرتی مرغزاروں، پرکشش وادیوں، خوشنما ٹیلوں، فلک بوس وسبزہ پوش چوٹیوں، نظرنواز جیلوں، نغمہ ریز آبشاروں وعطر بیز چمنستانوں کے پُر بہار ہواؤں فضاؤں سے لطف اندوز ہونا ہوتا ہے، اس سے ان کی ذہنی وجسمانی تھکان وبوجھ دور ہو کر طبیعت میں نشاط وانبساط پیدا ہوتی ہے، نئی تازگی وتوانائی آتی ہے، آئندہ کے لیے خود کے اندر نئے ولولے وامنگ محسوس کرنے لگتے ہیں، اسی وجہ سے اس طرح مقامات امیر ودولت مند لوگوں کے عیش وعشرت، کیف ومستی اور داد عیش دینے کے گوشے میں تبدیل ہو چکے ہیں، جن ملکوں میں یہ خطے ومقامات جتنی تعداد میں ہیں، اسی اعتبار سے وہ آمدنی کا ذریعہ اور دنیا کی نگاہوں میں مقبولیت ومحبوبیت کا سبب بن گئے ہیں۔

تعلیمی وتدریسی سیاحتیں:

اس طرح کی سیاحتیں اہل علم ودانش کا پسندیدہ مشغلہ ہے، یہ زیادہ تر ترقی یافتہ ممالک کی جامعات، یونیورسٹیاں، علمی مراکز اور سائنسی تحقیقی ادارے میں ہوتے ہیں، یہ اعلیٰ دانش گاہیں، عالی دماغ اسکالروں، اونچی تعلیم کے طلباء، پروفیسروں، اعلی درجہ کے اہل علم وفن

کواپنے علمی وفنی مراکز کی سیاحت پرمدعوکرتے ہیں، اس کی مدتیں محدود ہوتی ہیں، میزبان علمی ادارے اپنے دانشور مہمانوں کی تعلیمی ضیافت کرتے ہیں۔انہیں اس ملکی اعلیٰ تعلیم گاہوں سے استفادہ کرنے میں ہرطرح کا تعاون بہم پہنچاتے ہیں، وہاں کی تعلیم، طرز تعلیم، تعلیمی نظم ونسق، وجود میں آئے نئے نئے علوم وفنون کی جانکاری دینے میں مستعدی دیکھاتے ہیں، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ دوردراز سے آئے علم دوست مہمانوں کوکہیں سے علمی تشنہ لبی کی شکایت کا موقع نہ دیاجائے اوراپنے تئیں ان کے حسن ظن واچھی رائے حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں، یہی ان کے ملکی افتخار واعجاز کے لیے سندودستاویز ہوتا ہے۔

تہذیبی وثقافتی سیاحتیں۔

یہ سیاحت واسفار اعلیٰ تعلیم یافتہ، مہذب افراد و جماعت اور تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں کے اہل کار پر مشتمل ہوتی ہے، یہ سیاحتیں زیادہ تر ملکی وتنظیمی دعوتوں پر ہوتی ہیں، وہ آنے والے ثقافتی وتہذیبیں وفود و افراد کو اپنے ملک کی تہذیبی وثقافتی سرگرمیوں کی جانکاری دیتی ہیں، تہذیبی وثقافتی سرمایوں و باقیات دیکھانے کا اہتمام کرتے ہیں اورحتی الوسع ان وفود کواپنے تہذیبی اثاثے سے متاثر کرنے اوراس کے تعلق سے ان کوحسن ظن قائم کرنے کی کوشش میں ہوتی ہیں، ثقافتی وتہذیبی سیاحت ادھر چند برسوں میں بڑی تیزی سے فروغ پائی ہے، چونکہ بیسویں صدی کی آخری دودہائیوں سے شروع ہوئی تہذیبیں وثقافتی جنگ نے ہرحکومتوں کوایسی سیاحت واسفار کے اہتمام وانتظام پر مجبور کیا ہے، بایں وجہ ہرملک وملت اپنی مذہبی وتہذیبی اورتمدنی باقیات وآثار کی حفاظت اوراس کے حسن کاری پرخصوصی توجہ دے رہی ہے۔ اس غرض سے بڑے بڑے متاحف ومیوزیم کا قیام عمل میں آرہا ہے۔ملکی آثار قدیمہ کی کھوج وکھدائی اس وقت ہرملک کی ضرورت بن چکی ہے، حال یہ ہے کہ کسی ملک کی تہذیبی وتمدنی آثار واثاثے کسی سبب سے دوسرے ملک جاچکے ہیں، تواس کی بازیابی کی ہرممکن کوشش کی جاتی ہے۔

اسلام نے بحیثیت مذہب سیروسیاحت کی اُس دور میں ترغیب دی ہے، جب دنیا کواس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انسانوں کا ذہن اس سے اوراس کے فوائد سے یکسر خالی تھا۔

قرآنی آیتوں کی تتبع وتلاش سے سیروسیاحت کی تحریض سے متعلق ہمیں ۲۲ر آیتیں ملتی ہیں، جن میں سیروٹورزم کی ترغیب دی گئی ہے، دنیا گھومنے اوراس میں بکھرے آثاراقوام، عجائباتِ قدرت اورمناظرِ رنگ وبوکوحقیقت کی نگاہوں سے دیکھنے کاحکم ملتا ہے۔

اس جگہ عام قاری کے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے، قرآن ایک مذہبی کتاب ہے، جس کامرکزی موضوع انسان کے اعتقاد کی تصحیح اوراس کے نظام زندگی کی اصلاح ہے، تو پھر قرآن کا ٹورزم وسیاحت کے موضوع کو لینا بہ ظاہراس کے بنیادی مضامین سے الگ چیز معلوم ہورہی ہے اوردورجدید میں رائج تینوں قسم کے ٹورزم اوراس کے طوروطریقہ غرض وغایت سے اس کا کوئی مذہبی یا اصلاحی فائدہ نظرنہیں آتا ہے۔لیکن قرآن کریم کے مضامین ومباحث میں غوروفکر کرنے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ قرآن کا موضوعِ سخن جن اہم مضامین ہیں، ان تمام میں سب سے اہم ومہتم بالشان موضوع اللہ کے وجوداوراس کی وحدانیت کا اثبات ہے۔

قرآن ان دونوں امورکی وضاحت واثبات میں عموماً دو طرح کے دلائل پیش کرتا ہے، ایک تو کائنات میں بکھرے خودکارنظامہائے ارض وسماء، بحروبر، لاتعداد مخلوقات وعجائباتِ قدرت ہیں، دوسرے خودانسان کی پیچیدہ تخلیق اوراس میں پوشیدہ عظیم تر دنیا اوراس کووجود میں لانے کی خودانسان میں ودیعت رکھی قوت غوروفکر ہے، ان دونوں دلیل کوقرآن نے اپنے اندرون صفحات میں بے شمارجگہوں میں نئے نئے اندازبیان ودلکش تراکیب وجملے میں باربار بیان کیا ہے، جس کی قرآت کوہرخواندہ وناخواندہ سننے پرازخود مجبورومبہوت ہوجاتا ہے اوراس کی باتوں کی تصدیق پرخودکوبے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔

قرآن کریم نے بہ این وجہ اپنے دونوں اہم موضوع کے

اظہار واثبات کی غرض سے ٹورزم کو اختیار کیا ہے چونکہ اس سے اس کے اہم موضوع کا اثبات محسوس صورت میں ہوتا ہے اور جو چیزیں محسوسات سے حاصل ہوتی ہیں، وہ دل نشیں وجا گزیں ہوتی ہیں، اس نکتے کے پیشِ نظر قرآن نے اپنی ۲۲ر آیتوں میں ''افلم یسیروا، قل سیروا، الم تر، الم تروا، اولم یهد لهم'' وغیرہ سے سیاحت کی ترغیب دی ہے اور انہی آیتوں کے آخیر میں سیاحت وتورزم سے اپنے مقاصد بھی بیان کرتا ہے۔

قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ وہ بعض چیزوں کو صراحتا اور بعض کو اشارتا بیان کرتا ہے، اسی وجہ سے اس نے رائج تینوں ٹورزم کو ایک لفظ ''سیروا'' سے مختلف انداز میں بار بار بیان کیا ہے، جس کی تعیین آیتوں کے الفاظ وبیان اور سیاق وسباق سے بہ حسن خوبی ہوتی ہے۔

تفریحی مقامات اوراس کے حسین وجمیل زمینی ٹکڑے، کیف آور ونشاط انگیز ارضی گوشے، سبزہ پوش وادیوں کی گودیں اور خیرہ کن ونظر نواز خوش آمدید کہتی پہاڑی چوٹیاں ہر دیکھنے والے کے حساس دل ودماغ میں بے الفاظ ومعنی کی عجیب سی کیفیت پیدا کرتی ہے، جو اسے لمحہ بھر یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے، کیا یہ ہر بہار ونواز زمینی ٹکڑا انسان بنا سکتا ہے، اگر وہ ان کی قدرت سے باہر ہے، تو پھر وہ خود بخود پیدا ہوگیا ہے، یا کسی عظیم طاقت نے اپنی منشاء سے بعض ٹکڑوں کو یہ لباس دیدہ زیب پہنایا ہے، ایک سلیم الطبع آدمی کی یہ سوچ بسا اوقات اسے اس خطے کے خالق حقیقی کے وجود کے احساس یا اقرار تک پہنچاتی ہے، جو قرآن کا مقصد ہے اور خدا شناس انسان کے ایمان میں تازگی وتوانائی اور اعتقاد میں پختگی وصلابت آتی ہے پھر وہ پکار اٹھتا ہے، ''اناجعلنا ماعلی الارض زینة لها لنبلوهم ایکم احسن عملا'' (سورہ کہف:۷)

تعلیمی وثقافتی ٹورزم:

ان دونوں کی غرض سے قرآن کریم نے اقوام بائدہ اوران کے جائے وقوع کے اسفار کا حکم بار بار کیا ہے، چونکہ ان میں سے بہتوں کے نشانات موجود ہیں اور بعضوں کے آثار بالکل مٹ چکے ہیں، ''ذلک من انباء القریٰ نقصه علیک منهاقائم وحصید'' (ھود:۱۰۰)۔ ہم آپ کو جن بستیوں کی خبریں دے رہے ہیں، ان میں سے کچھ تو باقی ہیں اور بہت سی مٹ چکی ہیں۔

وہ آیتیں جن سے تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ہم انہیں تعلیمی وثقافتی ٹورزم کے حکم وترغیب کی آیتوں کے زمرے میں رکھتے ہیں، یہ سب قرآن کی تاریخی مہلوکین اقوام کے بیان کے آخری میں آئی ہیں، یہ اقوام نزول قرآن کی زمین سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھیں، ان جگہوں سے اکثر ان کا آنا جانا تھا، مکہ سے یمن وشام اور مصر جانے والی قدیم شاہراہ پر اکثر قرآن کی شرک ونافرمان، ظالم ومتمدن مہلوکین اقوام آباد تھیں، مکہ سے یمن کا رخ کرنے میں لبِ شاہراہ اصحاب ایکہ، اہل مدین ومدائن صالح، حضرت ایوب کی قوم ودان، اہل سدوم وغیرہ کی تباہ شدہ بستیاں موجود تھیں اور مکہ سے مغرب کی سمت جانے میں وادی القریٰ، احقاف، العلا، بطرا، اصحاب ایلہ، فرعون مع لشکر کے غرقاب ہونے کی جگہ اور مدینہ کے قرب وجوار میں مہلوکین کی آبادیاں تھیں۔

عرب مشرکین ان مقاموں سے واقف اور وہ ان کی گزرگاہیں تھیں، لیکن ان کی ہلاکت کے اسباب سے وہ ناواقف تھے، اسے وہ اتفاقی واقعہ تصور کرتے تھے، قرآن کریم نے ان اقوام کی اصلیت، ان کے ماحول ومعاشرہ اور تہذیب وتمدن پر پڑے گمنامی کے دبیز ردوں کو ہٹایا اوران کی تباہی کے وجوہات واضح کیا ہے۔

یہ اقوام بڑی دولت منداور مہذب ومتمدن تھیں، وہ قبائلی نظامِ زندگی سے مربوط تیں، ان کے معاملات وتنازعات قبائیلی دستورِ عدل وانصاف سے تصفیہ پاتے تھے اور چونکہ کفر وشرک ان کا مذہب تھا، اس لیے طبعًا ان کا معاشرہ مشرکانہ تھا۔ ان سے کوئی برائی وبداعمالی چُھٹی ہوئی نہیں تھی، ظلم وستم ان کا خاص پیشہ تھا، خون وخرابہ، قتل وغارت ان کی عادت تھی، وہ ان برائیوں کو برائی نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے اس سے بچنے کا انہیں خیال نہیں آتا تھا۔ یہی امور ان بستیوں کی

بالکلیہ ہلاکت کے سبب بنے اور معدودِ چند نفوس کے پوری کی پوری قوم آن واحد میں ہلاک کردی گئی، اگر وہ اپنے وقت کے نبی ورسول کی باتوں پر دھیان دئے ہوتے، ان کی تصدیق کی ہوتی اور ان سے اپنے اعتقاد کی تصحیح ونظام زندگی کی اصلاح کرلیے ہوتے تو آج وہ نہ؟؟؟ گاہِ عبرت بنے ہوتے اور نہ ان کے حالات وواقعات قصۂ پارینہ بن چکے ہوتے۔

قرآن کریم کا اپنی ۲۲ر آیتوں میں ''سیروفی الارض'' سے سیاحت کی ترغیب دینے کا اس کے سواء اور کوئی مقصد نہیں ہے، کہ ہر سیاح وٹورسٹ کو اس قوم کی عظمت واقبال پر شاہد نشانات یہ سوچنے پر مجبور کردے کہ اتنی زبردست قوم کیونکر مٹ گئی، ان کی ہلاکت کے اسباب کیا ہوئے؟ پھر وہ سب کی سب یکبارگی کیسے تباہ ہوئی؟ گردش زمانہ یا آسمانی آفات سے اس طرح پوری قوم کے مٹنے کے بیان سے انسانی تاریخ خاموش ہے، اس نقطے پر صاف دل انسان کی ضمیر پکار اٹھتی ہے کہ نہیں کوئی مافوق الفطرت طاقت ضرور ہے، جو ساری طاقتوں وقدرتوں، کا مخزن ہے اور وہی اتنی بڑی کائنات کا خالق ومدبر ہے، وہ خیر کو چاہتا ہے اور بدی کو ناپسند کرتا ہے، یہ قوم یقیناً کئی بڑے جرم کی مرتکب تھی، جس نے اسے اس انجام کو پہنچایا ہے اور آئندہ بھی ہر مفسد ومجرم قوم میں اس کے اس قانون کے نفاذ کا امکان ہے، سیاحت وٹورزم سے قرآن کریم کے اس مقصد کی تعین و اظہار خود ان آیتوں کے آخری جملوں سے ہوتا ہے، جن میں اس نے سیر وسفر کا حکم کیا ہے،؟ ''کیا وہ لوگ دنیا نہیں گھومتے، جس میں انہیں ان قوموں کے انجام کی کیفیت کا مشاہدہ ہو، جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں، جن کے پاس ان سے زیادہ طاقت وقوت تھی اور زمین پر آثار ویادگار بنانے میں وہ ان سے آگے تھی، پھر اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب ان کی گرفت کی تو اس سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں تھا۔ (۲۲ر المومن۔)

قرآن کریم کا سیاحت وٹورزم سے مذکورہ مقاصد حاصل کرنے کے علاوہ اگر اس سے دوسری علمی معلومات حاصل ہوتی ہیں، تو وہ اس کی تائید کرتا ہے اور جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے، ان دنوں تعلیمی وثقافتی ٹورزم اسی غرض سے ہورہے ہیں اور حکومت کے دائرے میں وہ بڑی اہمیت رکھتی ہے، چونکہ اس کے ذریعہ سے قوم وملک کی قومی ومذہبی اور تہذیبی وتمدنی تاریخیں مرتب ہورہی ہیں، جو اس قوم کے تابناک ماضی کے مفاخر کی بنیاد اور موجودہ تہذیبی ومعاشرتی جنگ میں اس کی فوقیت فتح کے سامان ہیں۔

آج انٹرنیٹ کے زمانہ میں ہر ملک اپنی ثقافتی برتری ثابت کرنے کی دوڑ میں ہے، اس کے لیے وہ ہر طرح کے وسائل اختیار کررہا ہے، آرکیالوجیکل (آثار قدیمہ) کے شعبے کا قیام بھی اس کی ایک اہم کڑی ہے، اس سے دریافت ہونے والے آثارِ قدیمہ کسی بھی ملک وقوم کی قومی، تہذیبی وتمدنی اور ثقافتی ومعاشرتی ارتقا اور اس کے مراحلِ عروج وزوال کے زمانے کی آگاہی میں ٹھوس دلائل ثابت ہونے لگے ہیں، مزید برآں وہ عالمی نقشے میں اس قوم اور اس کی ثقافت وتہذیب کو قدیم ثابت کرنے میں بھی بڑی کارآمد شئی ہوگئی ہے، پھر وہ اس قوم کی نئی نسل کی ذہنی ونفسیاتی تشکیل میں بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے، جس کے سامنے ہزاروں لیکچرز، سمینار وکتابیں اور جلسے بے سود بن چکے ہیں، اس کے ذریعہ سے کسی بھی قوم کی نئی نسل کا اپنے مذہب وتہذیب کو من گھڑت واساطیری تصور کرنے کے تعلق سے ذہن صاف ہوجاتا ہے، اس پر اس کا اعتماد بحال ہوتا ہے اور اس کے تئیں اس کے ایمان ویقین میں پختگی آتی ہے، اس کے حوالے سے اس کے دلوں میں محبت ونیک جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کو پھیلانے، دنیا کو اس سے متعارف کرانے بلکہ اس کو مقبول بنانے کے حوصلے ولگن اس کے قلب وذہن میں امنڈنے لگتے ہیں، پھر وہ اس کی تبلیغ وتشہیر کی راہ میں ہر طرح کی جانی ومالی قربانیاں دینا اپنا قومی فریضہ تصور کرنے لگتی ہے یہی جذبہ وامنگ کسی مذہب ومعاشرہ، تہذیب وتمدن کی ترقی، اس کے ماضی کو مستقبل سے جوڑنے اور مستقبل کو روشن وتابناک بنانے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، جو قوم اور اس کی نئی نسل اس جذبے سے خالی ہوگی، اس کا مذہب و

ثقافت، تہذیب وتمدن کبھی نہ بار آور ہوسکتی ہے اور نہ وہ زندہ وجاوید رہ سکتی ہے۔

اس نقطۂ نگاہ سے بھی ثقافتی ٹورزم وسیاحت اسلام کے ''سیروافی الارض'' کے حکم کی مخالف نہیں مؤید ہے اور اس سے اتفاق اور اس کی تائید کرتا ہے، چونکہ آج کی آرکیالوجیکل کی محنت ومشقت سے دریافت ہونے والی اشیاء سے ہمیں جو علوم حاصل ہورہے ہیں۔ اس سے اب تک ہم ناواقف تھے اور نہ ہمیں ان اقوام اور ان کی طرز زندگی کی واقفیت تھی، جس سے قرآن کریم کے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے، ''ذلک من انباء القریٰ نقصه علیک منها قائمو حصید'' (ھود:۱۰۰) ''ہم آپ کو جن بستیوں کی خبریں دے رہے ہیں، ان میں کچھ کے آثار تو باقی ہیں اور کچھ کے مٹ چکے ہیں''، ان مٹی ہوئی بستیوں وقوموں اور ان کے مذہب و تہذیب کو آرکیالوجیکل زندہ کررہا ہے اور ہمیں اس سے آگاہ ہونے کے سواد ومواقع دے رہا ہے، ان کے مذہبیات کو اوپر لاکر قرآن کے اس دعوے ''وان من امة الاخلافیها نذیر'' (فاطر:۲۴)۔ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری ہے، جس کے اندر ان کو اللہ کا ڈرانے والا نہ آیا ہو''، کی سچائیوں کو ثابت کررہا ہے اور موجودہ سائنسی مزاج وتحقیقی ذہن سماج کی فکر ونظر کو اس پر غور کرنے اور اس کی صداقت کو تسلیم کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

مسلم ممالک میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو، جس کو اللہ نے کیف اور ونشاط انگیز قدرتی حسن وجمال سے بھرے زمین کے ٹکڑوں سے نہ نوازا ہے، ایسے ہی وہ اپنی حکمت کے تحت اقوام قدیمہ کے جس قدر عمارات، کھنڈرات وآباد، خطوط وکتبے مسلم ملکوں خصوصاً عرب بلادوں میں زمین دوز کردیے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن کے صفحات میں جابجا دیا ہے، وہ دنیا کے کسی ملک یا کونے میں نہیں پائے جاتے ہیں، یہی وہ وجہ تھی کہ یورپ کا سب سے پہلا مکتشف نیبوہر ۱۷۷۲ء میں عرب کے کھنڈرات کے اکتشاف کے لیے نکالا تھا اور آج بھی جبکہ عربوں میں اقوام قدیمہ کے جائے وقوع کی تقریباً کھدائی مکمل ہوچکی ہے، پھر بھی دنیا کے سیاح وٹورسٹ عرب ملکوں کے سیاحتی مقامات کی سیاحت وسفر کو اولیت دیتے ہیں اور وہاں موجود ماضی بعید کے آثار ویادگاروں سے تاریخی مواد حاصل کرکے لوٹتے ہیں، ایسی صورت میں عرب مسلم ریاستیں اور ان کے ارب پتی امراء اپنی ریاستوں میں کھدائی سے حاصل ہونے والی اثرات وباقیات کو قرآنی خدمات میں لاسکتے ہیں، چونکہ یہ تریات وہی ہیں، جس کی خبر قرآن نے بار بار دیں ہے، بلکہ ان کی جغرافیائی پوزیشن تک بیان کردی ہے، پھر آج آرکیالوجیکل کی محنت ومشقت سے وہ زمین کے اوپر آچکی ہیں، جو بغیر کسی کمی بیشی کے قرآن کے بیان کی جیتی جاگتی تصویر ہے، تو ہم ان اثریات کو قرآن کے بیان کی صداقت اور اسے کلام اللہ ثابت کرنے کے لیے کیوں پیش نہیں کرسکتے ہیں، اور اس پر بس نہیں بلکہ یہ مسلم ریاستیں ہمت سے کام لیں تو وہ ان اثریات اور زمینی باقیات سے پوری عالمی برادریوں کو اسلام، اس کی تہذیب وتمدن کی حقیقت واصلیت کے حق ہونے پر چیلنج کرنے کی پوزیشن میں ہیں،

اے کاش! جس طرح ''جرمنی'' و''جاپان'' وغیرہ ممالک نے اپنے آرکیالوجیکل سے حاصل شدہ اثریاتی سرمایہ کو اپنی نئی نسل کی ذہن سازی اور ان میں قومی حمیّت وجذبہ بیدار کرنے میں استعمال کیا ہے، اسی طرح مسلم ریاستیں اور مسلم امراء اگر اپنے اپنے دائرہ اختیار سے ملکی آرکیالوجیکل سے قرآن کی خدمات انجام دیتے ہیں اور اس میں ماہرین ارض القرآن اور ماہرین اثریات وحضریات کی خدمات شامل کرنے میں انہیں کامیابی مل جاتی ہے، تو یہ قرآن واسلام کا ایسا کام ہوگا، جس کی نظیر ماضی میں نہیں مل سکتی ہے، اور وہ دین وقرآن کے بیان کی صداقت کو نئے مٹیریل ومواد سے نئے وجدید انداز پر ثابت کرنے کے موجد ہونے کے جزاوثواب کے مستحق ہوں گے اور تاریخ ادیان ومذاہب میں تاقیامت وہ زندہ وجاوید رہیں گے۔

(مضمون نگار معروف عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں)

❁ ❁ ❁

مدارس دینیہ

ایک تعلیمی مشن اور ایک دینی تحریک

..... ● ابومحمد مفتی احمد نادرالقاسمی

مدارس دینیہ وعربیہ دراصل ایک ایسی تعلیمی تحریک اورمشن ہے جو براہ راست علوم ربانی کے چشمہ سے سیراب ہوتا ہے اوروہاں سے جاری ہونے والا ہرفیض ویران دلوں کوآباد کرتا ہے، انسانوں کوصراط مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے، بھٹکی ہوئی انسانیت کوہدایت کے راستے پرلانے کی جدوجہد کرتا ہے، اس طرح اگردیکھاجائے تومدارس نہ صرف یہ کہ علوم اسلامی کے درس وتدریس اورتعلیم وتعلّم کی آماجگاہ ہیں ، بلکہ دین وشریعت اورعلوم وثقافت کے تحفظ کے عملی نمونے اورانسانی اقدار کے محافظ ومبلغ اور پاسبان ہیں، یہی وجہ ہے کہ مدارس اسلامیہ سے جتنے افراد نکلے زمانے نے ان کی شرافت وایمانداری کی قسمیں کھائیں، انہوں نے ہمیشہ اپنے اخلاق وکردار اورزبان وعمل سے دین اسلام کی، شریعت کی اورطریقہ محمدیؐ کی عظمت وحقانیت کی دعوت دی۔ اور زندگی کے ہرمیدان میں، ہرمحاذ پراور ہرحال میں اسی کواپنا مشن اور مقصدحیات بنائے رکھا۔اورالحمدللہ درکھے ہوئے ہیں،اورفرزندان مدارس دینیہ نے یہ ثابت کیا ہے:

میری زندگی کا مقصد میرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں، میں اسی لئے نمازی

ہندوستان کی ڈیڑھ سوسالہ تاریخ کے اوراق ان کی عظیم دینی قربانیوں اورعظمت کی داستانوں سے بھرے پڑے ہیں۔

یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہندوستان سے مسلم اقتدار کے خاتمہ کے بعد اگرملت کے مخلص علماء نے مدارس کے قیام کی طرف توجہ نہ دی ہوتی تو برصغیر میں اسلام کے خلاف جتنا شدید فکری،عسکری اورالحادی حملہ تھا کہ اس منطقہ میں اسلامی علوم وثقافت اوردینی شناخت کا باقی رہنا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہوگیا تھا، اوراب معاشرتی اورتہذیبی فساد کے حملہ کی وجہ سے تو اس کی ضرورت واہمیت اس قدرمزید بڑھ گئی ہے کہ اس ملک میں اگر مدارس باقی ہیں ،تواسلام، اسلامی شناخت، دینی شعار اور مساجد باقی رہیں گی، اورمدارس کے وجودکواگرخطرہ لاحق ہوا تو برصغیر میں اسلام اورمسلمانوں کے وجود و بقا پرسوالیہ نشان لگ جائے گا۔ -ایسے مستقبل کا حال اللہ ہی جانتا ہے-۔مگراسباب کی حدتک ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔لوگ کبھی کبھی جذبات میں بہہ کر یہ کہہ جاتے ہیں کہ اس بات میں کوئی دم خم نہیں ہے کہ مدارس ختم ہوجائیں تو دین بھی یہاں سے ختم ہوجائے گا،مگرحقیقت یہی ہے،اگرمدارس باقی نہ رہیں تو گھروں میں بھی بچوں کودینی تعلیم کے ٹیوشن پڑھانے والے مولوی نہ ملیں گے اورزیادہ نہیں ایک جنریشن یعنی ۲۵ سال کا عرصہ گذرتے گذرتے یہ معاشرہ دم توڑدے گا،اورپھرسارا دین اوردینی شعار کا تانا بانا بکھرکراس ملک میں بھی دین اندولس وروس اورسمرقند وبخارا کی طرح عظمت پارینہ کی داستان بن کررہ جائے گا، دور جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے اس کوسمجھنے کیلئے دیکھ لیجئے! صفدرجنگ مدرسہ سے لیکرہمایوں کے مقبرہ تک اور جامع مسجد سے

لال قلعہ اور چاندنی چوک سے صدر بازار تک کا اور دہلی کی دیگر تاریخی مساجد کا حشر، صرف ساٹھ سالوں میں ہی کیا حال ہوکر رہ گیا ہے۔ اگر مدارس کا دینی اور اخلاقی فیض جاری نہ رہا تو زیادہ سے زیادہ وہ لوگ جن کی زندگی میں دین باقی ہے، وہ اپنے بچوں کو پڑھانے کی کوشش کریں گے، اور موجودہ مادی دور میں معاشی مصروفیات اتنی ہوتی ہیں کہ ایک مولوی جب اپنے بچوں کو خود سے نہیں پڑھا پاتے تو غیر مولوی کہاں سے پڑھالیں گے۔ اور جب علم کے چشمے خشک ہوجائیں گے تو پچاس سال پہونچتے پہونچتے سب دین کی روشنی سے خالی ہوجائے گا، اسی طرح جس طرح روس اور اس کے مضافات میں ہوا، کیا کوئی تصور کرسکتا تھا؟ کہ جہاں امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ جیسے بڑے بڑے محدثین، فقہاء اور علماء موجود ہیں، اور گھر گھر میں دینی تعلیم کا مدرسہ ہے، وہاں سے دین اس طرح ختم ہوجائے گا؟ مگر ہوا ایسا ہی۔ اس لئے اس ملک میں بھی چونکہ دین کی بقا کا مدارس کے علاوہ دوسرا کوئی نظم نہیں ہے، حکومتی اور عصری ادارے اس سوچ سے بالکل خالی ہیں، اِکّا دوکاّ عصری تعلیمی اداروں میں اسلامک اسٹڈیز کے شعبہ ہیں جن سے کتنے اسلامی علوم پڑھنے والے طلبہ نکلتے ہیں وہ آپ جانتے ہیں۔ اور وہ بھی اس لئے یونیورسٹیز میں جاتے ہیں، تاکہ ان کو کوئی سرکاری ملازمت مل جائے گی، زندگی کا معیار بلند ہوجائے گا، اور خوشحال زندگی گذرے گی اور اب تک کا مشاہدہ بھی یہی رہا ہے۔ اس جذبہ سے کوئی یونیورسٹی نہیں جاتا کہ وہاں سے نکلنے کے بعد اسلام کا بڑا مبلغ اور داعی بنے گا، ہر ایک کی نیت صرف ملازمت کی ہوتی ہے، اور یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ بھی تو مدارس ہی سے آتے ہیں، یونیورسٹیز کا تو اپنا کوئی ایسا نظم بھی نہیں ہے کہ نیچے سے اوپر تک دینی علوم حاصل کر کے بچے وہاں تک رسائی حاصل کریں؟ اس لئے اس دور میں اور اس ملک میں مدارس کی اہمیت سے انکار کو اور ان کی شکل و صورت کی تبدیلی کو میں ناسمجھی، قلت فہم، یا پھر بدنیتی ہی تصور کرتا ہوں اور مجھے تعجب اس طرح کا نظریہ رکھنے والے لوگوں پر یہ ہے کہ ایک طرف تو تعلیم کے فروغ کے لئے، اسکولوں کے قیام اور بچوں کو اسکول بھیجنے کی بات کرتے ہیں، اور مدارس کے قیام اور بقا کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اس حقیقت کو دانستہ طور پر نظر انداز کرتے ہیں کہ جس طرح عصری تعلیم کے فروغ کے لئے اسکول ضروری ہے، کیا دینی تعلیم کی بقا اور فروغ کے لئے مدارس ضروری نہیں ہوں گے؟ بہرحال مدارس نے اب تک ملت کی بقاء، دین کے تحفظ اور مسلم قوم کی جو دینی اور اخلاقی آبیاری کی ہے اس کے اس لازوال کردار کو رہتی دنیا اور بالخصوص برصغیر فراموش نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس کی ضرورت سے انکار ممکن ہے، بلکہ یہ ایک مثبت مشن ہے جو انشاءاللہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

تحفظ دین کا سامان:

اللہ تعالیٰ کو اس دین اسلام کو قیامت تک باقی رکھنا ہے، جس کی طرف قرآن میں خود اشارہ فرمایا ہے:

"**اِنـانحن نزلناالذکر واِناله لحافظون**" (سورہ **الحجر**: ۹) (ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے)

ہم دیکھتے ہیں کہ اس ذات باری نے اس دین متین کے تحفظ کا مختلف انداز سے ہر دور میں سامان کیا ہے مثلاً:

۱۔ **بعثت انبیاء کے ذریعہ:**

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس دین کو انبیاء کرام کی بعثت کے ذریعہ محفوظ فرمایا اور ہر نبی کو کتاب ہدایت بھی دی اور

دستورِ حیات بھی دیا اور اس سلسلہ کو خاتم النبین والمرسلین محمدﷺ پر ختم فرمایا، بلکہ اس کی تکمیل فرمائی۔ چنانچہ جتنے انبیاء اس دنیا میں تشریف لائے سب نے اسی دین کی تبلیغ کی، اسی کی تجدید اور احیاء کیا، اور آپﷺ کی بعثت اور نزول قرآن کے ساتھ ہی جتنے پیغامات ربانی ملأ اعلی اور لوحِ محفوظ سے انسانیت کے نام آنے تھے اور قیامت تک آنے والے انسان کیلئے جتنے دینی، روحانی، قانونی اور معاشرتی مواد کی ضرورت ہوسکتی تھی نزول قرآن کے ساتھ ہی اس کی تکمیل ہوگئی اور آیت قرآنی: ''**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا**'' (سورہ مائدہ:۳) (کہ آج ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تمام کردی اور ہم نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا) کے ذریعہ اس کی اختتامیت پر مہر ثبت کردی گئی۔

۲۔ **علماء اور مجددین کے ذریعہ:**

سلسلہ نبوت کو محمدﷺ پر ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس دین کے تحفظ کی ذمہ داری علماء اور مجددین پر ڈالی، جس کی توثیق خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشادات میں فرمائی، چنانچہ اس کے لئے کہیں یہ فرمایا: ''**انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء**'' (سورہ فاطر:۲۸) (اللہ کے بندوں میں اللہ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں)

اور کہیں یہ فرمایا: ''**وأطیعوا اللہ وأطیعو الرّسول وأولی الأمر منکم**'' (سورہ نساء:۵۹) (اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں کے جو ذمہ دار اور اولوالامر ہوں ان کی اطاعت کرو)

حضرت ابن عباسؓ نے ''اولوالامر'' کی تشریح علماء اور فقہاء سے کی ہے، (تفسیر ابن عباس)

اور کہیں یہ فرمایا: ''**ولتکن منکم أمة یدعون إلی الخیر ویأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر**'' (سورہ آل عمران:۱۰۴)

اور کہیں یہ فرمایا: ''**فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین وإذا رجعوا إلیهم لعلهم یحذرون**'' (سورہ توبہ:۱۲۲) (سو ایسا کیوں نہ ہو کہ کچھ لوگ ہر حلقہ میں سے ایسے ہوں جو نکل کھڑے ہوں، تاکہ یہ باقی لوگ دین میں تفقہ حاصل کریں، تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب ان کے پاس واپس آجائیں ڈراتے رہیں، کیا بعید کہ ان کے ڈرانے کی وجہ سے وہ محتاط رہیں)

اور کہیں یہ فرمایا: ''**والراسخون فی العلم یقولون أمنا**'' (سورہ انبیاء:۷) (اگر تمہیں نہیں معلوم تو اہل علم سے دریافت کرلیا کرو)

اور کہیں یہ فرمایا: **فاسئلوا أهل الذکر إن کنتم لاتعملون**'' (سورہ انبیاء:۷) (پس اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اہل علم وذکر سے دریافت کرلیا کرو)

اور دربارِ رسالت سے اس کی توثیق اس طرح ہوئی:

''**عن النبیﷺ: العلماء ورثة الانبیاء إن الانبیاء لم یورثوا درهما ولا دینارا ولکن ورثوا العلم**'' (حدیث) (علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء کسی کو مال وزر اور درہم و دنانیر کا وارث نہیں بناتے، بلکہ وہ علوم و معارف کا وارث بناتے ہیں)

''**عن النبیﷺ: علماء أمتی کانبیاء بنی اسرائیل**'' (حدیث) (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مقام کے برابر ہیں)

"عن النبی ﷺ من سلک طریقاً یلتمس فیه علما سهل الله له طریقاً الی الجنة" (حدیث) (جو ایسے راستہ کا راہی ہو جس میں اس نے علم کی خوشہ چینی کو مقصد بنایا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادے گا)

"عن النبی ﷺ: إن الله لم ینتزعه علماً، ولکن ینتزعه علی یقیض العلماء اتخذالنّاس رؤسا جهالافاسئلوهم فأفتوبغیر علم فضلّوا وأضلّوا" (حدیث) (اللہ تعالیٰ علم کو ایسے ہی نہیں اٹھائے گا، بلکہ وہ پہلے علماء کو اٹھالے گا، اور لوگ جاہلوں کو اپنا قائد اور رہبر بنالیں گے، انہیں سے مسائل دریافت کریں گے، اور وہ بغیر علم وآگہی کے فتوے صادر کریں گے، جو خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی راہ راست سے بھٹکا دیں گے)

عن النبی ﷺ: "علی رأس کل مأته من یجددلها دینها" (حدیث ابوداؤد) (ہر سو سال پر ایک مجدد آتے ہیں جو لوگوں کے لئے اس کے دین کی تجدید کرتے ہیں اور جو غلط رسوم ورواج لوگوں کے اعمال اور عقیدہ کے فساد کی وجہ سے دین میں در آتے ہیں اس کو مٹاتے ہیں)

مثل علماء امتی کالنجوم فی السماء" (حدیث) (میری امت کے علماء کی مثال آسمان کے ستاروں جیسی ہے) کہ جس طرح وہ روشنی سے دنیا کو روشن رکھتے ہیں اسی طرح یہ علماء نور علم سے دنیا کو منور رکھتے ہیں)

علماء، حفاظ، قراء، محدثین، مفسرین، مصلحین، دعاۃ اور علم دین سے محبت کرنے والے حضرات پوری زندگی دین کو اور کتاب وسنت کے علوم ومعارف کو نہ صرف یہ کہ اپنے دل ودماغ میں بسائے رکھتے ہیں، بلکہ اس پر عمل پیرا رہتے ہیں اور اس کی تبلیغ کو اپنا شعار بنا کر دین کی حفاظت کا سامان کرتے اور ذریعہ بنتے رہتے ہیں۔ اسی لئے تو رسول کریم ﷺ نے انہیں انسانوں کا بہترین قرار دیتے ہوئے فرمایا: "من یرید الله به خیرا یفقه فی الدین لن تزال هذه الأمة قائمة علی أمر الله، لا یضرهم من خالفهم حتی یأتی أمر الله" (حدیث بخاری ومسلم عن معاویہؓ) (کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر معاملہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے، یہ امت ہمیشہ اللہ کے امر یعنی دین پر قائم رہے گی اور ان کے مخالفین ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ پائیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی)

۳۔ **حکومت کے قیام کے ذریعہ:**

اللہ کے پیغام کو خالق کائنات کے خلیفہ کی حیثیت سے عام لوگ حفاظت کرتے ہیں اور حکومتیں ان کے واسطے سے اور اپنی رعایا پہ ان کو نافذ ومنطبق کر کے حفاظت کرتی ہیں، جو حکومتیں اپنے اندر حقیقی انسانی شعور اور زمین پر اللہ کے نائب ہونے کا سچا احساس رکھتی ہیں یا رکھیں گیں اور نفاذ دین کو قیام حکومت کی اولین ذمہ داری تصور کرے گی وہ یقیناً احکام خداوندی کو نافذ کریں گی، اللہ کی کتاب، رسول کی سنت اور ان سے مستنبط احکام کو ملک کے دستور کا حصہ بنائیں گی، جیسا کہ ماضی میں اس کا تجربہ رہا ہے، اور آج بھی جزوی طور پر ہی سہی سعودی عربیہ اور دوسرے ملکوں میں ہے، مگر انصاف کے ساتھ اگر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آج روئے زمین پر کہیں بھی اللہ اور رسول کی صحیح اور مکمل حکمرانی نہیں ہے، بلکہ انسانوں کے اپنے من کی حکمرانی ہے، جسے کہیں سوشلزم کا نام دیا گیا ہے، کہیں کمیونزم کا نام دیا گیا ہے، کہیں جمہوریت اور اشتراکیت کا نام دیا گیا ہے، چونکہ ہر قانون اور ضابطہ لوگوں کے اپنے من کے مطابق ہوتا ہے جن کی اکثریت ہوتی ہے، اس لئے دنیا میں ظلم وناانصافی بھی ہے، تصادم بھی ہے، اور آئے دن اقتدار کی لڑائی بھی ہوتی رہتی

ہے،اس کے لیے انسانوں کا قتل بھی ہو رہا ہے،اور انسانیت کو نیست و نابود بھی کیا جا رہا ہے، اور انسانی زندگی کے وسائل اور املاک تباہ بھی ہو رہے ہیں۔ اگر دنیا میں خالق کائنات کے دیئے ہوئے اصولوں کی حکمرانی ہوتی تو نہ ناانصافی ہوتی اور نہ لڑائی ہوتی، بلکہ صرف امن وامان اور انصاف کی بالادستی ہوتی، جیسا کہ دور نبویؐ اور خلفاء راشدین کے ادوار میں تھا، انہوں نے حکومت صرف اور صرف اللہ کے دین کی تنفیذ اور زمین پر عدل وانصاف اور انسانیت کے درمیان مساوات قائم کرنے کے جذبہ سے کی تھی، اللہ نے اور رسول نے جو ذمہ داری دی تھی اس کی ادائیگی کیلئے زمام اقتدار سنبھالا تھا۔اور اس کا انہوں حق ادا کیا۔

اصل میں دین کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ تو وہ ہے جس کے لئے حکومت ضروری نہیں ہے، جیسے عبادات اور بعض عائلی قوانین ومسائل اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کے لئے ہر حال میں قوت قاہرہ درکار ہے، بلکہ حکومت کے بغیر اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا جیسے حدود وقصاص اور قیام عدل وقسط، بہر حال معلوم ہوا کہ حکومتیں بھی اللہ کے دین کی محافظ ہوتی ہیں، بلکہ حکومت کے قیام کا منشا ہی یہی ہے، ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، یہی تو بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق ''(اے داؤدہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے) اگر حکومتیں ان کی ضامن نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اقتدار نہ عطا کرتا اور قرآن میں ''وجعلنی من لدنک سلطانا نصیرا''(سورہ بنی اسرائیل) وارد نہ ہوتا۔

۴۔ تعلیمی اداروں کے ذریعہ دین کا تحفظ:

علوم دینہ کے ماہرین اور علماء کہتے ہیں کہ علم باقی رہتا ہے تو دین باقی رہتا ہے، علم ختم ہو جاتا ہے تو دین بھی رخصت ہو جاتا ہے، خواہ حکومت اور مسلمانوں کے پاس کتنی ہی دولت کیوں نہ جمع ہو جائے، صرف دولت اور مال واسباب سے اسلام اور دین باقی نہیں رہتا، موجودہ زمانے میں لیبیا اس کی زندہ مثال ہے، بے شمار دولت ہونے کے باوجود ان کے یہاں علم حقیقی قذافی کے دور میں باقی نہیں رہا تھا، اس لئے دین بھی وہاں ۴۲ رسالوں تک تباہ وبرباد رہا حالانکہ لیبیا میں دولت کی کمی نہیں تھی، غرض یہ کہ علم دین کے تحفظ کے، اداروں کا قیام اسلامی معاشرہ اور دین کی بقا کا ایک لازمی جز ہے۔ ہمارے ایک محسن جناب امین عثمانی صاحب (سکریٹری برائے انتظامی امور، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) فرماتے ہیں کہ ''تحریکوں کی مثال ایک انسانی جسم کی ہے۔ اگر جسم کو خون ملنا بند ہو جائے تو جسم خشک ہو کر مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی تحریک کو نیچے سے افراد ملنا بند ہو جائے تو وہ تحریک آگے چل کر مردہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے نئے افراد کی حیثیت تحریکوں اور اداروں کے لئے، خون کی ہے''۔ اور اس کی تکمیل تعلیمی اور تربیتی ادارے کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے مدارس ومکاتب کی حیثیت اس ملک میں ملتِ اسلامیہ کے لئے دینی بلڈ سپلائی کرنے والے بلڈ بینک اور مشین کی ہے۔ اور تحفظ کے نقطۂ نظر سے مدارس کی حیثیت دین کے قلعہ کی ہے، جس طرح قلعہ میں فوج اور حکومت کی حفاظت ہوتی ہے، اسی طرح مدارس میں دین کے تحفظ کا سامان کیا جاتا ہے۔

مدارس اور تنظیموں کا رشتہ:

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ تنظیموں کو جو افراد ملے، قائدین ملے، رہنما ملے، صحافی ملے، خطباء ملے، مساجد کو ائمہ ملے، سماج کو دینی مبلغین ملے، تحریکوں کو جو اشخاص ملے، اصلاحی مشن کو جو امراء ملے، خانقاہوں کو مصلحین ملے اور یہاں تک

کہ عصری دانش گاہوں کو جو بانیین اور مؤسسین ملے وہ سب مدارس دینیہ سے ہی ملے، اور امت کو جو فقہاء ومحدثین ملے وہ سب مدارس ہی نے دئے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ایک بھی اس ملک میں قائم ہونے والی تنظیم ایسی نہیں ہے جس کو مدارس کے فیض یافتہ افراد کا تاسیسی، تنظیمی اور ادارتی وعلمی تعاون حاصل نہ ہو۔ آج لوگ عصری دانش گاہوں کی دہائی دیتے ہیں، موجودہ عہد میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یقیناً اس نے بھی ملک وملت کو بڑے بڑے ڈاکٹرس بھی دئے ہیں اور انجینئرس بھی دئے ہیں اور عظیم کارآمد افراد بھی تحفے میں دئے ہیں، مگر دیکھنا یہ ہے کہ ملت کی آبرو اور شناخت بچانے والے کتنے افراد یہاں پیدا ہوئے اور مدارس سے کتنے نکلے اس پر ہمیں احتساب ضرور کرنا چاہئے۔ میرا مقصد دونوں کا تقابل نہیں ہے، احتساب ہے، بہرکیف مدارس اور تنظیموں کا بڑا عظیم اور گہرا رشتہ ہے، مدارس سے ان کو الگ کرکے سوچنا اس کی شہ رگ کو کاٹ دینے کے مترادف ہے، آج بھی آپ ہندوستان کی بڑی بڑی ملی اور دینی تنظیموں پر نظر دوڑا لیجئے، آپ کو اپنے آپ تسلی ہوجائے گی۔

مدارس کے منہج تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس وقت مدارس میں جو نصاب جاری ہے، وہ نہایت اعلیٰ وارفع اور دین وملت کو درکار جوہری مواد سے پُر ہے اور قیام مدارس کے عین منشا اور مقصد کے مطابق ہے، مگر حالات وزمانہ کی تبدیلی وترقی کے پیش نظر اور ضرورت وتقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں مزید اضافہ کی بھی ضرورت ہے اور طریقہ تعلیم میں تغیر اور تبدیلی بھی وقت اور حالات کا اہم تقاضا ہے، ہمارے مدارس میں عام طور پر صبح سے شام تک چھ یا سات گھنٹے پڑھائی ہوتی ہے، ایک ہی استاذ ایک کتاب نحو کی، ایک کتاب صرف کی، ایک کتاب فقہ کی، ایک کتاب اصول فقہ کی، بلاغت کی، حدیث اور تفسیر کی نیچے سے اوپر تک پڑھاتا ہے اور ہر کتاب کے لئے رات کو مطالعہ بھی کرتا ہے۔ اور پھر صبح کو درس دیتا ہے، یہ طریقہ میرے خیال میں درست نہیں ہے، اور اس طریقہ کی وجہ سے ایک استاذ کو دس پندرہ سال پڑھانے کے بعد بھی جس طرح کسی ایک فن میں ماہر، بلکہ امام ہونا چاہئے وہ نہیں ہو پاتا اور نہ استاذ مکمل انشراح کے ساتھ علمی مواد طلبہ تک پہنچا پاتا ہے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدارس کے نظام اور نہج میں خامی کی وجہ سے ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کسی زمانے میں یہ طریقہ مفید رہا ہو، اب نہیں ہے، اس لئے اب ایسا نہیں ہونا چاہئے، اور اس میں تبدیلی کی سخت ضرورت ہے، بجائے ادنی، وسطی اور علیا درجات کی تقسیم کے فنون کے لحاظ سے اساتذہ کے لئے کتابوں کا انتخاب ہونا چاہئے۔ ایک استاذ اگر ایک فن کی کتاب نیچے درجہ میں پڑھاتا ہے تو اوپر تک چھ کے چھ گھنٹے ایک ہی فن کی کتاب پڑھائے، تاکہ اسے اس فن میں عبور حاصل ہو اور طلبہ تک اس فن کے مواد کو بہتر طریقے تک پہونچا سکے، مثلاً ایک استاذ پہلے گھنٹے میں اگر ''نورالایضاح'' پڑھاتا ہے تو دوسرے گھنٹے میں ''قدوری'' پڑھائے، تیسرے میں ''کنزالدقائق'' پڑھائے، چوتھے گھنٹے میں ''ہدایہ اول'' پڑھائے، پانچویں گھنٹے میں ''فقہ المقارن'' پڑھائے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ استاذ چھ کے چھ گھنٹے پڑھاتا ہی رہے، چار گھنٹے بھی بہت ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام فنون میں ترتیب بنائی جانی چاہئے، اس طرح کی ترتیب سے آج بھی اسی طرح کے ماہر افراد نکل کر سامنے آئیں گے جس طرح ہمارے اکابر کسی ایک فن کے ماہر اور ماسٹر ہوا کرتے تھے، اس سے نہ صرف یہ کہ ہم دین اور شریعت کے لئے عمدہ افراد تیار کرسکیں گے، بلکہ عصر حاضر میں مدارس کی اہمیت بھی

مزید لوگوں کے دلوں میں جگہ حاصل کرے گی، امت کی مطلوبہ ضرورت بھی پوری ہوگی، افادیت بھی سامنے آئے گی، ورنہ مدارس سے فنون کے ماہر اساتذہ نہ ملنے کی وجہ سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مدرسے والے صرف نماز اور قرآن پڑھانے کے لائق ہوتے ہیں، ان میں کوئی اونچی فنی صلاحیت نہیں ہوتی، اس لئے زبان، ادب، تاریخ اور آرٹ (جو اس وقت کمپیوٹر میں سما گیا ہے) کی طرف توجہ کی بھی ضرورت ہے۔ اور ساتھ ہی حدیث وتفسیر اور فقہ کے طریقہ تدریس مثلاً راوی کے حالات، روایات کے مراتب، تنقیح مناط، نصوص سے علل کی تلاش، اور قواعد واصول پر مسائل کے طریقۂ تطبیق کو موجودہ معلوماتی اور انفارمٹک اسلوب سے ہم آہنگ کرنا بھی وقت کا اہم تقاضا ہے، تاکہ طلبہ میں ان فنون کے جملہ مبادیات تک مکمل رسائی کا شعور پیدا ہو سکے۔

اساتذہ میں نفسیاتی دباؤ:

موجودہ طریقۂ تعلیم کی ایک خرابی یہ ہے کہ ایک ہی استاذ ایک وقت میں مختلف فنون کی کتاب پڑھانے کی وجہ سے بسا اوقات الجھن، بددلی، جھنجھلاہٹ اور چڑچڑاپن کا شکار بھی ہو جاتا ہے، خاص طور سے اس وقت جب خاطر خواہ مطالعہ نہ کر پانے کی وجہ سے مکمل انشراح کے ساتھ جب طلبہ کے سامنے بحث کا حق نہیں ادا کر پاتا، طلبہ بھی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے استاذ زیادہ صلاحیت مند نہیں ہیں، حالانکہ وہ دوسرے فن میں اچھی مہارت رکھتا ہے، اس سے بچنے کے لئے بھی ارباب مدارس کو چاہئے کہ اساتذہ کو بجائے روایتی مشاقی کے فنون سے مربوط کریں۔

طلبہ میں مطلوبہ صلاحیت کی کمی:

طلبہ میں مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنے کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے، اساتذہ دن میں سبق پڑھا دیتے ہیں، شام کو طلبہ مذاکرے میں بیٹھتے ہیں یا نہیں، دن کے پڑھے ہوئے اسباق دہرا رہے ہیں یا نہیں اس کی نگرانی کی بھی ضرورت ہے، آج ہمارے مدارس کے طلبہ فارغ ہو جاتے ہیں، مگر ان کے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ قرآن کریم کی چند آیتیں پڑھیں اور ان کا ترجمہ وتشریح کر سکیں، عربی کی چند سطریں پڑھ کر اس کا صحیح ترجمہ کر سکیں، جبکہ شروع سے آخر تک عربی ہی عربی کی تعلیم پاتے ہیں اور یہ عمومی صورت حال ہے، کچھ ہی طلبہ اس لائق ہوتے ہیں جن میں یہ شعور ہوتا ہے، اسی طرح عربی اور انگریزی زبان پڑھنے، لکھنے اور اچھے ڈھنگ سے بولنے کی مشق کی طرف توجہ ہمارے تعلیم کے لازمی حصہ کے طور پر دی جانی چاہئے، ورنہ یہ غفلت ہمیں بہت پستی کی طرف ڈھکیل دے گی، ہمیں زمانے کے لحاظ سے دین کے داعی، مبلغ اور سپاہی تیار کرنا ہے، اور یہ سارے کام مدارس ہی کر سکتے ہیں، دوسرے کے بس میں نہیں ہے، زبانی جمع وخرچ چاہے جتنی کر لیں وہ آپ کا مطلوبہ کام نہیں کر سکیں گے، اصل کام تو آپ اہل مدارس کو ہی کرنا ہے، دین، ملت اور تحفظ دین کی ذمہ داری کا ادراک کن کن چیزوں سے ہوگا ہمیں کرنا ہے، بغیر نبیوں والا کام کئے حقیقی وراثت کے حقدار ہم نہیں ہو سکیں گے۔

حفظ حدیث:

نصاب میں جس طرح دو پارے قرآن کریم کے حفظ کو لازمی قرار دیا گیا ہے، اسی طرح تمام ابواب سے دو دو احادیث بالأسناد حفظ کو بھی لازم قرار دیا جائے۔ ابھی میں رجب کے مہینہ میں متحدہ عرب امارات کے سفر پہ تھا، وہاں شارقہ (شارجہ) میں خالد بن ولید نام کا ایک مدرسہ ہے، ہمارے شکیل بھائی، احمد بھائی، طلحہ بھائی اور غالباً افضل بھائی وغیرہ اپنی نگرانی میں وزارت اوقاف حکومت شارقہ کی اجازت سے اسے چلاتے ہیں، یہ لوگ

دیندار ہونے کے ساتھ ساتھ دینی جذبہ بھی رکھتے ہیں، یہ بڑی سعادت کی بات ہے، اللہ ثبات قدمی عطا فرمائے اور تمام معاونین ومخلصین کے لئے دارین میں فلاح وفضل اور کامرانی کا ذریعہ بنائے۔(آمین)

بہرحال ہمارے محترم قاری محمد یعقوب صاحب حفظہ اللہ ورعاہ، امام وخطیب جامع المجاجد الغربی دیرہ دبئی کے حکم پر مذکورہ مدرسہ میں بچوں کا امتحان لینے گیا، اس مدرسہ میں ہندوستان، پاکستان، یمن اور فلسطین وغیرہ کے بچے تعلیم حاصل کررہے تھے۔ حفظ وناظرہ کے ساتھ ابتدائی دینیات، اسلامی معلومات، اور درجات کے حساب سے حفظ احادیث کا بھی وہاں اہتمام ہے، بچوں نے سند اور ترجمہ کے ساتھ احادیث حفظ (Mamoriz) کررکھا تھا، مجھے دل ہی دل میں رشک ہورہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر اسی طرح کا نظام ہمارے یہاں بھی شروع ہی سے اس کا اہتمام ہو تو فضیلت تک پہونچتے پہونچتے طلبہ اچھی خاصی روایات سند کے ساتھ حفظ کرلیں گے، ممکن ہے بعض مدرسوں میں اس طرح کا نظم ہو، اگر نہیں ہے، تو ہونا چاہئے۔

غرض میرا مقصد یہ ہے کہ علم ومعرفت کے وہ تمام گوشے جن میں ہمارے بچے کمزور رہ جارہے ہیں، ان پر توجہ دی جائے، کل ہند مدارس عربیہ کنونشن بلایا جائے، اگر کل ہند ممکن نہ ہو تو تمام صوبوں کا الگ الگ صوبائی سطح کا اجلاس بلایا جائے، اس کے بعد منتخب نمائندوں کا کل ہند اجلاس بلایا جائے، اور اس میں تمام کمزوریوں کا جائزہ لیا جائے، اور ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے لئے ملت کی امیدوں کے مرکز ام المدارس دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم تابع لندوۃ العلماء لکھنؤ اور مظاہر علوم سہارنپور جیسے دینی اور مرکزی ادارے بہتر کردار ادا کرسکتے ہیں۔

نئے مضامین کے اضافہ کی ضرورت:

عربی:

سب سے پہلے عربی ادب کو ادبی حیثیت سے از اول تا آخر پڑھایا جائے، عربی زبان وادب کی تفہیم، نطق وکتابت کی صلاحیت سال چہارم تک پہونچتے پہونچتے طلبہ میں پیدا ہوجائے، اس پر ذمہ دارانہ توجہ کی ضرورت ہے ان میں تحریری وتقریری صلاحیت پیدا کرنے کے لئے، درس میں بھی بچوں کو کھڑا کرکے تمام ساتھیوں کے سامنے سوالات کئے جائیں اور عربی زبان میں ہی ان کے جوابات دینے کا پابند بنایا جائے، اس سے بچوں میں جرأت بھی پیدا ہوگی، حجاب اور خوف بھی ختم ہوگا، اور پھر آگے چل کر یہی بچے اچھی عربی بولنے بھی لگیں گے اور لکھنے بھی لگیں گے۔

انگریزی:

انگریزی چونکہ موجودہ وقت میں ایک ضرورت بن کر سامنے آئی ہے، اس لئے شروع سے انگریزی گرامر کا ایک گھنٹہ رکھنا کوئی ناجائز عمل نہیں ہے، بلکہ وقت کی ضرورت ہے۔ مقصود نہیں ہے اور عربی ہمارا مقصود ہے، اس لئے ضرورت کو بقدر ضرورت ہی رکھا جائے، ابھی مؤرخہ ۱۱رجنوری ۲۰۱۴ء کی شام کو اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا میں مشہور اسلامی اسکالر اور داعی ڈاکٹر عطاء اللہ صدیقی صاحب لندن (The Markfield Institute of Higher Education (MIHE)) سے تشریف لائے تھے اور ان کی آمد پر اکیڈمی کے میٹنگ ہال میں موجودہ حالات پر ان کے ایک لکچر کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں انہوں نے عالمی حالات کی طرف جس طرح توجہ دلائی، اور اسلام ودوسری تہذیبوں کے درمیان جس طرح کی کشمکش جاری ہے اور اسلام کے بارے میں دوسری کمیونٹی کے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں، ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا

کہ ان سنگین حالات میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے اور ان کی زبان میں بہتر طریقہ پر پیش کریں، اس کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان زبانوں کو بھی سیکھیں اور اپنی تعلیم کا حصہ بنائیں، تاکہ ہم اپنے دعوتی اور اسلامی مشن میں کامیاب ہوسکیں اور دنیا کو اسلام کے اعلیٰ اخلاقی اقدار سے روشناس کراسکیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے مدارس میں رائج علوم کے ساتھ ساتھ دنیا کی مشہور بڑی زبانوں مثلاً انگریزی، ہندی، سنسکرت، چائنیز، فرنچ، جرمنی اور رشین وغیرہ زبانوں کی تدریس کی طرف بھی توجہ دی جائے۔

میتھ/حساب:

حساب جاننا بھی نہایت ضروری ہے، اور اتنا ضرور حساب اور میتھ آنا چاہئے جس سے اپنا کام چل جائے، لین دین میں دشواری نہ ہو، حالانکہ آج کلکولیٹر نے بڑا کام آسان کردیا ہے، پھر بھی اتنا حساب ضرور آنا چاہئے اور اسے مدارس کے نصاب میں شامل کیا جانا چاہئے، اسی طرح کمپیوٹر آپریٹ کرنا، ٹائپنگ یہ بھی آج کی ضرورت میں شامل ہوگیا ہے، جس طرح قلم پکڑنا سیکھنا، چلانا اور لکھنا تعلیم کا حصہ ہے، کمپیوٹر بھی اس کا حصہ ہوگیا ہے، اس لئے کمپیوٹر سائنس بھی آج کے مدرسہ سے نکلنے والے طلبہ کو آنا چاہئے، اور وہ بھی چند کو نہیں سب کو آنا چاہئے، اب کتابت کا دور نہیں ہے کہ شعبہ خطاطی پر محنت کرکے وقت خراب کیا جائے، حالات اور ضرورت کو سمجھنے کی ضرورت ہے، طرز کہن پہ اڑے رہنا اور حقائق سے آنکھیں چرانا دانشمندی نہیں ہے۔

مدارس کے اساتذہ کی تنخواہ کا معیار:

موجودہ چند برسوں میں مادیت کے سیلاب اور ملکی اور معاشی دشواریوں کی وجہ سے ہر طبقہ میں اس کا احساس پیدا ہوا ہے کہ اس کی یافت موجودہ گرانی اور حالات سے ہم آہنگ ہو، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ واجبی ضروریات کے آگے انسان بے بس و لاچار ہوجاتا ہے، کوئی انسان نہیں چاہتا ہے کہ اس کی ضرورت پوری نہ ہو، اس کی وجہ سے انسان گھٹنے ٹیک دیتا ہے، اور بالخصوص جب بچے بے بسی کی زندگی گذار رہے ہوں، اس وجہ سے مدارس کے اساتذہ کی بڑی تعداد سرکاری اسکولوں اور حکومت کے زیر انتظام چلنے والے مدارس کا رخ کرنے پر مجبور ہوئی ہے، آج مدارس کے اساتذہ کی یافت کا موازنہ کیا جائے تو ان کی یافت ایک بلدیاری کرنے والے مزدور کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ مگر ان کا دینی مخلصانہ جذبہ ان کو مدارس سے جوڑے رکھتا ہے، انسان کی ضروریات، اور نفسیات دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے اور دینی کام کسی بھی طرح تعطل اور پژمردگی کا شکار نہ ہو اس کے لئے ارباب مدارس اور ذمہ داران کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے، اور چونکہ مدارس کے اساتذہ کی تنخواہ کا معیار آج کی ضرورت اور کفاف دونوں کے معیار سے ہٹا ہوا ہے، اس لئے آج ان کی ابتدائی تنخواہ کم از کم دس سے بارہ ہزار سے شروع ہونی چاہئے، تاکہ اساتذہ کو کمی کا احساس نہ ہو اور وہ خوش دلی کے ساتھ تعلیم و تربیت میں دلچسپی کا مظاہرہ کرسکیں۔

میں ذمہ داروں سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ کمی کا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دیں، جب ہماری ہر چیز توکل پر ہے، تو اس کو بھی توکل پر چھوڑ دیں، جس مالک نے کل سے آج تک اس کا نظم کیا ہے، وہ آئندہ بھی اس کو پورا کرے گا۔ آپ اپنی طرف سے اپنے کارکنان کو اس شکایت کا موقع نہ دیں کہ:

ساقی میں اپنے بخت پہ قانع تو ہوں مگر
اتنی بھی کم نہ دے کہ مری شب بسر نہ ہو

❁ ❁ ❁

عصر حاضر کی مسلم خاتون اور جدید فیشن

ایک تجزیہ

.....● مشتاق احمد مختار احمد

موجودہ دور ایک انقلاب آفریں دور ہے، تہذیب وثقافت کی یلغار ہے، علوم وفنون کا بول بالا ہے، تعلیم وتعلم کا اجالا ہے۔ الغرض آج کا دور جملہ اعتبار سے ایک حیرت انگیز دور ہے، پوری دنیا یورپ اور مغرب کے انقلابات سے حیرت زدہ ہے اور اس کے ہر ہر عمل کی اس قدر دلدادہ ہوچکی ہے ایسا لگتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی آئڈیل ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج انسانی معاشرہ کا ہر فرد چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم بغیر یورپ کی نقالی کیے اپنے آپ کو انسان ہی نہیں تصور کرتا۔(الا من رحم ربی) یورپ اور مغربی کلچر کا یہ بھوت اور ناسور مسلم معاشرے کے اندر اتنی تیزی کے ساتھ سرایت کر رہا ہے کہ اس پر قدغن لگانا ناممکن تو نہیں پر مشکل ضرور ہے، ہر فرد حیران وششدر ہے کہ آخر کیا ہو رہا ہے؟ چونکہ یہ دور انتہائی ماڈرن ہو چکا ہے اور اس نشے میں ہر کوئی سادگی کو چھوڑ کر اس رنگینی کی طرف بے خوف وخطر بھاگ رہا ہے جس کی حقیقت سراب سے بھی کمتر ہے۔

آج کا مسلم معاشرہ ان تمام برائیوں میں ملوث ہو چکا ہے جس کو ہم قیامت کی نشانی سے تعبیر کر سکتے ہیں، مسلم قوم کی بیٹیوں کا لباس، ان کی مخلوط تعلیم، ان کا آزادانہ پارکوں اور رقص گاہوں کی سیر کرنا، کال سینٹروں اور آفسوں میں نوجوان لڑکوں کے ساتھ بلا تامل جاب کرنا، موبائل فون اور نیٹ کا غلط استعمال، نیم عریاں لباس زیب تن کرنا، یونیورسٹیوں میں مختلف کورسوں میں داخلے لینا، ہر طرح کے مسابقے اور ڈیبیٹ میں کھل کر شرکت کرنا، بازاروں اور دوکانوں میں آزادانہ گھومنا آج کے مسلم پروفیشنل گھرانوں کی بہن بیٹیوں کا ایک عام رو ہو چکا ہے، اور ان کے سرپرستوں کو یہ خبر نہیں کہ آخر ان کی عزت خیر وعافیت میں ہے یا نہیں بلکہ اس کے برعکس ان کی نام نہاد دنیوی ترقی اور نوکری سے مزید خوش وخرم نظر آتے ہیں، اور مارے فخر سے معاشرے میں سرتان کر لوگوں کو لڈو بانٹتے ہیں کہ ہماری فلاں بیٹی نے فلاں کالج ٹاپ کیا۔

آمدم برسر مطلب! آج اگر ہم سرسری جائزہ لیں تو معلوم ہوجائے گا کہ ہر جگہ لڑکوں سے زیادہ نوجوان لڑکیوں کا ہجوم ہے، ریلوے اسٹیشن ہو یا ایر پورٹ، استقبالیہ دفتر ہو یا عام آفس ہر جگہ لڑکیاں ہی لڑکیاں مطلوب ہیں! اور اس کو لاگو کرا کے ہمارا دانشور طبقہ بڑے طمطراق سے کہتا پھرتا ہے کہ ہماری حکومت بڑا اچھا رول نبھا رہی ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کے برابر حقوق مل رہے ہیں، ان کو اچھی اچھی جاب مل رہی ہے اب وہ کسی کی محتاج نہیں رہیں گی، پوری انسانیت اس تعمیر وترقی کی انوکھی مثال دے رہا ہے، یہ ہے غیرت کا فقدان۔

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مذہب اسلام کی تعلیمات فطرت کے عین موافق ہے، اسلام نے عورتوں کو جو مقام ومرتبہ عطا کیا ہے اس طرح کی نظیر اور مثال نہ کسی دنیوی مذاہب میں ہے اور نہ ہی مل سکتی ہے، مذہب اسلام عورتوں کو مخاطب کر کے یہ حکم صادر کرتا ہے:

(وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلی الولی)(الاحزاب:33)

یعنی عورتوں کا ٹھکانہ اور ان کی پناہ گاہ گھر کی چہار دیواری ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے تاکیدی انداز میں بصیغہ امر مخاطب کیا گیا ہے کہ تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جاہلیت کی طرح مظاہرہ نہ کرو، گویا کہ وہ اللہ جس نے اپنی مخلوقات کو پیدا کیا ہے وہ اچھی طرح ان کی مصلحتوں کو جانتا ہے کہ کون سی چیز ان عورتوں کے لیے زیادہ مناسب ہوسکتی ہے گھر کی چہار دیواری یا بازاروں میں دندناتے پھرنا۔ لیکن آج معاملہ اس کے برعکس ہے آج عورتیں گھروں سے زیادہ باہر دکھائی دیتی ہیں، اور اس پر مزید کہ اگر کوئی خاتون پردے کا اہتمام کرتی ہے تو اس کا

مذاق اڑایا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ذرا بھی ماڈرن نہیں، ذرا بھی تہذیب وثقافت کا خیال نہیں، اور جو لوگ بے پردہ گھومتی پھرتی ہیں انھیں سب سے زیادہ مہذب تصور کیا جاتا ہے۔ کیا مردوں کے شانہ بہ شانہ چلنا، مردوں جیسا لباس زیب تن کرنا، مردوں جیسی چال ڈھال اختیار کرنا، بازاری محفلوں اور دیگر قسم کی تقریبات میں شرکت کرنا یہی سب سے بڑی ترقی ہے، یہی آزادی نسواں ہے اگر جواب ہاں ہے، تو سن لیجیے اس نبی ﷺ کی وعید شدید جس کی محبت کا ہم دم بھرتے ہیں، اور محاسبہ کریں اپنے نفس اور اپنے گھر کی عورتوں کا اور سوچیں کہ کہیں ایسا تو نہیں ہمارے اہل خانہ اس وعید کا شکار تو نہیں ہو رہے۔ آپ نے فرمایا:

''جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں جن کو میں نے دیکھا نہیں ہے، ایک قسم ایسی ہوگی جن کے پاس گائے کے دم کی طرح کوڑے ہوں گے جس سے لوگوں کو ماریں گے، اور دوسری قسم ایسی عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی، مٹک مٹک کر اور اپنے مونڈھوں اور کولہوں کو ہلا ہلا کر چلنے والی ہوں گی، ان کے سر اونٹ کے کوہان کے مانند ہوں گے، وہ جنت میں داخل ہونے نہیں پائیں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو میسر ہوگی اگر چہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت تک محسوس کی جاسکتی ہے۔((صحیح مسلم)

علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

کہ نبی ﷺ کا مطلب وہ عورتیں ہیں جو اتنا رقیق اور باریک لباس پہنتی ہیں جو بدن پہ تو ہوتا ہے لیکن اس سے ستر پوشی نہیں ہونے پاتی تو ایسی عورتیں درحقیقت ''عاریات'' کے قبیل سے ہیں۔(امام سیوطی نے اسے تنویر الحوالک میں 3/103) نقل کیا ہے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور نہ ہی کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت میں ہو جبکہ اس کے ساتھ محرم نہ ہو۔(بخاری)

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ہم اگر اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیں تو حقیقت بالکل اسی طرح نظر آتی ہے، آج کی مسلم عورتوں کا حد درجہ باریک لباس پہننا، ان کا ایک دوسرے ساتھ بغیر کسی حرج کے اٹھنا بیٹھنا، اکیلے بسوں اور ٹرینوں میں سفر کرنا ایک خاص مشغلہ بن چکا ہے، اور اس پر مزید ان کے لیے آئیڈیل بھی بنیں تو وہ بھی فلموں کی فاحشہ اور بازاری عورتیں جن کا نہ کوئی دین ہے نہ دھرم، حالانکہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے چاہیے تو یہ تھا کہ ان کے لیے اسوہ ہوتیں امہات المومنین اور صحابیات (رضوان اللہ علیہن اجمعین) جیسی پاک ہستیاں جن کے تقدس کی تعریف عرش والا آسمان سے کرتا ہے اور جن کی عزت وآبرو پر کیچڑ اچھالنے والے پر آسمان سے براءت نازل کرتا ہے۔

مسلم خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنی رفعت وبلندی کو پہچاننے کی کوشش کریں، کیونکہ انھیں مذہب اسلام نے بہت ہی بلند مقام عطا کیا ہے، جس کی دلیل کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت ہی کافی ہے:

(جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد یا عورت بشرطیکہ ایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت ہی بہتر زندگی عطا فرمائیں گے، اور ان کے اعمال کا اس سے کہیں زیادہ بہتر بدلہ عنایت کریں گے جتنا کہ وہ کرتے تھے۔)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(دنیا کی ساری چیزیں فائدہ کی خاطر ہی بنائی گئیں ہیں، لیکن دنیا کی سب سے بیش بہا دولت اور سب سے قیمتی چیز نیک اور صالح عورت ہے)

اس لیے ہر مسلمان عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وقار اور رتبے کو پہچانیں، نہیں تو وہ دن آنے والا ہے جب ان سے ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں باز پرس ہوگی تو اس وقت سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہ ہوگا، مزید چلتے چلتے ہم اپنے مسلم بھائیوں سے آخری بات عرض کرتے چلیں کہ آپ اپنی بہو، بیٹیوں کی حفاظت کریں اور اغیار کی نقالی سے انھیں کوسوں دور رکھیں، کیونکہ اسلام کی تعلیمات کو اپنانے ہی میں دنیا وآخرت کی بھلائی مضمر ہے۔(اللہ ہم سب کو اس بات کی توفیق دے، آمین)

❁ ❁ ❁

معروف صحافی وادیب ظفر عدیم کی وفات پر خراج عقیدت

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب

اک شخص کے نہ ہونے سے اردو اداس ہے

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے کسی بشر کو رستگاری نہیں، جو بھی آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن اس فانی دنیا کو خیر آباد کہنا پڑیگا، لیکن اس آنے جانے میں بڑا فرق ہے۔ ایک وہ ہیں جو آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ آئے کب تھے اور کب گئے! جھونکا ہوا کا آیا اور نکل گیا۔ کچھ لوگ چلے جاتے ہیں مگر اپنے پیچھے ناگوار یادیں چھوڑ جاتے ہیں، جبکہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو جا کر بھی نہیں جاتے، ان کی یادیں اور باتیں ہر گھڑی ہر لمحہ دل و دماغ کو معطر اور تر و تازہ رکھتی ہیں۔

معروف صحافی، شاعر وادیب ظفر عدیم صاحب جن کا ۱۶ر نومبر بروز ہفتہ اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا، ان ہستیوں میں ایک تھے جنہیں لوگ مختلف خوبیوں کے سبب برسوں یاد رکھیں گے۔ انتقال سے ٹھیک ایک روز قبل ۱۵ر نومبر کو ان کا آخری مضمون روزنامہ انقلاب دہلی میں شائع ہوا۔ دراصل اس مضمون کا ذکر یہاں اس لئے خاص ہے کہ اس کے ساتھ ایک ایسی یاد جڑی ہوئی ہے جو اب یادگار بن گئی ہے، جسے بھول پانا ممکن نہیں۔

ظفر عدیم صاحب وقت اور معمول کے بہت پکے انسان تھے، ان کے قول و عمل میں یکسانیت تھی، وہ معذرت اور ایکسکیوز کے قائل نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہ وقت ضرورت مجھے کبھی ان کا انتظار نہیں کرنا پڑا، بلکہ ہمیشہ انہیں انتظار کرتے ہوئے پایا۔ یہ کوئی معمولی خوبی نہیں ہے، خاص طور پر موجودہ زمانے میں تو وقت معین پر بلا وجہ کی تاخیر سے پہنچنا ایک آرٹ ہے۔ وقت کے قدرداں اور پابند لوگوں کو عجیب و غریب خیال کیا جاتا ہے، اور ناقدروں کی خوب قدردانی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں جان بوجھ کر تاخیر کرنے کی بیماری زور پکڑتی جارہی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو جتنا بڑا ہوتا ہے وہ اتنا ہی لیٹ لطیف ہونے میں فخر محسوس کرتا ہے، اور یہی چلن اب عام ہوتا جارہا ہے، مگر بااصول لوگ آج بھی اپنی زندگی کے ایک ایک پل اور ایک ایک لمحہ کی نہ صرف حفاظت کرتے ہیں، بلکہ اسے کام میں لانے کے ہنر سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ مرحوم ظفر عدیم صحافت کے ان 'چندے آفتاب چندے مہتاب' میں سے ایک تھے جنہوں نے پوری زندگی اس فارمولے پر عمل کیا کہ 'کام کرنے سے کام آتا ہے'۔ اس کا بین ثبوت مختلف اصناف ادب میں شائع ان کی تخلیقات، کتابیں، ناول، افسانے، غزلیں، انشائیے اور ملک بھر کے معیاری اخبارات و رسائل میں تسلسل سے چھپنے والی تحریریں ہیں۔ مختلف زبانوں پر دسترس رکھنے کے باعث تراجم کی تعداد اس کے علاوہ ہیں۔

۱۴ر نومبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات کو بھی وہ معمول کے مطابق اپنے پرانے رفیق عبدالحئی خان (ایڈیٹوریل انچارج انقلاب دہلی) کے ساتھ ایک دکان پر چائے نوش فرما رہے تھے، اسی اثنا میرا وہاں سے گزر ہوا، لیکن میں نے نہیں دیکھا۔ حسن اتفاق عبدالحئی صاحب کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے ظفر صاحب سے میرا ذکر کیا۔ اتنا سنتے ہی مرحوم میری طرف آواز دیتے ہوئے بھاگے، لیکن ان کی آواز میری سماعت تک نہیں پہنچی، اس دوران عبدالحئی صاحب کا فون آیا کہ ظفر عدیم یاد کر رہے ہیں تو میں فورا واپس ہوا اور اس ہوٹل میں پہنچ

گیا۔علیک سلیک کے بعد ہمیشہ کی طرح مسکرا کر میرا حال دریافت کیا۔میں نے بھی ان کی صحت کے بارے میں معلوم کیا تو ہمیشہ کی طرح وہی جواب دیا کہ اس عمر میں صحت کا کیا،بس چل پھر لیتے ہیں یہی خدا کا کرم ہے۔اس کے بعد ہم لوگوں نے ایک ساتھ چائے نوش کی۔اس مختصر سے وقت میں ملک وقوم کے حالات پر بات چیت ہوئی اور پھر ہم اپنی اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔

بظاہر تو یہ ایک معمولی واقعہ ہے،لیکن ہمیں کہاں معلوم تھا کہ اب یہ آواز سننے کو نہیں ملے گی اوراب ہم ان کے دیدار کو ترسیں گے۔یہ ان کی بے پناہ محبت اور خلوص کا نتیجہ ہے کہ ان کے سانحہ ارتحال کی جانکاہ خبر ملتے ہی کلیجہ منہ کو آ گیا،ہمارے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی،چند ساعت کیلئے ذہن ودماغ ماؤف ہوگیا،کئی بار'انا للہ وانا الیہ راجعون' کا ورد کرنے کے بعد بھی دل میں اضطراب وبے چینی کی کیفیت برپا رہی۔'موت کا ایک وقت معین ہے'اس بات پر یقین کامل کے باوجود ایک عاصی انسان ہونے کے ناطے میری یہ بے چینی فطری تھی،مگر یہی حال ان کے دوسرے بہت سے چاہنے والوں کا تھا۔یہی وجہ ہے کہ آن واحد میں قومی راجدھانی کے موقر ادبا،شعراء اور صحافی حضرات ان کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے،اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ظفر عدیم خود ہی فرماتے ہیں:

''اس اعتبار سے میں بڑا ہی خوش نصیب ہوں کہ مجھے چاہنے والے زندگی کے ہر موڑ پر ملتے رہے ہیں۔میرے جتنے دوست احباب ہیں سارے اتنے مخلص،شفیق وخلیق کہ ان کے آگے میرا جذبہ رفاقت چھوٹا اور پھیکا پڑ جاتا ہے۔ان میں بزرگ بھی ہیں اور کم عمر بھی''۔

ہشاش بشاش نظر آنے والے ظفر عدیم کے دل میں ڈھیر سارے رنج وغم بھی سمائے ہوئے تھے،یہ اور بات ہے کہ انھوں نے نہ کبھی اس کا کھل کر اظہار کیا اور نہ ہی ایسا تاثر پیش کیا کہ ان کے روشن چہرے پر غم کی اس لکیر کا سراغ لگانے کیلئے کوئی جستجو کی جاتی،لیکن ان کی تحریریں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ تھوڑی خوشی اور بہت سے رنج والم کے مجموعے کا نام ظفر عدیم ہے۔تقریباً ۶۵ رسالہ زندگی کے سفر کے دوران انہوں نے انگنت نامساعد حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ابتلا وآزمائش کی پرخار وادیوں سے ہنس کر گزر گئے اور چہرے پر شکن تک نہیں آئی،بہت ہی خاص دوست ان کی اس کیفیت کو سمجھ سکے ہوں تو یہ اور بات ہے۔منظوم ڈرامہ'لالہ رخ' کے مقدمہ میں ان کا یہ درد کچھ یوں چھلک پڑتا ہے:

''میری زندگی میں کئی اتار چڑھاؤ آئے،بے کاری،بے روزگاری،آوارگی،ایسے کئی نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔پردیس میں کرائے کا ٹھکانہ اور اسے بار بار بدلنا۔میں کس کس کو اپنی مجبوری بتاتا یا بتاؤں۔مجھ جیسے معمولی لوگ جن کے پاس صلاحیت یا الگ سے کوئی ہنر نہیں وہ ساری زندگی اسٹرگل کرتے رہ جاتے ہیں۔ان کے حصے میں صرف بھاگ دوڑ کی تکان،وقت کی کمی،ذہنی کوفت،تنگی رزق کی خلش،ضروریات زندگی کی فراوانی ہی آتی ہے۔مجھ جیسے لوگ اپنے اور اپنی تسکین کیلئے بہت کم کچھ کر پاتے ہیں وہ صرف دوسروں کیلئے لکھتے ہیں کیوں کہ اس میں ان کی روزی لکھی ہوتی ہے۔''

ظفر عدیم کی تحریر میں چھپے درد کے احساس کو سمجھنے کیلئے جگر چاہئے ورنہ اس بھاگتی دوڑتی دنیا میں جبکہ انسانیت ہر جگہ مادیت کے سامنے مات کھا جاتی ہے،ایسے نیک دل،لائق و فائق انسان کی قدر دانی وہ بھی تعلیم یافتہ طبقوں میں کم بڑی بات نہیں ہے۔ان کا ایک شعر ہے:

محبت کی کہانی یوں قیامت تک بیاں ہوگی
جنم لے گی نئی جب جب پرانی داستاں ہوگی

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد(۱۸۸۸۔۱۹۵۸ء) نے

کتنی حق بات کہی ہے:

''لوگ ہمیشہ اس کھوج میں لگے رہتے ہیں کہ زندگی کو بڑے بڑے کاموں کے لئے کام میں لائیں، لیکن نہیں جانتے کہ یہاں ایک سب سے بڑا کام خود زندگی ہوئی زندگی، یعنی زندگی کو ہنسی خوشی کاٹ دینا ہے۔ یہاں اس سے زیادہ سہل کام کوئی نہ ہوا کہ مر جایئے اور اس سے زیادہ مشکل کام کوئی نہ ہوا کہ زندہ رہیے۔ جس نے یہ مشکل حل کر لی اس نے زندگی کا سب سے بڑا کام انجام دے دیا۔''

صحافت کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد دہلی میں جن دو شخصیات نے بہت زیادہ متاثر کیا ان میں مرحوم انبساط احمد علوی (۲۰۰۶-۱۹۵۰ء) اور ظفر عدیم نے میرے دل پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں شخصیت میں بہت سی خوبیاں قدر مشترک تھیں۔ جن میں اخلاق، شرافت اور منکسر المزاجی بہت اہم ہے۔ یہ ان کا طرہ امتیاز تھا کہ جو ایک بار مل لیتا ان کا گرویدہ ہو جاتا اور بار بار ملنے کی حسرت کرتا۔ علم اور شہرت کی اس بلندی پر پہنچنے کے باوجود ان کے قدم ہمیشہ زمین پر رہے۔ یہ کم بڑی بات نہیں ہے کہ اپنی جاذب نظر شخصیت کو اس دور میں بھی ہر طرح کے تصنع اور بناوٹ سے دور رکھا جہاں یہ ایک فن تصور کیا جاتا ہے۔

شمالی بہار کے تاریخی شہر مظفر پور میں جنم لینے والے ظفر عدیم تقریباً ۴۰ر سالوں سے نثر و نظم کے توسط سے گیسوئے اردو کو سنوارتے رہے۔ انہوں نے افسانے بھی لکھے اور جاسوسی ناول بھی، فلموں کے اسکرپٹ بھی تحریر کیے اور ڈرامہ بھی۔ غزلیں اور نظموں کے علاوہ ایک صحافی ہونے کی حیثیت سے ہزاروں مضامین لکھ کر اپنے مطمح نظر کو پیش کیا۔ شعر و شاعری اور ادبی نشستوں کے شروع سے ہی رسیا تھے۔ چاہے وہ مظفر پور کی ادبی مجلس ہو یا پھر قومی راجدھانی دہلی کی، ہر جگہ اپنی موجودگی درج کرا کر اس میں چار چاند لگا دیتے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ وہ عہد طفلی سے ہی اردو کی آبیاری کر رہے تھے۔ اس کا جیتا جاگتا ثبوت مظفر پور کی ادبی سرگرمیاں ہیں جن کا ذکر انہوں نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔

''میں مظفر پور کا رہنے والا ہوں۔ ۱۹۶۰ سے ۱۹۸۰ء کے اوائل تک یعنی کم و بیش بیس سال کی شہر کی ادبی سرگرمیوں کا چشم دید گواہ اور عینی شاہد ہوں۔ مجھے یاد ہے تب مشاعروں، ادبی نشستوں، شعری محفلوں کے دو اہم مراکز ہوا کرتے تھے۔ ایک محلّہ پکی سرائے کا مسلم کلب جو میرے گھر کے قریب واقع ہے اور دوسرا کچی سرائے کی 'بزم فیض' جو اب نہیں ہے۔ تقریباً ہر ماہ مسلم کلب کے برآمدے پر شعری نشست ہوا کرتی تھی اور سال میں ایک یا کبھی دو بار مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ ان مشاعروں میں علامہ جمیل مظہری صاحب، ڈاکٹر حمید الدین عاصی صاحب، جناب پرویز شاہدی صاحب، جناب نشور واجدی صاحب، جناب مظہر امام صاحب، ڈاکٹر ظفر حمیدی صاحب، ڈاکٹر محمد ہاشم صاحب محمد نسیم بے ڈھب صاحب، جناب الیاس نجم مظفر پوری صاحب، جناب رحمت کریم روشن صاحب وغیرہ کو بار بار دیکھا اور سنا۔''

ظفر عدیم نے صرف مظفر پور کی ہی ادبی محفلوں کو جان نہیں بخشی، بلکہ ۱۹۸۰ء کے اوائل میں دہلی آنے کے بعد یہاں کی ادبی شخصیات سے روابط پیدا کیے اور بہت جلد اپنا ایک مقام بنا لیا۔ دہلی میں بھی ان کے دم سے ادبی و شعری محافل سجنے لگیں جن میں دہلی کے ادبا، شعرا اور ان کے احباب بطور خاص شریک ہوتے تھے۔ جنوبی دہلی کے جامعہ نگر میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد کئی سالوں سے ہر ماہ 'ماہنامہ آج کل' کے ایڈیٹر جناب ڈاکٹر ابرار رحمانی کے یہاں بلا ناغہ ایسی نشستوں کا اہتمام ہوتا تھا جس میں ظفر عدیم باضابطہ ادب و صحافت کے موضوع پر روشنی ڈالتے تھے۔ بقول ڈاکٹر ابرا رحمانی

صاحب کے ہر ماہ کی بیس تاریخ کو ایک خاص نشست منعقد ہوا کرتی تھی جس میں وہ ادب اور صحافت کے حوالے سے گفتگو کرتے، ان کی یہ گفتگو کچھ اس قدر دلچسپ ہوتی کہ ہم ہمہ تن گوش اسے سماعت کرتے رہتے۔ ان کی ایک ڈیڑھ گھنٹے کی گفتگو سے یقیناً ہمیں بہت فائدہ ہوتا اور ہم ان کے سامنے ممنونیت کی ایک تصویر بنے بیٹھے رہتے۔ اس نشست میں وہ شعر و ادب کی موجودہ صورتحال پر بھی تبادلہ خیالات کرتے اور بات چیت دھیرے دھیرے 'آجکل' کے مشمولات تک پہنچ جاتی۔ وہ دوسرے رسائل کے مقابلے آجکل کے مشمولات سے بڑی حد تک مطمئن تھے اور اس کے لئے ہماری کوششوں کو سراہتے''۔

مرحوم ظفر عدیم سے میرا رشتہ بہت پرانا نہیں تھا، مگر گزشتہ دو ڈھائی سالوں میں جس قدر بھی انہیں جاننے اور پڑھنے کا موقع ملا ان کی شخصیت اور تحریر سے انسیت بڑھتی چلی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی ان کی تحریریں اردو صحافت کی عام روش سے ہٹ کر ہوا کرتی تھیں۔ خاص طور پر سائنس، طبعیات، معاشیات اور جدید علوم و فنون، یہ ایسے موضوعات ہیں جن پر قلم اٹھانا سب کے بس کی بات نہیں۔ مثال کے طور پر ۲۱۰۲ کے آخر میں جب 'تخلیق کائنات' پر بحث چھڑی تو انہوں نے مختلف سائنسی حوالوں سے یہ ثابت کیا کہ قرآن میں کوئی ایسا بیان نہیں ملے گا جو جدید سائنسی علوم کے منافی ہو، سائنس اور قرآن میں مطابقت ہے۔

روزنامہ انقلاب میں شائع اپنے مضمون ''کائنات کو ہگس سے نہیں حکمت قرآن سے سمجھنا ہوگا'' میں کائنات کی تخلیق اور فلکیات کے علوم اور قرآن پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے ظفر عدیم لکھتے ہیں:

''تخلیق کائنات کی اس چھان بین میں سائنس کے پاس کوئی تھیوری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ پیٹر ہگس نے، ان کے مقلدین یا ذرات سے متعلق طبعیات دانوں نے جو بھی نتیجہ دنیا کے سامنے اب تک ۱۹۶۴ء سے تا حال پیش کیا ہے وہ محض فکر سے تحقیق اور تحقیق کے آگے ذہنی جست و خیز کی اڑائی ہوئی وہ گرد ہے جس میں انہیں کائنات کا سراب تو نظر آتا ہے، مگر کائنات کا سرچشمہ حق نظر نہیں آتا۔ کیونکہ انہیں قرآن نظر نہیں آتا اور اگر نظر آتا بھی ہے تو وہ حکمت نظر نہیں آتی، جو اسلام پر روشن کی گئی ہے اور اسلام ان کے لئے وہ رکاوٹ ہے کہ وہ اللہ تعالی کو ایک گاڈ مانتے ہیں، وہ گاڈ، جسے وہ 'اللہ، باپ' کہتے ہیں اور کہنے کے پس پشت صرف اور صرف یہ سوچ کارفرما ہے کہ انہیں 'لم یلد و لم یولد' کو نہیں ماننا ہے۔ جبکہ کائنات کی سچائی پارٹیکل فزیکس کی سائنس میں نہیں بلکہ قرآن میں ہے''۔ مضمون کے آخری پیرا گراف میں لکھتے ہیں ''سائنس داں شاید یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالی نے جو 'مسخر کرنے کی بات کہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کو ان کے مطیع اور طابع بنا دیا ہے۔ یہ غلط مطلب نکال کر ہی سائنسداں اپنی تحقیق کو آگے بڑھا رہے ہیں، جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ یہ سوچیں کہ خود ان کی تخلیق کیسے ہوئی۔

اللہ تعالی فرماتا ہے 'تمہاری تخلیق کا منصوبہ بنایا اور تمہارا مادہ آفرینش تیار کیا اور پھر اس مادے (Mass) کو انسانی صورت عطا کی۔ کیا اس حقیقت کا سائنسداں ادراک کر سکے کہ مواد عرضی سے انسان کس طرح بنایا گیا اس کی صورت گری اور تعدیل کیسے ہوئی اگر یہ معلوم ہو جائے تو پھر گاڈ پارٹیکل کی تلاش کی جائے۔

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ فرانس اور سوئزرلینڈ کی سرحد پر زمین کی گہرائی میں واقع پارٹیکل فزکس کی سب سے بڑی اور مہنگی تجربہ گاہ کو کئی لوگ خدا کی تلاش کرنے والی ایک لیبارٹری کے طور پر بھی دیکھتے ہیں۔ اس تجربہ گاہ میں کام کا آغاز ۲۰۰۸ء میں ہوا تھا جس میں اب تک دنیا بھر سے دس ہزار سے زیادہ سائنس دان حصہ لے چکے ہیں۔ اس لیبارٹری میں زیادہ تر گاڈ پارٹیکل پر تحقیق ہوتی رہی ہے جسے

تخلیق کائنات کا مرکزی کردار سمجھا جاتا ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ایٹم ازخود وجود میں نہیں آئے، بلکہ انہیں ایک قوت نے اکھٹا ہونے میں مدد دی۔ یہ قوت اس ذرے میں ہے جسے گارڈ پارٹیکل کہا جاتا ہے، یعنی خدائی صفات رکھنے والا ذرہ۔ جدید جوہری طبیعیات کا یہ نظریہ سب سے پہلے ۱۹۶۴ء میں برطانیہ کی ایڈن برگ یونیورسٹی کے ایک سائنس دان پیٹر برگ ہگس نے پیش کیا اور انہی کے نام پر اس تصوراتی ذرے کو ہیگز بوسن کا نام دیا گیا۔

ظفر عدیم اگرچہ خلاقانہ ذہن کے مالک تھے اور وہ شاعری سے لے کر افسانہ نگاری، ناول نگاری، خاکہ نگاری غرضیکہ کسی بھی میدان میں ہم عصروں سے کم نہیں تھے۔ انہوں نے دہلی میں آنے کے بعد صحافت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ یہ ان کا طرہ امتیاز ہے کہ قومی آواز کے بند ہونے کے بعد بھی وہ ملک کے سیاسی حالات پر مسلسل لکھتے رہے اور آخری سانس تک روزنامہ انقلاب اور دیگر اخباروں میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے۔

گزشتہ سال معارف قاسم کے 'مسلم مسائل' کیلئے ہم نے ان سے مشورہ کیا تو نہ صرف پسند فرمایا، بلکہ اسے وقت کی ضرورت قرار دیتے ہوئے اس خصوصی دستاویز کیلئے ایک مضمون 'گرفتاری کیلئے حالات پیدا کیے جاتے ہیں' کے عنوان سے تحریر کیا جس میں انہوں نے بڑے کھل کر حکومت ہند کو نشانہ بناتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حکومت کو غور کرنا چاہئے کہ جو اختیارات، قوم وملت بالعموم ملک کے تانے بانے کو بنائے رکھنے کیلئے تفویض کیے گئے ہیں کہیں ان اختیارات کا بے جا استعمال کرتے ہوئے بگاڑ اور نفاق پیدا کرنے کی کوشش تو نہیں کی جا رہی ہے''۔

مظفر پور سے آنے کے بعد دہلی میں انہوں نے سب سے پہلے جامع مسجد علاقہ میں مشہور حاجی ہوٹل میں بہت دنوں تک قیام کیا۔ حاجی ہوٹل کے مالک حاجی میا فیاض الدین اور ان کے بڑے بھائی حاجی امیر دہلوی کی انہیں بڑی قربت حاصل تھی اور وہ دونوں حضرات بھی ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ظفر عدیم صاحب اس زمانے میں روزنامہ تیج، ماہنامہ بیسویں صدی، روبی، فلمی ستارے اور نیلو وغیرہ سے عرصہ دراز تک جڑ کر ان رسالوں میں اپنی گراں قدر تحریر کے ذریعہ چار چاند لگاتے رہے۔ جب ہفتہ روزہ 'اخبار نو' ترکمان گیٹ سے شروع ہوا تو ظفر عدیم صاحب اس کے لئے باضابطہ مضامین لکھنے لگے اور عرصہ دراز تک اخبار نو کیلئے کام کرتے رہے۔ اسی دوران ماہنامہ جرائم بھی شروع ہوا جس کے ایڈیٹر نازش انصاری مرحوم تھے۔ انہوں نے جرائم کے لئے بھی بہت سے مضامین لکھے اور ترجمے کئے۔ جرائم ہی کے ادارہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ نکہت گل کے لئے بھی انہوں نے کئی سلسلے وار ناول لکھے جو قسطوں میں شائع ہوتے رہے۔ ماہنامہ روبی اور بیسویں صدی کے مالک رحمٰن نیر مرحوم ظفر عدیم صاحب کی بے پناہ صلاحیتوں سے واقف تھے اور ظفر صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔

ہم وطن ہونے کے ناطے میرے تئیں ان کی شفقت و محبت بھی فطری تھی، علاوہ ازیں خردنوازی کی صفت بھی ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میرے مضامین اور افسانوں کو پڑھ کر برملا تبصرہ کرنیکے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ انتقال سے چند ایام قبل میں نے بہار اردو اکاڈمی کے ترجمان 'ماہنامہ زبان وادب' میں شائع اپنے دو افسانے، چمتکار کی آشا اور 'اس کی تمنا میں' انہیں پڑھنے کیلئے دیا۔ جب کئی روز گزر گئے اور کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے گمان کیا شاید وقت کی کمی کے سبب انہوں نے نظرانداز کر دیا، لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور ایک روز موبائل پر ان کا میسیج آیا۔

''جناب دونوں کہانیاں بہت پسند آئیں، سیاسی اور سماجی

حقائق کی بہترین ترجمانی کرتی ہیں۔اشاروں اشاروں میں بہت کچھ کہہ دیا ہے، یہ آپ کا کمال ہے۔شکریہ کہ آپ نے کہانیاں پڑھنے کا موقع دیا، میری طرف سے مبارکباد''۔

چھوٹوں کو آگے کرنے اوران کی حوصلہ افزائی میں عام طور پر کنجوسی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ کوئی خاص ہستی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اچھے اچھے اور اعلیٰ خصوصیت کے حامل لوگ بھی یہ حوصلہ نہیں رکھتے۔اسے ظفر عدیم کی خردنوازی ہی کہیں گے ورنہ مجھ جیسے معمولی لوگوں کو کون گھاس ڈالتا ہے۔مرحوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں دونوں طرح کی تحریریں لکھنے پر قدرت حاصل تھی، ایک بہت آسان زبان میں عام لوگوں کے لئے لکھا کرتے تھے جبکہ ان کی دوسری تحریر مشکل زبان میں خاص لوگوں کے لئے ہوتی تھی۔خاص طور پر شاعری میں ان کی مشکل پسندی عود کر آتی ،جس سے زبان وادب پر ظفر صاحب کی کماحقہ قدرت کا ثبوت ملتا ہے۔وہ مرزا غالب کو اپنا روحانی استاد تصور کرتے اوران کے قول کو قول فیصل سمجھتے تھے۔

بقول ڈاکٹر منظر اعجاز صاحب ظفر عدیم اور عبداللہ کمال مظفر پور کے دو ایسے تخلیقی جینئس ہیں جن کی تخلیق میں ایک نئی کائنات سانس لیتی ہے،اوروں سے الگ ہے انکا طرز اظہار اور انداز فکر، مظفر پور کی تخلیقی شناخت کے یہ دو روشن حوالے ہیں۔یہ بات سچ ہے کہ انہیں اپنے وطن سے پے پناہ محبت وانسیت تھی جس کا احساس جابجا انکی تحریروں میں ملتا ہے۔خود ظفر عدیم کہتے ہیں:

تھوڑی سی مٹی سے وفا،فرض کا پاس،امن کی چاہ
ان ہی جذبوں کو ملانے سے وطن بنتا ہے

ظفر عدیم کے کئی شعری مجموعے مثلاً بھینی بھینی مہک ، دیوان عدیم اور لالہ رخ، ناولوں میں 'پھول اور خوشبو،شوفر، یاسمین کے علاوہ 'ہر چہ بعد باد اباد جیسی معرکہ الاراء کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

انہوں نے بابائے قوم مہاتما گاندھی اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو اور دیگر کئی بڑے رہنماؤں کی انگریزی کتابوں کے تراجم بھی کیے ہیں۔'یاسمین' پرانہیں دہلی اردو اکاڈمی اور'لالہ رخ' پراتر پردیش اردو اکاڈمی سے اعزاز بھی مل چکا ہیں۔

مرحوم ظفر عدیم ان چند خوش نصیبوں میں تھے جنہیں مخلص احباب مقدر سے ملتے ہیں۔خوش اخلاق، ملنسار، انتہائی سنجیدہ ،علم دوست اور مرنجامرنج شخصیت کے مالک ہونے کے سبب بڑی تعداد میں انکے مخلص احباب نے آخری سفر تک حق دوستی نبھایا۔ بعد نماز عشاء اوکھلا کے بٹلہ ہاؤس قبرستان میں ان کی تدفین کے وقت اردو کی بہت سی نامور شخصیات موجود تھیں جن میں بزرگ شاعر قیصر سمستی پوری ،صحافی جلال الدین اسلم،بسمل عارفی ، ڈاکٹر ظفر انصاری،ڈاکٹر ابرار رحمانی ،مولانا رحمت اللہ فاروقی،سہیل انجم، نصرت ظہیر ،عبدالحئ خاں،عتیق صدیقی ،حقانی القاسمی ،ظفر انور شکر پوری،ڈاکٹر عبدالواسع ، یامین انصاری ،عبدالغفار،کفیل نعمانی محمد شمیم ہاشمی،افتخار احمد،ابونعمان قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سے احباب شامل تھے۔

'خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں'۔

یہ اس حی وقیوم کی مصلحت ہے جس کے رحم وکرم پر ہماری سانسیں چل رہی ہیں اور جس کی اجازت کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا کہ وہ ہم سے بہت جلد جدا ہوکر اپنے خالق سے جاملے۔ اس دعا کے ساتھ خراج عقیدت پیش کررہے ہیں کہ خدائے پاک اپنی جوار رحمت میں مدارج عالیہ سے سرفراز فرمائے۔آخر میں ان کا ایک شعر پیش ہے۔

لہجے کا گوشہ نطق کا پہلو اداس ہے
اک شخص کے نہ ہونے سے اردو اداس ہے

❁ ❁ ❁

تبصرہ

نام کتاب : فتاویٰ بسم اللہ (جلد اول)

(حضرت مولانا مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہ صاحبؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ)

حسب ہدایت وملاحظہ: مفتی عباس داؤد بسم اللہ صاحب

تخریج وتبویب: مفتی دبیر عالم قاسمی، مفتی اسماعیل سعید واڈی لاجپوری

زیر اہتمام : قاری اسماعیل بن حافظ داؤد بسم اللہ صاحب

صفحات : 510

قیمت : درج نہیں ہے

سن اشاعت : 2013

ناشر : جامعۃ القراءت، مولانا عبدالحئی نگر، مقام وپوسٹ: کفلیتہ، ضلع سورت، گجرات

تبصرہ نگار : مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

فتاویٰ بسم اللہ، مفتی اعظم برما و گجرات حضرت مولانا مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہ صاحبؒ (م:۱۹۵۹) سابق صدر مفتی و مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک گجرات کے ''مسلم گجرات فتاویٰ سنگرہ'' کا اردو ترجمہ ہے جسے ایک طویل عرصہ کے بعد منظر پر لانے کی سعادت حضرت مولانا مفتی عباس داؤد بسم اللہ صاحب، جو صاحب فتاویٰ کے حفید ہیں کو حاصل ہوئی۔ فتاویٰ بسم اللہ کی اشاعت حضرت مفتی عباس صاحب مدظلہ العالی کا ایک خواب تھا جو الحمد اللہ شرمندہ تعبیر ہوا۔ اس فتاویٰ کو گجرات کے مؤقر علماء ومفتیان کرام کی ٹیم نے بڑی عرق ریزی اور انتھک کوشش کے بعد مرتب کیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرات مرتبین نے کتاب کو مرتب کرتے وقت بہت زیادہ عرق ریزی سے کام لیا ہے، صرف صفحات بھرنے کا کام نہیں کیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ حضرت مفتی اسماعیل صاحبؒ کو گجراتی، اردو، فارسی اور عربی زبان پر مکمل عبور تھا، اس لئے ضرورت مند لوگوں نے جس زبان میں سوال پوچھا حضرت مفتی صاحبؒ نے

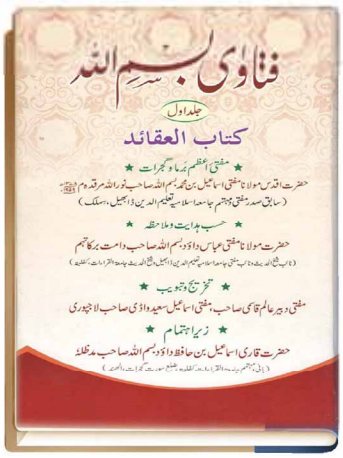

جواب اسی زبان میں تحریر فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ کے فتاویٰ کو ہر زمانے میں علماء و دانشوران نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی علمی حلقوں میں پذیرائی بھی ان کے شایان شان ہوئی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی سوانح میں ایک جگہ ذکر ہے کہ:

''ایک دفعہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آپ کا فتویٰ ملاحظہ کیا تو فرمایا ''اس آدمی کے فتاوے سے تفقہ کی بو آرہی ہے''

'فتاویٰ بسم اللہ' کی پہلی جلد ہمارے سامنے ہے جو ۵۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ہندوستان بالخصوص گجرات کے جید علماء کرام بالخصوص مفتی گجرات حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب اور مفکر گجرات حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی جیسے جید علماء کرام کے کتاب کی اشاعت پر کلمات تحسین وتأثرات شامل ہیں۔ جو بذات خود تمام کے تمام میرے نزدیک سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فتاویٰ کے اردو ایڈیشن کی طباعت پر مرتب اور ناشر کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب رقم طراز ہیں:

''آپؒ کے فتاویٰ گجرات کے مقبول اور مشہور ہفتہ وار جریدہ ''مسلم گجرات'' میں شائع ہوتے تھے، جس سے ملک اور بیرون ملک میں ہزاروں تشنگان علم کو سیرابی ہوتی رہی، کئی سال کی مدت تک مسلسل پابندی سے شائع ہونے والے یہ فتاوے علمی حلقوں میں قدر

کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے اور ہر طرف سے مطالبہ ہونے لگا کہ ان قیمتی فتاویٰ کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے 'مسلم گجرات' کے فاضل مدیر جناب سید عظیم الدین منادی صاحب نے انتخاب کر کے ''مسلم گجرات فتاویٰ سنگرہ'' کے نام سے گجراتی میں شائع کئے۔ شائقین نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ حضرت مفتی صاحب کے دیگر ہزاروں فتاویٰ کو بھی شائع کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ سعادت حضرت مفتی صاحب کے ہونہار اور فاضل پوتے مفتی عباس داؤد بسم اللہ صاحب سلمہ کے حصہ میں آئی''۔

'فتاویٰ بسم اللہ' کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں انسانی زندگی میں پیش آنے والے روزمرہ کے چھوٹے بڑے مسائل و اشکالات اور شک وشبہ کا تشفی بخش جواب دیا گیا ہے۔ مثلاً: خدا کی توہین کرنے والے کا شرعی حکم، غیر اللہ کو سجدہ کرنا، تعظیمی سجدہ کا حکم، قبر کے سامنے سجدہ کر کے دعا مانگنا، خواجہ نہ دیں گے تو پھر کون دے گا، کیا اجمیری دروازہ کا داخلہ جنت دلائے گا، غیر اللہ کیلئے منت ماننا، غیر اللہ کی نذر ماننا، کیا اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے، شریعت کی توہین کرنا، شگون، بدشگون کا عقیدہ، کسی کو کافر کہنے کا حکم، جوئے کو تجارت سمجھنا، قادیانی اسلام سے خارج ہے، اس کے علاوہ عقائد، رسالت، علم غیب، درود وسلام ومیلاد، انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام وغیرہ جیسے اہم دینی سوالات پر فتاوے شامل ہیں۔

اس لحاظ سے فتاویٰ بسم اللہ کا ہر گھر، ہر لائبریری، مدارس اسلامیہ ودیگر تعلیمی اداروں، خاص طور پر ائمہ مساجد اور مفتیان کرام کے پاس ہونا فائدہ سے خالی نہیں ہے، اور بطور خاص اردو داں حلقہ کیلئے۔

فتاویٰ کی زبان بالکل عام فہم ہے، اردو زبان سے معمولی واقفیت رکھنے والے قارئین بھی پڑھ کر استفادہ کر سکتے ہیں، مثال کے طور پر، صفحہ ۲۰۸ر پر ایک سوال ہے:

اگر کوئی پیر علماء دیوبند کو کافر کہے تو کیا ایسے پیر سے مرید ہونا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: علماء دیوبند کفر اللہ سوادھم چونکہ بفضلہ تعالیٰ فی زمانہ گروہ اہل حق میں سے ہیں اور ان کے عقائد حقہ کی تبلیغ ہونے کی وجہ سے موجودہ زمانہ کے تجارتی پیروں کو نقصان پہنچ رہا ہے، اس لئے ان کی طرف غلط سلط باتیں منسوب کر کے ان کو بدنام کرتے رہتے ہیں، ایسی جماعت دین حق کو جو پیر کافر کہے اسے خود اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے، کیوں کہ فقہاء احناف نے صراحتاً یہ حکم دیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے گا اس پر کفر عائد ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فتاویٰ بسم اللہ کی جلد اول عام طور سے توحید ورسالت اور عقائد کی تصحیح سے متعلق جوابات شامل ہیں، لیکن جو جوابات حضرت مفتی بسم اللہ صاحبؒ نے دیے ہیں ان میں غایت درجہ شرعی معاملات میں احتیاط، اسلاف کی علمی روایات کی قدر اور کتاب و سنت سے جوابات کو ہم آہنگ رکھنے میں بہت حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ فتاویٰ بسم اللہ کی دقت اور اہمیت کا اندازہ لگانے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے تحریر کردہ فتاویٰ کی تصحیح وتصویب اس دور کے اہم علماء اور مفتیان کرام نے کی ہے۔ جیسے حضرت مفتی ظفر احمد صاحب، حضرت مفتی احمد اشرف راندیری صاحب، حضرت مفتی ابراہیم صاحب، حضرت مفتی اسماعیل صاحب، حضرت مفتی احمداللہ صاحب (مبلغ جمعیۃ) حضرت مفتی عبدالغنی پشاوری صاحب، اور حضرت مفتی ابراہیم صاحب راندیری علیہم الرحمہ والرضوان جیسے جبل العلم اور اصحاب تقویٰ کے اسماء گرامی شامل ہیں، اور خاکم بدہن یہ ناچیز حضرت کے تحریر کردہ فتاویٰ پر کیا تبصرہ کر سکتا ہے، بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اہل علم اور ارباب افتا کیلئے دیگر فتاویٰ اکابر کی طرح یہ بھی علمی اور فقہی منارہ نور ہے۔

کتاب کا سرورق دیدہ زیب اور صفحات معیاری ہیں جو ناشر کے ذوق سلیم کی ترجمانی کرتے ہیں، جوابات کے ساتھ آخر میں اس کے مستند حوالے موجود ہیں، جس سے قاری کو مکمل اطمینان ہونا یقینی ہے۔ 'فتاویٰ بسم اللہ' مدارس، دینی حلقوں اور اعلیٰ جماعت کے طلبہ کرام کیلئے بیحد مفید ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فتاویٰ کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

❁ ❁ ❁

خصوصی پیشکش

گزشتہ چند سالوں سے 'برما' کے جو ناگفتہ بہ حالات ہیں اس نے وہاں کی پوری تاریخ بالخصوص مسلم تاریخ کو تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے، جو امت مسلمہ کیلئے نہایت ہی المناک ہے۔ معارف قاسم کے گزشتہ رمضان المبارک کے شمارہ میں بھی میں نے برما کے موجودہ حالات پر اسی خصوصی پیش کش کالم کے تحت ایک ضمیمہ شائع کیا تھا، جس میں برما میں مسلمانوں کی نسل کشی، عبادت گاہوں اور دینی مدارس کو نذر آتش کیے جانے اور خواتین و معصوم بچوں پر انسانیت سوز مظالم کی داستاں 'برمی حکومت کے دلخراش مظالم' کے نام سے مولانا محمد صدیق ارکانی صاحب کی تحریر کو من وعن شائع کیا تھا جسے قارئین اور ہمدردان ملت نے بہت پسند فرمایا۔

برما کی قدیم تاریخ اور وہاں کے علماء، دینی مدارس اور مذہبی علوم وفنون کی روشن تاریخ کو جاننے کیلئے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، کے ۱۹۵۶ء کے ''سفر برما'' کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے جو برما کی ماضی کی شاندار تاریخ کو بیان کرتا ہے۔ اس سفرنامہ کو خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف) جو حضرت مہتمم صاحبؒ کے اس تاریخی دورہ کے رفیق سفر تھے، نے مرتب فرمایا ہے۔ ہم بے حد ممنون ومشکور ہیں حضرت مولانا قاری یعقوب پٹیل فلاحی امام وخطیب جامع مسجد روسٹین برگ (جنوبی افریقہ) شاگرد رشید حضرت مولانا ابرار احمد دھولیویؒ استاذ حدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات، خلیفہ ومجاز حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند) جن کے توسط سے مذکورہ دونوں کتابچے مجھے دستیاب ہوئے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء''

میں نے اس کتابچے کو اس شمارہ میں اس لئے شامل اشاعت کیا ہے تاکہ برما کے اس عہد کا موجودہ حالات سے موازنہ کرنے میں آسانی ہو۔ مجھے امید ہے کہ معارف قاسم کی یہ دلچسپ پیش کش بھی قارئین کرام کو خوب خوب پسند آئے گی۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے تاریخی سفر برما کے دلچسپ واقعات

سفرنامہ برما

.....● از: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی

انتساب:

عالیجناب سیٹھ اسمٰعیل محمد باگیا صاحب باگیا اینڈ سنز رنگون کی دعوت پر ۱۹؍دسمبر ۱۹۵۶ء کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے برما کا سفر فرمایا۔ دارالعلوم دیوبند کی عالمگیر شہرت ومقبولیت اس کے علمی فیضان کی مرہون منت ہے۔ اہل برما کے ساتھ بھی دارالعلوم کا یہ علمی اور دینی علاقہ کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ نہایت قدیم ہے۔ جس کی سب سے بڑی دلیل دارالعلوم دیوبند کے وہ ہزاروں برمی علماء وفضلاء ہیں جو اسوقت رنگون، مانڈلے، مولمین، مکٹیلا اور اکیاب کے دور دراز علاقوں میں نہایت خاموشی کے ساتھ اسلاف کرام کے نقش قدم پر تعلیم وتدریس وغیرہ کے ذریعہ دینی رہبری فرمارہے ہیں۔

عالم اسلام کی اس عظیم مرکزی درسگاہ کے ساتھ جو مخلصانہ تعلق اہل برما کو ہے، باگیا صاحب کی دعوت اس کی تجدید وتوثیق کا ایک روشن بات تھی، میزبان محترم کی فیاضانہ میزبانی جہاں لائق صد تشکر ہے وہاں آپ کی دارالعلوم دیوبند کے حق میں بے لوث وشب وروز کی جدوجہد لائق صد ہزار تشکر ہے کہ جس سے دارالعلوم کے اخلاقی حلقہ اثر میں تاریخی وسعت پیدا ہوئی اور اسی کے ساتھ موصوف کی مساعی جمیلہ سے برما کے بافیض مسلمانوں نے دو لاکھ سے زائد کی گرانقدر رقم سے دارالعلوم کی خدمت فرمائی۔ یہ رقم برما سے واپسی کے چند ماہ بعد قانونی مراحل سے گزر کر دارالعلوم میں پہنچ گئی۔ ادھر کثرت کار کی بنا پر ترتیب سفرنامہ میں بھی قدرے تاخیر ہوئی اور حسن اتفاق کہ ترتیب سفرنامہ اور وصولیابی رقم قریب قریب زمانوں میں ہوئی، اسی تقریب زمانی کی مناسبت سے یہ سفرنامہ میں داعی محترم جناب اسمٰعیل باگیا صاحب کی خدمتمیں بصد خلوص وتشکر پیش کرتا ہوں۔ ع

''گر قبول افتد زہے عز و شرف''

(احقر) محمد سالم قاسمی دیوبند

سفرنامہ برما:

دارالعلوم دیوبند کی یہ ایک تاریخی صداقت ہے جس میں اس کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ کے اخلاص کامل کو حقیقت بیں نگاہیں فوراً پالیتی ہیں کہ اس کی مرکزیت کو اس کے یوم تاسیس سے ہی قلوب نے تسلیم کرلیا تھا، اور اس کا بہت ہی مختصر ترین وقت میں مفکرین نے زبان وقلم سے اعتراف کرلیا، اور یہ اعتراف ایک حقیقت کا اعتراف تھا، اس لئے آج تک اس عظیم درس گاہ کا مؤید من اللہ وقار ہمہ روز مائل بہ ترقی ہے اور اس کے بانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص مقبول کے طفیل یقین واثق ہے کہ مینارۂ نور ہمیشہ علم وہدایت کی ضیا پاشیوں سے گمراہی کی تاریکی کا پردہ فاش کرتا رہے گا۔ ع

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد!

''دارالعلوم دیوبند'' کی مرکزیت کو آج دلائل وشواہد کی ضرورت نہیں رہی لیکن اخلاص مند قلوب کو اپنے ''مرکز علم'' کی ہر کامرانی کی لذیذ حکایت سے دراز ہونے کے باوجود نا آشنا ذہنوں تک یہ حقائق مستقبل میں ان کے لئے راہ استفادہ ہموار کرتے ہیں، اس لئے حکیم الاسلام حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم کے تاریخی سفر برما کے جستہ جستہ واقعات نذر قارئین کئے جارہے ہیں، جو تاریخی حیثیت سے دارالعلوم کی بین الاقوامی مرکزیت پر نا قابل شکست دلیل بھی ہیں اور مسلمانان ''برما'' کے محسنانہ سلوک پر سپاس وشکر گزاری بھی۔

۲۲ر محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹ر اگست ۱۹۵۷ء بروز دوشنبہ ''دارالعلوم دیوبند'' کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہے جس میں مسلمانان برما کا مخلصانہ اور گرانقدر دو لاکھ روپے سے زائد کا عطیہ پانچ ماہ تک قانونی مراحل طے کرنے کے بعد دارالعلوم کو بصورت ڈرافٹ وصول ہوا۔ **فلله الحمد و المنة**۔ جس کے لئے دارالعلوم مسلمانان برما کے ساتھ ساتھ ''حکومت برما'' کا عموماً اور عالی جناب مسٹر اونو وزیر اعظم برما، اور مسٹر عبداللطیف صاحب وزیر عدل وانصاف حکومت برما کی خدمت میں ''نذارنہ تشکر'' کرتا ہے، اور دعاء گو ہے کہ ایشیا کا یہ نونہال ملک اپنے مخلص رہنماؤں کے زیر سایہ رہ کر ایشیا کے لئے باعث صد افتخار ہو۔

اس رقم خطیر کی یکمشت وصولیابی بھی تاریخی ہونے کے ساتھ وابستگان ومخلصین دارالعلوم کی مسرتوں میں ایک مستقل مسرت کا سبب بن رہی ہے اس لئے سفر برما کے اس کامیاب نتیجے کے موقعہ پر ہم یہ مختصر سفرنامہ پیش کرتے ہیں اور دعاء کرتے ہیں کہ علوم دینیہ کی اس عظیم دانش گاہ کی ہر ''آج'' اس کی ہر ''کل'' سے بہتر وفزوں تر ہو۔ آمین!

چار سال قبل ۱۹۵۲ء میں جناب اسمٰعیل محمد باگیا صاحب کا دعوت نامہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو برما سے موصول ہوا، جس میں موصوف نے نہایت اخلاص مندی سے مسلمانان برما کی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ آں محترم کی ذات گرامی سے جو ایک فیض عظیم آج ہندو پاک کے مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے وہ دلائل سے بالاتر ہے علم وعرفان کے ممتاز رہنماؤں سے جس قدر سرزمین ہندوستان بانصیب ہے اسی درجہ میں سرزمین برما ضرورت مند! اس لئے آں محترم قیمتی وقت کا ایک مختصر حصہ ہمیں عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ اور اس کے ساتھ ہی رنگون کی معزز خواتین کی جانب سے اہلیہ محترمہ حضرت مہتمم صاحب کو دعت دی گئی۔ اس دعوت کی محرک دراصل وہ خواتین تھیں کہ جو سنین گذشتہ میں آں محترمہ کے ساتھ سفر حج میں طویل عرصہ تک ساتھ رہ چکی تھیں، اور اسی وقت سے بذریعہ مراسلت اس دعوت کی تجدید وقتاً فوقتاً کرتی رہتی تھیں۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے حسب عادت اس طلب صادق پر لبیک فرمایا اور برما کا یہ سفر منظور فرمالیا۔ لیکن آج کی قانونی دنیا میں ان ''فائلوں'' کا پیٹ بھرنا ضروری ہے کہ جو کاغذی ہونے کے باوجود آہنی پردوں سے کم نہیں ہوتے۔ ''دارالعلوم دیوبند'' سیکولر ہندوستان میں اپنے روایتی طرز وانداز کے ساتھ تعلیم وتعلم کے مقدس کام میں مصروف ہے، اور یہ وہی دارالعلوم ہے کہ جس نے سب سے پہلے ہندوستانیوں کو گم شدہ دولت آزادی کی اہمیت وحقیقت بتلا کر طوق غلامی نکال ڈالنے کی ترغیب دی، اور اس راہ میں پیش آنے والے مصائب کو خوش دلی کے ساتھ جان پر کھیل جانے کا مقدس سبق دیا، شاملی کے میدان کے خوں آشام ذرے جنگ آزادی کی اولین قربان گاہ ہونے کی آج بھی شہادت دے رہے ہیں، مظفر نگر جیل کے قید وسلاسل آج بھی اعلاء کلمۃ الحق کے لئے ابھرنے والے ہاتھوں کو مجبوراً کریدنے پر خون کے آنسو رو رہے ہیں اور دیوبند کا ذرہ ذرہ آج بھی اس پر سر ابھار کر تاریخی سچائی کے ساتھ اس کا مدعی ہے کہ اس نے فرنگی استبداد اور رسمی اقتدار کو خاطر میں نہ لاکر آزادی کی اس روح اور فکر کی اس حریت کو دلوں میں زندہ وتابندہ رکھا، اس کے بزرگوں نے جان ومال کی گرانبار قیمتیں ادا کر کے آزادی کے تصور، حفاظت کی اور بخت ووقت نے جس لمحے میں اجازت دی اسی لمحے میں یہ دولت، امتیاز مذہب وملت ہندوستان کے ایثار پسندوں کو بانٹ دی گئی۔ یہ ہی

نہیں سفید فام چوروں کی ہوسناک نظروں سے بچا کر یہ قیمتی سرمایہ ''ریشمی رومال'' میں کر کے افغانستان پہنچایا گیا، اور حریت فکر کے ان مفلس سرمایہ دار امینوں کو فرنگیوں نے چور قرار دے کر عالم کی سب سے بڑی امن گاہ ''مکۂ مکرمہ'' میں بھی مأمون دیکھنا گوارا نہ کیا اور بالآخر بدانیش غیر ملکی سفید فام سوداگروں نے اپنی دانست میں ''مالٹا'' کو اس کا مدفن بنانے کی ٹھان لی، لیکن ساڑھے پانچ سال میں ان کے سامنے یہ تجربہ تلخ حقیقت بن کر سامنے آ گیا کہ فکر کے اس سرمایہ کو جتنا زیادہ دبایا گیا اتنا ہی یہ ہندوستان گیر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس آتشیں فکر نے جب جامہ عمل پہنا تو ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو روشن تر صبح کو خاک پاک ہند کے بینا سپوتوں نے فرنگیوں کو نابینا دیکھا۔

مستقبل کے مؤرخ کے قلم کے ساتھ اگر دیانت ہمرکاب رہتی تو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور دارالعلوم دیوبند کی حریت نواز تاریخ کے ذکر کے بغیر وہ اپنی کاوشوں پر نامکمل ہونے کا ایک واقعی الزام لینا ہرگز گوارا نہ کرے گا۔

''دارالعلوم دیوبند'' کی اس باعظمت تاریخ اور امن وسلام اور وطن دوستی کی اس بے مثال درس گاہ کے شاندار ماضی کے عملی اعتراف کے باوجود آپ یقین کریں یا نہ کریں مگر ایک حقیقت ہے کہ اسی محسن دارالعلوم کے ذمہ دار اعلیٰ حضرت مہتمم صاحب کی پاسپورٹ کی درخواست قانون کی پر پیچ اور طویل وادیوں سے گذرے بغیر نہ رہ سکی کیوں کہ آئین بہرحال آئین ہے، اگرچہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے غیر ملکی سفر ہمیشہ ہندوستان کے لئے باعث عزت رہے ہیں۔ خود حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ۱۹۲۹ء میں ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لئے افغانستان سے خراج عقیدت وصول کیا، اور ۱۹۳۴ء میں حجاز کے مرحوم بادشاہ سلطان ابن سعود رحمۃ اللہ علیہ کی ہندوستان کیلئے نیک تمنائیں ایک بلند مرتب ہندوستانی کی حیثیت سے حاصل کیں۔ آج برما کے باعزت شہری اسی مؤقر شخصیت کے واسطہ سے ہندوستان کے لئے اپنے خلوص ومحبت کا ہدیہ بھیجنا چاہتے ہیں، لیکن اس محبت کی قدردانی میں دفتری نظم باعث تاخیر بنا۔

وقت گذرتا چلا گیا، ایک دو تین چار سال گذر گئے، انٹرنیشنل پاسپورٹ کا مسئلہ صوبوں سے مرکز نے لے لیا، برما کے داعئ محترم اس عرصہ میں مسلسل اس سفر پر مصر رہے، پاسپورٹ کی جدوجہد کا از سرنو آغاز ہوا اور مہینوں کی مسلسل تگاپو دیوبند سے دہلی تک کے اَن گنت سفروں کے بعد وہ پاسپورٹ ملا کہ جو چار سال تک فائلوں کی گود میں سوتا رہا۔

بہرحال اس کشاکش بے سبب کے بعد ہی سہی پروانۂ راہداری مل گیا اور بیسویں صدی کا برقی کبوتر ہوا کے دوش پر یہ مژدۂ جانفزا لے کر آنکھ جھپکتے میں رنگون پہونچ گیا۔ ویزا کے مراحل طے ہوئے اور ۱۸/دسمبر ۱۹۵۶ء کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ بمعہ اہلیہ محترمہ عازم رنگون ہو گئے اور والدین محترمین کے شرف رفاقت کا قرعہ فال بنام راقم الحروف نکل آیا۔

اساتذہ ومتوسلین دارالعلوم اور اہل شہر نے دیوبند اسٹیشن پر نصرت وکامرانی کی مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ الوداع کہا۔ شب میں دہلی قیام کے بعد علی الصباح ''کالکا اکسپریس'' سے کلکتہ روانہ ہو گئے، اور ۲۰/دسمبر کو بخیریت یہ سفر پورا ہوا۔ ہاوڑہ اسٹیشن پر عالی جناب شیخ غلام رسول صاحب، مفتی محمد احمد صاحب اور دوسرے معززین موجود تھے۔ کلکتہ سے رنگون تک انتظام سفر شیخ غلام رسول صاحب کے سپرد تھا، حضرت مہتمم صاحب نے ہدایت فرمائی تھی کہ انتظام سفر بحری جہاز سے کیا جائے، کیونکہ حضرت موصوف کو طبعاً ہوائی جہاز کا سفر ناپسند ہے، لیکن کوشش کے باوجود بحری جہاز میں سیٹوں کا بکنگ نہ ہو سکا، اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ لے لئے گئے۔ ۲۲/دسمبر روانگی کے لئے طے ہوگئی، لیکن ۲۱/کو اچانک اطلاع ملی کہ بحری جہاز ''ایم، ایس، سانتھیا'' میں فرسٹ کلاس کی تین سیٹیں فارغ ہوگئیں۔ حاجی صاحب موصوف نے فوراً جدوجہد کر کے وہ ریزرو کرالیں اور اس طرح حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی اس خواہش کی تکمیل کا بھی حق تعالیٰ نے سامان فرما دیا۔

۲۶ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو یہ جہاز کلکتہ سے روانہ ہوا، اور پرسکون بحر ذخار میں سفر کو پر لطف بناتا ہوا ۲۹ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو ۳ر بجے بندرگاہ رنگون پر لنگر انداز ہوگیا۔ بندرگاہ پر داعی محترم مسٹر اسمٰعیل صاحب باگیا، یوسف صاحب باگیا، ایوب صاحب باگیا باوا صاحب، مولانا مفتی اسمٰعیل گورا صاحب، مولانا مفتی محمود داؤد یوسف صاحب ناظم دارالعلوم تانبو سے رنگون بمعہ طلبائے مدارس عربیہ اور شہر کے دیگر معززتجار وعلماء اور عوام کا مجمع عظیم موجود تھا، جہاز سے اتر کر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نیچے تشریف لائے تو فضاء ''حضرت مولانا محمد طیب صاحب زندہ باد!'' ''دارالعلوم دیوبند زندہ باد!'' کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی، پرتپاک و بااحترام استقبال کے ساتھ مخلصین کا یہ مجمع قیام گاہ تک لایا، باگیا فیملی کی مستورات بھی دیگر معززخواتین کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب کی اہلیہ محترمہ کے استقبال کے لئے گودی پر موجود تھیں، جو بالا بالا ان کو قیام گاہ پر لے گئیں، باگیا خاندان خصوصاً اور اہل رنگون عموماً حضرت مہتمم صاحب کی اس قدمرنجہ فرمائی پر نہایت مسرور وشاداں نظر آرہے تھے، صبح سے شام تک ہمہ وقت ایک مجمع مصروف استفادہ رہتا، میزبان محترم نے طویل سفر کی رعایت فرماتے ہوئے تین روز تک کوئی پروگرام نہیں رکھا، بلکہ مجالس مذاکرہ پر اکتفاء کو جاری رکھا، تین روز کے بعد پروگرام بنایا گیا، رنگون کی روایات کے مطابق ضروری تھا کہ ہر ہر اسٹریٹ میں روزانہ جلسہ ہو، اور ہر ہر اسٹریٹ کی جانب سے قبل از وقت دعوت نامہ موصول ہو چکے تھے، لیکن حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ بلافصل روزانہ تقریر نہیں کرسکوں گا، اور روزانہ بھی اگر ہو تب بھی ہر اسٹریٹ کی دعوت منظور کر لینے کی صورت میں تو قیام کے لئے پانچ ماہ بھی ناکافی ہوں گے، اس لئے تقریریں فصل سے رکھی جائیں، اسمٰعیل باگیا صاحب نے از راہ مہمان نوازی اس کو منظور فرمایا اور پروگرام یہ بنایا کہ ایک روز جلسہ عام ہو، اور ایک روز مجلس مذاکرہ ہے، جس میں لوگ اپنے علمی وفکری مسائل کا حل دریافت کریں۔

پروگرام کے مطابق تین روز بعد یکم جنوری ۱۹۵۷ء کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی اولین تقریر ''سورتی سنی جامع مسجد'' میں ہوئی، یہ پروگرام داعی محترم اسمٰعیل صاحب کی کوششوں کے باوجود طوالت سے نہ بچ سکا اور اوسطاً یومیہ تقریر کی رنگونی روایات غالب آکر رہیں۔

محمد سالم قاسمی

دارالعلوم دیوبند

یکم جنوری ۱۹۵۶ء: نماز عشاء کے بعد رنگون کے دیندار مسلمانوں کا ایک عظیم مجمع سورتی سنی جامع مسجد میں جمع ہوگیا اور ساڑھے نو بجے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے تقریر شروع فرمائی۔

یہ تقریر تمہید کے بعد ''عظمت نبوت'' اور ''عظمت انسانیت'' کے تمام گوشوں پر نہایت جامعیت ودل کشی کے ساتھ اڑھائی گھنٹے جاری رہی اور تشنہ علوم قلوب کے لئے ہر ہر لفظ آب حیات کا حقیقی مصداق بنتا رہا۔

۲ جنوری: کا دن پروگرام کے مطابق تقریر سے فارغ رہا، البتہ مجلس مذاکرہ صبح آٹھ سے بارہ بجے تک، اور رات کو ۹ر بجے سے ۱۱ر بجے تک جاری رہی اور مختلف پیچیدہ علمی مسائل اور اہلسنت والجماعت کے متفق علیہ مسلک سے علیحدہ بعض جدید نقطہ ہائے فکر زیر بحث آئے، جیسے انکار حجیت حدیث یا بعض غالی اہلحدیث حضرت کے اقوال سے پیدا ہونے والے شبہات پر لوگ سوالات کر کے جوابات حاصل کرتے رہے۔

۳ر جنوری: تیسرا روز ہے، جلسہ عام کا انتظام ''بنگالی مسجد سولی پگوڈا روڈ'' میں ہے، صبح کی مجلس مذاکرہ میں بعض حضرات نے درخواست کی کہ آج کے اجتماع میں حضرت ''حجیت حدیث'' کے موضوع پر ہی تقریر فرمائیں جسکو منظور فرمایا۔ ''بنگالی مسجد'' رنگون کی بڑی اور مرکزی مساجد میں سے

ایک ہے اور اس مسجد سے علمی طبقہ کی وابستگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ایک طویل عرصہ سے مفسر قرآن حضرت مولانا دین محمد صاحب ڈھاکوی فاضل دیوبند اپنے دل کش انداز میں درس قرآن دے رہے ہیں، اور فن تفسیر کا درس کچھ مولانا موصوف کے ساتھ اپنا لازم ہو گیا ہے کہ اگر اس کو موصوف کی فصل ممیّز کہہ دیا جائے تو غالباً بے جا نہ ہوگا۔ موصوف اس زمانہ میں ڈھاکہ گئے ہوئے تھے اوائل فروری میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی موجودگی ہی میں تشریف لے آئے تھے، اور قلبی محبت و مدارات کے ساتھ ملتے، اور آتے جاتے رہے۔

شب میں ۹ر بجے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ جلسہ گاہ پہنچے، مجمع عظیم محو انتظار تھا، تلاوت وغیرہ کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے ''حجیت حدیث'' کے موضوع پر جامع ترین تقریر فرما کر سامعین کو محظوظ و مطمئن فرمایا۔

۵ر جنوری: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ''مدرسہ مجیدیہ'' کا معائنہ فرمایا اور اس میں بعض طلبہ کا امتحان بھی لیا، اور اس کے کافی دیر بعد تک علمی مجلس جاری رہی، اور تعلیم کے ارتقائی منازل پر مبسوط تقریر فرمائی جس سے اراکین مجلس محظوظ بھی ہوئے اور مستفید بھی، اور قریباً اڑھائی گھنٹے اس میں صرف ہوئے۔

۶ر جنوری: بعد نماز عشاء ''پاکستان کنفکشنری'' کی دعوت پر فریزر اسٹریٹ میں حضرت مہتمم صاحب نے خطاب عام فرمایا جس میں اسلام کی حقیقت اور اس کے عناصر ترکیبی پر تفصیلی روشنی ڈالی، سامعین ہمہ تن گوش اور محو تھے، یہ معرکۃ الآراء تقریر تین گھنٹے جاری رہی۔

جلسہ کی صدارت عالی جناب مسٹر خلیل الرحمٰن صاحب سفیر پاکستان برائے برما نے فرمائی۔

احقر راقم الحروف اس جلسہ میں شریک نہیں ہو سکا کیوں کہ 'سریم' جانے کے طے شدہ پروگرام کے مطابق وہاں حاضری دینی تھی، سریم ''رنگون'' سے چند میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے، جو اہل رنگون کے لئے سیر گاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ پوری بستی سرسبز شاداب ہے، جانے کا راستہ صرف بحری ہے، اسٹیمر چلتے ہیں، احقر کو عالی جناب مسٹر اسمٰعیل لسنیا صاحب تاجر رنگون لے گئے اس قافلے میں بیس پچیس دیگر مقررین کو بھی موصوف نے مدعو کیا تھا۔ بالخصوص داعی محترم اور جناب مولوی محمد ایوب گوراباوا صاحب خطیب جامع مسجد مامسال کی خصوصی عنایت و کرم فرمائی رہی اور پورا سفر بڑی دلچسپی کے ساتھ گذرا۔ بعد ظہر داعی محترم کی فرمائش پر احقر نے تقریر کی اور نماز عصر کے بعد یہ پورا مجمع رنگون واپس آیا۔

۷ر جنوری: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی تشریف آوری کے بعد سے ہر ادارے کی یہ خواہش تھی کہ حضرت مہتمم صاحب وہاں ضرور تشریف لے جائیں۔ چنانچہ تمام مسلم اداروں میں حضرت مہتمم صاحب نے تشریف لے جا کر ان کی خواہش پوری کی۔

اسی ذیل میں آج آپ نے ''ذمہ دار ادارہ ڈاکٹر ملا محمد صاحب'' کی فرمائش پر مسلم فری ڈسپنسری کا تفصیلی معائنہ فرمایا۔ اس عظیم ادارے کو رنگون کے باخبر مسلمان تاجر بڑی فراخ حوصلگی کے ساتھ چلا رہے ہیں، لاکھوں روپے کی ضروریات یہ ہی حضرات پوری فرماتے ہیں، اس میں ہر قسم کا علاج معالجہ اونچے پیمانے پر ہوتا ہے، قیمتی مشینیں اور ضرور سامان اس میں مہیا ہے اور مختلف اس کے سیکشن ہیں، کہیں آنکھ کا علاج ہوتا ہے، کہیں دانت کا، مختلف اسپیشلسٹ مسلم ڈاکٹروں نے اپنی رضا کارانہ خدمات ڈسپنسری کو دے رکھی ہیں، اور خلق خدا کی اس خدمت سے وہ حضرات اپنی آخرت سنوار رہے۔ جزاہم اللہ۔

ہمارے میزبان محترم مسٹر اسمٰعیل باگیا صاحب بھی اس کے خصوصی اراکین میں ہے، اور دیگر اجتماعی خدمات کی طرح اس میں بھی پوری پوری دل چسپی لیتے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب نے معائنہ کے بعد کارکنان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔

جیسا کہ سابق میں بھی ذکر کر چکا ہوں کہ برما کے مسلم وزراء کی عوام و خواص سے یکساں بے تکلفی آج کے دور میں مثالی کہی جا سکتی

ہے، آج وزیر معدنیات حکومت برما عزت مآب مسٹر عبدالرشید صاحب بغرض ملاقات حضرت مہتمم صاحب کے پاس قیامگاہ پر تشریف لائے، موصوف ایک ذی ہوش و مدبر کی حیثیت سے اپنی اہم ذمہ داریوں اور اس میں پیش آنے والی الجھنوں کے بارے میں مختلف سوالات کے ذریعہ دینی رہنمائی حضرت مہتمم صاحب سے حاصل کرتے رہے۔

حق تعالیٰ ان صالحانہ جذبات وعمل میں برکت عطا فرمائے، آج کے دور میں یہ تو اور غنیمت ہی غنیمت ہیں۔

۸رجنوری: شب میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ۳۰راسٹریٹ میں تقریر فرمائی عوام کے بے تحاشا مجمع کا حقائق وعلوم سے گہرا تأثر چہروں سے ظاہر ہورہا تھا اور طلب صادق کا صحیح اندازہ وہیں ہوتا ہے کہ جہاں لوگوں کو مواقع کم میسر آتے ہیں۔

۹رجنوری: راقم الحروف کا مقصد رفاقت بامر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ یہ ہی تھا کہ عوامی اجتماعات میں بیانات کے تسلسل کی گرانباری میں فی الجملہ اور بقدر بساط فرومایہ ہلکا کرنے کا فرض انجام دے سکوں۔ چنانچہ آج ارکانی جامع مسجد رنگون کی جانب سے احقر کو دعوت نامہ موصول ہوا، اور بعد نماز عشاء احقر نے وہاں طالب علمانہ معروضات پیش کیں۔

دن میں ۱۰ربجے حضرت مہتمم مدظلہ مولانا المحترم ابراہیم احمد صاحب مظاہری، اور عزت مآب مسٹر عبدالرشید صاحب کی خصوصی دعوت پر ''زینت بوائز'' تشریف لے گئے، یہ علمی ادارہ وزیر موصوف کی حمایت اور مولانا مظاہری صاحب کے زیر قیادت برمی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ کا اہم فرض انجام دے رہا ہے۔ مولانا مظاہری کے علاوہ اس خدمت کی انجام دہی میں مولانا غازی ہاشم صاحب اور بعض دیگر علمائے کرام مصروف عمل ہیں، ترجمہ نہایت جانفشانی تحقیق اور اطمینان بخش طریقے پر کیا جارہا ہے۔ برمی زبان میں حقائق قرآنیہ کی صحیح تعبیر کے لئے چوں کہ الفاظ کی کمی ہے، اس لئے ان حضرات کو اپنے اوقات کا ایک بڑا حصہ وضع اصطلاحات میں لگانا پڑا، لیکن اس مرحلے سے فراغت کے بعد اب کام تیز رفتاری کے ساتھ جاری ہے، حق تعالیٰ ان حضرات کی مخلصانہ محنتوں کو نافع ومقبول فرمائے۔

ترجمہ کے ذیل میں جو علمی اشکالات پیدا ہوتے ہیں اوپر یہ حضرات پوری تحقیق کرتے ہیں، حضرت مہتمم صاحب کی تشریف آوری کے بعد ان حضرات نے بہت سے پیچیدہ مسائل میں حضرت موصوف سے استفادہ علمی فرمایا اور مطمئن ہوئے حضرت مہتمم صاحب بھی ان حضرات کی علمی کاوش وخدمت سے بیحد متأثر ہوئے وزیر موصوف اس دل چسپ علمی مجلس میں از اول تا آخر شریک رہے اور محظوظ ہوتے رہے۔

اس معائنہ کا دراصل مقصد ہی اشکالات تھا، داعی حضرات نے ایک مرتبہ پھر تشریف آوری کی حضرت مہتمم صاحب سے درخواست کی جسکو آپ نے بخوشی منظور فرمایا۔ لیکن کثرت مشاغل کی وجہ سے اس کا موقع پھر میسر نہ آسکا۔

۱۰رجنوری: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ''جماعت تبلیغ برما'' کی دعوت پر مجمع عام میں تقریر فرمائی، حضرت موصوف کی تقریر ''تبلیغ دین'' ہی کے موضوع پر ہوئی، جس میں آپ نے تبلیغ کی ضرورت، نتائج اور قرآنی طریقہ تبلیغ پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالی۔ دن میں دس بجے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ''راندیہ ہائی اسکول'' کا معائنہ فرمایا۔ یہ اسکول بھی دوسرے اسکولوں کی طرح دینی تعلیم کا پورا اہتمام کرتا ہے، اور اطمینان بخش طریقہ پر خدمت دین کررہا ہے، جناب احمد حسین مشہدی صاحب پرنسپل راندیہ ہائی اسکول نے حضرت مہتمم صاحب کی تشریف آوری پر شکریہ ادا فرمایا۔

۱۲رجنوری: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ۱۲۶، اسٹریٹ میں خطاب عام فرمایا، موضوع تقریر ''حقیقت ایمان'' تھا۔

دن میں آپ نے ''برما مسلم ہائی اسکول'' کا معائنہ فرمایا اور ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں چند قیمتی مشورے دئے۔

۱۳رجنوری: جن جذبات اخلاص کا ظہور ارباب اقتدار کی جانب سے متعدد بار ہوچکا ہے، ان ہی میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آج عزت مآب مسٹر

عبدالرشید صاحب وزیر معدنیات حکومت برما نے حضرت مہتمم صاحب کے اعزاز میں رنگون کے معزز شہریوں کو عظیم پیمانہ پر مدعو فرمایا، نماز مغرب حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے وزیر موصوف کے بنگلہ پر ادا فرمائی اور قرآن کریم کی نفلوں میں تلاوت کے معمول کو پورا فرمایا، اس کے بعد وزیر موصوف نے حاضرین سے حضرت مہتمم صاحب کی ملاقات وتعارف کا فرض انجام دیا۔ وزیر موصوف کی اس مہمان نوازی کے پورے کردار میں جو دینی روح کررہی تھی وہ ہر ہر قدم پر نمایاں نظر آرہی تھی، اور یہ ہی چیز درحقیقت اس پوری مجلس کی روح تھی جس سے ہر شخص اپنے قلب میں ایک ناقابل اظہار مسرت محسوس کررہا تھا، وزیر صاحب کی گراں قدر روایات میزبانی ناقابل فراموش ہیں۔

وزیر موصوف اصلاً ہندوستانی ہیں، آپ کا وطن الہ آباد یوپی ہے، آپ کے والد نے اولاً برما سکونت اختیار فرمائی، اور ہونہار صاحبزادے نے اس نئی وطینت کا اپنا گرانقدر ملی اور وطنی خدمات سے حق ادا فرمایا اور فرمارہے ہیں۔

۱۴رجنوری: دارالعلوم تانبوے رنگون کے ناظم عالی جناب مفتی محمود داؤد یوسف صاحب کی دعوت پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ مدرسہ میں تشریف لے گئے، جہاں طلبائے مدرسہ کو کپڑے تقسیم کئے گئے۔

وہاں سے واپس آکر آپ نے ''مدرسہ رونق الاسلام'' کا معائنہ فرمایا شب میں بعد نماز عشاء آپ نے ۲۹، اسٹریٹ میں تقریر فرمائی۔

۱۵رجنوری: مولانا ابراہیم صاحب مظاہری نے اپنے موقر اخبار ''دور جدید'' کے دفتر میں آنے کی حضرت مہتمم صاحب کو دعوت دی، جہاں چائے وغیرہ سے تواضع فرمانے کے بعد مولانا موصوف نے دفتر اور پریس دکھلایا۔ ''دور جدید'' برما میں واحد سنجیدہ مسلم اخبار ہے، جو اردو میں نکلتا ہے، جس میں مولانا مظاہری صاحب کے جدت طراز قلم سے نکھری ہوئی اردو میں وقت کے اہم سیاسی اور اجتماعی مسائل پر سنجیدہ مضامین نکلتے، اردو ادب کا بلند ترین مذاق شاید سرزمین برما میں مولانا مظاہری ہی کی خصوصیت ہے، شگفتہ وپرمزاح گفتگو، متین ووقیع انداز نگارش اور غیر دینی ماحول میں مسلک صحیح پر ادنی سے ادنی، اونچ نیچ گوارہ نہ کرنا مصوف کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

دور جدید کے ساتھ ایک ہفت روزہ ''استقلال'' بھی مولانا مظاہری صاحب کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا، جس کو اب آپ نے ایک ''دینی ماہنامے'' میں نئے مذاق کے مطابق تبدیل کردیا ہے، دور جدید سے عام مسلمانان برما کو علمی اور دینی فوائد کے علاوہ اکابر واردین و صادرین سے بھی استفادے کا موقعہ مل جاتا ہے، جس کی وجہ سے ہم نے برما کے ہر علاقہ میں مولانا کے لئے عوام میں جذبات ممنونیت پائے۔

۱۶رجنوری: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ''چائنا اسٹریٹ'' میں خطاب عام فرمایا جس میں راقم الحروف کسی وجہ سے شرکت نہ کرسکا۔

۱۸رجنوری: ''مغل اسٹریٹ'' کے باشندگان نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو عوامی جلسہ میں بعد نماز عشاء دعوت دی، جسے قبول فرمایا، اور شب میں تقریر ہوئی، جس میں تخلیق بنی آدم کے مقصد پر حکیمانہ انداز میں روشنی ڈالی۔

نماز ظہر کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق مجلس اصلاح نسواں رنگون کی جانب سے اہلیہ محترمہ مہتمم صاحب کے اعزاز میں خواتین رنگون کا عظیم الشان اجتماع ''برما مسلم ہائی اسکول'' میں منعقد ہوا۔

اس تاریخی اجتماع کی تفصیل جنرل سیکرٹری مجلس اصلاح نسواں محترمہ زکیہ خانم صاحبہ کی رپورٹ مطبوعہ ماہنامہ ''استقلال'' رنگون شمارہ فروری ۱۹۵۷ء سے بلفظہ ماخوذ ہے، جس کو تاریخ اور تسلسل بیان کی خاطر یہاں کی بجائے اخیر صفحات میں دیا جارہا ہے۔

۱۹رجنوری: دن میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے سورتی برادری رنگون کے ''مدرسہ نورالاسلام'' کا معائنہ فرمایا، اس مدرسہ میں زیادہ تعداد سورتی برادری ہی کے بچوں اور بچیوں کی ہے، حضرت مہتمم صاحب نے بعض بچوں کا امتحان لیا، اور اس کے بعد کچھ مناسب مشورے پیش فرمائے۔ مدرسہ میں

دینی تعلیم کو اہمیت حاصل ہے، اور ساتھ ہی معاشی علوم، اور مقامی زبان کی تعلیم بھی معتد بہ انداز میں دیجاتی ہے سورتی برادری کے ہر فرد کو اس درس گاہ سے وابستگی ہے، اور ہر ہر فرد اس کی ہر خدمت کے لئے کمر بستہ نظر آتا ہے، مسٹر اسمٰعیل باگیا صاحب بھی اس کے خصوصی ارکان ومعاونین میں ہیں۔

بعد نماز مغرب عالی جناب شیخ محمد بشیر صاحب مالک برما ربڑ فیکٹری نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے اعزاز میں نہایت بلند پیمانہ پر دعوت طعام دی، جس میں وزراء، امراء، تجار، عوامی رہنما اور تمام مسلم برادریوں کے معززین کو شاندار طریقہ پر مدعو کیا گیا۔ دعوت باغیچہ میں دی گئی، بجلی کے مختلف الالوان قمقموں سے باغیچہ کو بقعۂ نور بنایا گیا تھا، ساتھ ہی تقریر کے لئے دوسرے لان میں عمدہ پیمانے پر انتظام تھا، نماز مغرب اور معمولات سے فارغ ہوکر کھانا کھایا گیا، کھانے کی میزوں میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی میز پر تین کرسیاں لگائی گئیں، ایک حضرت قبلہ کی اور اس کے دوطرفہ وزراء کی، ایک جانب مسٹر عبداللطیف صاحب وزیر عدل وانصاف حکومت برما، اور دوسری جانب مسٹر عبدالرشید صاحب وزیر معدنیات حکومت برما، اول الذکر دیر سے تشریف لائے اس لئے حضرت ممدوح کا تخاطب وزیر صاحب معدنیات سے ہی رہا، اسی گفتگو میں دارالعلوم کی رقم چندہ کی منتقلی کی بنیاد پڑی، حضرت ممدوح نے وزیر صاحب سے فرمایا کہ اہل برما کے دلی جذبات دارالعلوم کی مالی خدمت کے لئے ابھرے ہوئے ہیں، انہوں نے رقوم کی فراہمی شروع کردی ہے، اور تیزی سے اس کام کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہوجائیں گے، اور دارالعلوم کی ایک بڑی خدمت ہوجائے گی لیکن ان خدمات کو کامیاب بنانا آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ چاہیں تو اس خدمت کو بے نتیجہ اور بے اثر بنادیں اور چاہیں تو نتیجہ خیز، اس پر ممدوح اک دم متوجہ ہوئے حضرت قبلہ نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اہم مسئلہ فراہمی رقوم کا نہیں بلکہ منتقلی رقوم کا ہے کہ وہ برما سے ہندوستان منتقل ہوجائیں، اور یہ بلاشبہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ (حضرت نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا) مجھے اس سے انکار نہیں کہ مصارف خیر برما میں بھی کافی ہیں اور یہاں کے غریب باشندے یہاں کی رقوم کے اولین مستحق بھی ہیں، مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ ملک کی رقم بہت حد تک ملک ہی میں رہنی چاہئے (یہ نظریہ چوں کہ یہاں کی حکومت کا بھی تھا اور پبلک کے عام سربرآوردہ لوگوں کا بھی، اس لئے اس کی رعایت سے مذکورہ جملے فرمائے گئے) لیکن میں سمجھتا ہوں اور جناب بھی غالباً یہی سمجھے ہونگے کہ دارالعلوم دیوبند جیسا مرکزی ادارہ اس سے مستثنیٰ ہونا چاہئے، کیونکہ شاخوں کی قوت مرکز ہی سے ہوتی ہے، اگر سرچشمہ خشک ہوجائے تو شاخوں میں تری باقی نہیں رہ سکتی، اس لئے ہر اس مقام کا جو اس مرکز سے کسی درجہ میں بھی مستفید ہو، ناگزیر فریضہ مرکز کی تقویت واعانت ہے۔ اسی لئے عامۂ مسلم حکومتوں نے بھی باوجود مذکورہ نظریہ رکھنے کے اپنی اعانتوں سے دارالعلوم کو فراموش نہیں کیا حالانکہ وہاں بھی اہل ضرورت کی کمی نہ تھی۔ افغانستان نے پچاس ہزار روپے سے اس کی امداد کی جبکہ میں کابل پہونچا۔ سعودی حکومت نے سلطان سعود کی تشریف آوری ہند پر دارالعلوم کو پچیس ہزار روپیہ کا عطیہ دیا۔ میری حاضری حجاز کے موقع پر مکہ مکرمہ کی پبلک کے بعض حساس لوگوں نے دارالعلوم کو پانچ ہزار روپیہ دیا۔ مصر کی حکومت نے سال گذشتہ دارالعلوم کو بیس ہزار روپیہ عنایت فرمایا۔ ترکی حکومت کے سلطان (رشاد خامس) نے اپنے دور خلافت میں دارالعلوم کو قیمتی کتابوں اور خرقۂ مبارک کے عطیہ سے نوازا نہ اس لئے کہ ان حکومتوں میں مستحقین نہ تھے بلکہ اس لئے کہ ایک علمی اور عرفانی مرکز جو پوری دنیائے اسلام کو علمی روشنی پہونچا رہا ہے ہر ہر جگہ کی اعانت کا براہ راست مستحق ہے کہ اس کی روشنی سے کوئی خطہ محروم نہیں ہے، آج برما کے علمی ادارے بلاشبہ برما کی اعانتوں کے مستحق ہیں لیکن جبکہ انہی علمی اداروں میں فیض رسانی کرنے والی شخصیتیں خود دارالعلوم اور اس کی شاخوں کے فضلاء کی ہیں تو اس صورت میں دارالعلوم کی اعانت درحقیقت ان مقامی اداروں ہی کی اعانت ہے ورنہ اگر مرکز کمزور ہوجائے اور وہیں فضلاء کی پیداوار بند ہوجائے تو فروعات کی زندگی ہی کب تک قائم رہ سکتی ہے؟ اس لئے مرکز کی اعانت میرے نزدیک اس نظریہ کے خلاف نہیں کہ

ملک کی رقم ملک ہی کے اداروں میں جائے جبکہ یہ ادارے مرکز ہی سے بنتے ہیں، اور اس کی سرسبزی سے سرسبز رہ سکتے ہیں اس لئے آپ اس نظریہ کے حامی رہتے ہوئے بھی مرکز کی اعانت سے دست کش نہیں ہو سکتے۔ اس پر وزیر موصوف صاحب نے متأثرانہ لہجے میں فرمایا کہ بلاشبہ میرے نزدیک بھی دارالعلوم بہرحال ہماری ہرا نت کا حق دار ہے اور میں منتقلی رقوم کے سلسلہ میں کوشش کروں گا۔ مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں مسٹر عبداللطیف صاحب وزیر عدل وانصاف سے بھی تذکرہ فرمالیا جائے۔

اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ان سے میں عرض کر چکا ہوں اور مکرر عرض کرونگا یہیں سے اس مسئلہ (منتقلی رقوم) کے حل ہونے کی بنیاد پڑی۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد داعی محترم شیخ محمد بشیر صاحب نے مخلصانہ انداز سے فرمائش کی کہ ہم حضرت کی زبان سے مسئلہ توحید کی حقیقت اور دارالعلوم کی تفصیلی تاریخ سننا چاہتے ہیں، پہلے سے یہ پروگرام اگر چہ حضرت قبلہ کے علم میں نہیں تھا۔ لیکن منظور فرمالیا، اور دونوں موضوعات پر نہایت جامع تقریر فرمائی، یہ پہلی تقریر تھی کہ جس نے باشندگان رنگون کو دارالعلوم کی عظمت سے واقف کیا، اس نئ حقیقت کے علم میں آنے سے ہر شخص مسرت وحیرت، اور دارالعلوم کے لئے جذبات عقیدت وعظمت لیکر رخصت ہوا۔ **فالحمد لله علی ذالک۔**

۲۰/جنوری: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے جناب مولانا مفتی محمود احمد صاحب سرپرست مدرسہ کی دعوت پر دارالعلوم تانبوے رنگون کے عظیم الشان اجتماع میں شرکت فرمائی جو حضرت مہتمم صاحب کے خیر مقدم میں دارالعلوم ہذا کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا، مدرسہ کا ہال اور برآمدے حاضرین سے پُر تھے۔ صبح ۵/بجے یہ جلسہ شروع ہوا۔ اجلاس کی صدارت جناب مولانا مفتی اسمٰعیل محمود گورا صاحب نے فرمائی، قرأۃ قرآن کریم کے بعد طلبہ نے ایک عربی ترانہ پڑھا۔ اس کے بعد بعض طلبہ نے عربی مکالمہ پیش کیا، اور پھر ایک عربی تقریر کی، بعد ازاں مولانا فضل اللہ صاحب مدرس دارالعلوم نے ایک تحریر جو تشکر وامتنان اور کوائف مدرسہ پر مشتمل تھی، پڑھی۔ اس کے بعد سرپرست مدرسہ کی جانب سے درج ذیل اشعار تہنیت پیش کئے گئے۔

گلہائے تہنیت

بعالی جناب حکیم الاسلام خطیب ملت حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحب مدظلہم العالی مہتمم اعلیٰ جامعہ عالیہ دارالعلوم دیوبند

(پیش کردہ: محمود داؤد یوسف (خادم جامعہ عربیہ دارالعلوم تانبوے رنگون))

اے میر کاروانِ حق اے حامل قرآں
تو ہے جہانِ علم و ہدایت کا اک نشاں
لیتا ہے تجھ سے درس زمانہ حیات کا
اب مٹ رہا ہے دم سے ترے جہل کا نشاں
حاصل ہے تجھ سے علم نبوت کو اب فروغ
سیراب تجھ سے رشد و ہدایت کے تشنگاں
انسانیت کو ناز ہے تیرے وجود پر
سنتی ہے خلق تجھ سے شرافت کی داستاں

محبوب تھانویؒ ہے تو اے مرد باخدا
آماجگاہ خلق رہا جن کا آستاں
اس قاسمِ علوم کا ورثہ تجھے ملا
جو تھا قلوب اہل معارف یہ حکمراں
کیونکہ نہ تیری مدحت بے لوث ہے عزیز
قائل ہے تیری عظمت و رفعت کا اک جہاں
تھی منتظر ورود سعادت کی یہ زمیں
آمد سے تیری ہوگئی ہمرنگِ آسماں
معمور فرّخی ہے فضاء لطیف آج
ارباب جامعہ بھی ہیں مسرور و شادماں
کرتا ہے رشک ہم پہ زمانہ اسی لئے
ہم میں ہے آج ایک خطیب سحربیاں
محمود کی دعاء ہے بہت پُرخلوص یہ
سایہ دراز تیرا کرے رب دو جہاں
ہر وقت ہوجہاں میں ترقی سے ہمکنار
اور نگاہ اہل خرد میں عظیم شاں
تجھ پر نوازشوں کی یہ بارش رہے مدام
تاحشر تیرے فیض سے سیراب ہو جہاں
ہوجائے ہر نفس تیرا اسلام کے لئے
حاصل ہو ہر قدم پہ رضائے خدائے جاں
رحمت خدا کی سایہ فگن تجھ پہ ہو مدام
سیراب تجھ سے ہوتی رہے خلق صبح و شام

اور پھر خود سرپرست صاحب نے مندرجہ ذیل نامۂ سپاس پیش فرمایا:

اعزازیہ

بعالی مرتب مفکر ملت، خطیب ملت حضرت علامہ حافظ قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی مہتمم اعلیٰ جامعہ عالیہ دارالعلوم دیوبند
ومولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدرس جامعہ مذکور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی قدر! آج اس مسرت زا موقع پر ہمارے قلوب فرحت وانبساط کے لطیف احساسات سے معمور ہیں کہ ہمیں دین محمدی کے مخلص و جاں سپار خادم فرزندان توحید کے ممدوح، ایشیا کے عظیم علمی و مذہبی دارالعلوم کے مہتمم، عاشق زار محمد، افکار اسلام کے بحر محیط، مجاز حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور امت مسلمہ کے ایک باوقار خطیب ادیب کو خوش آمدید کہنے کا زریں اور قابل فخر موقع میسر ہورہا ہے، یہ ہماری انتہائی سعادت نصیبی ہے کہ ہند کے ایک باوقار زعیم، اور ملت اسلامیہ کے ایک عظیم مفکر کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

جدّا اہلاً و سہلاً مرحبا خوش آمدید
گردنِ ماہست زیر بار احسانِ شما!

ترجمان ملت! ایک طویل عرصہ سے یہ آنکھیں ان نورانی صورتوں کے دیدار کے لئے مضطرب تھیں، بحمداللہ وہ روز سعید آپہونچا، آج ہماری بے چین نگاہیں ہند کے عظیم دینی رہنما کی دید سے فیض یاب ہورہی ہیں اور ہماری تمناؤں کی شاداب کلیاں مسکرارہی ہیں، اس وقت ہمارے قلوب کیف ونشاط کے وجد آفریں جذبات سے لبریز ہیں کہ ایشیا کی عظیم ملی درس گاہ کے مدیر اعلیٰ ہم میں تشریف فرما ہیں اور بزم رنگین کی نزہتیں ان پر نثار ہورہی ہیں۔

خطیب امت! ایشیا کے اس عظیم علمی و مذہبی دارالعلوم کے فیوض و برکات کا کون انکار کرسکتا ہے جس کے آپ مہتمم اعلیٰ ہیں، آج اس نیر ضوفشاں کی ضیا پاش کرنیں دنیا کے گوشے گوشے کو منور کررہی ہیں۔ ہمیں اس اعتراف پر ناز ہے کہ ہمارا دارالعلوم بھی اسی شجرہ طیبہ کے خوشہ چینوں میں سے ایک ہے جسے قاسم علم وعمل نے لگایا تھا، ہمیں کہنے دیجئے کہ دارالعلوم دیوبند کو بام عروج تک پہنچانے کے پس پشت آپ کی مخلصانہ دینی وعلمی کاوشیں نمایاں طور پر کارفرما رہی ہیں۔

مفکر ملت! ہمارا آپ کو خوش آمدید کہنا ان کہنہ اور فرسودہ روایات کا حامل نہیں ہے جن میں سے کسی بھی مہمان کو اس کی علمی، ادبی، سیاسی خدمات کے پیش نظر ایک عدد سپاس نامہ نذر کردیا جاتا ہے، بلکہ ہمارے اس ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے پس منظر خلوص ومودت کے وہ انمٹ، تعلقات کارفرما ہیں جو آپ کے اور اساتذہ جامعہ کے درمیان قائم ہیں۔

ہم قلبی اخلاص کے ساتھ مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کو بھی خوش آمدید کہتے ہیں جن کی علمی کاوشیں فرزندان ہند کو سیراب کررہی ہیں۔

اخیر میں ہم آنجناب اور مولانا محمد سالم صاحب کی اس تکلیف فرمائی پر بصمیم قلب ممنون وشکر گذار ہیں اور دعوات صالحہ کے متمنی۔

انتہائی خلوص قلب سے ہماری دعاء ہے کہ جناب اور جناب کے رفقاء دین ودنیا کی ترقیوں سے ہمیشہ ہمکنار ہوں، ہمارے اور آپ کے درمیان روابط قلبی اور روحانی میں اضافہ ہوتا رہے، اور فرزندان توحید تا ابد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ومنتفع ہوتے رہیں۔

''ایں دعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد''

(پیش کردہ: ادارۂ جامعہ عربیہ دارالعلوم تانبورے رنگون)

جس کے جواب میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے جوابی تقریر فرمائی جو تشکر وامتنان کے ساتھ مقصد علم اور منصب علماء کے اہم حقائق پر مشتمل تھی۔ یہ تقریر دو گھنٹے جاری رہی۔

شب میں سہ روزہ معمول کے مطابق شہری اجلاس عام ایڈورڈ اسٹریٹ میں منعقد ہوا۔ چونکہ آج دن میں بھی ایک طویل تقریر دارالعلوم تانبورے میں ہوچکی تھی اس لئے حضرت مہتمم صاحب نے ''ایمان کامل'' کے موضوع پر اور ایام کے مقابلہ میں بلحاظ وقت کم لیکن جامع اور

ماقل ودل تقریر ارشاد فرمائی، جوالحمدللہ، سامعین کے لئے نہایت ہی نشاط اور ایمانی فرحت کا سبب ثابت ہوئی۔ ۱۱/ بجے یہ اجلاس ختم ہوگیا۔

۲۱/جنوری: جناب حاجی غلام محمد صاحب (تاجر رنگون) اور رکن خصوصی جماعت تبلیغ کی دعوت پر حضرت مہتمم صاحب نے عورتوں کے خصوصی اجتماع کو بعد ظہر خطاب فرمایا۔ رنگون میں ویسے تو ہر اجتماع میں مستورات کے لئے انتظام ہوتا تھا لیکن مستورات کا صرف یہ پہلا ہی اجتماع تھا جس میں میمن اور سورتی برادری کی مستورات بہت بڑی تعداد میں جمع ہوئیں اور حضرت مہتمم صاحب کی دل نشیں تقریر سے ترقی ایمانی، اور جذبۂ عمل کا عظیم سرمایہ لیکر واپس ہوئیں۔ دوروز کی مسلسل اور بلا فصل تقریروں سے چوں کہ تعب ہوگیا تھا، اس لئے شب کے اجتماع عام منعقد بازار بلاک ۲۵/ اسٹریٹ میں تقریر کے لئے راقم الحروف کو امر فرمایا گیا جس کی تعمیل کی گئی۔ احقر کی تقریر کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے چند کلمات تبرکاً فرمائے اور پھر دعاء پر کارروائی جلسہ ختم کردی گئی۔

۲۲/جنوری: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ تقریر سے احتراز فرمانا چاہتے تھے لیکن محبین کے اصرار پر بہرحال آمادہ ہونا پڑا، اور کانڈوگلے اسٹریٹ میں اجلاس عام کو آپ نے خطاب فرمایا۔

آج رنگون میں قیام کا پچیسواں روز ہے۔ کل ۲۳/ سے بیرون رنگون کا سفر شروع ہوا رہا ہے۔ جس میں سب سے پہلے مانڈلے روانگی طے کی گئی ہے۔

''مانڈلے'' برما کا رنگون کے بعد دوسرا بڑا شہر ہے، اور رنگون سے قبل برما کی راجدھانی بھی مانڈلے ہی رہی ہے، راجائی دور کے آثار قدیمہ ابھی تک وہاں کھڑے ہوئے درس عبرت دے رہے ہیں، میلوں میں پھیلا ہوا قدیم شاہی قلعہ اپنی شکستہ دیواروں اور ویران محلات شاہی کے ساتھ دنیا کی بے ثباتی و بے دوامی کا دوامی ماتم کررہا ہے، قدیم بدھسٹ عبادت گاہوں کیلئے بھی یہ شہر مشہور ہے۔ بدھسٹ عبادت گاہیں جس کو برمی زبان میں ''پھیا'' اور انگلش میں ''پیگوڈا'' کہتے ہیں، یہاں قدم قدم پر نظر آتی ہیں، اور اسپر ح بدھ مذہب کا تارک الدنیا طبقہ جسے ''پھونگی'' کہتے ہیں یہاں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ پھونگیوں کا لباس زرد رنگ کا ہوتا ہے، ایک زرد لنگی باندھے ہوئے اور ایک زرد لنگی اوڑھے ہوئے یہ تارکین دنیا اس پلید دنیا کی ہر ''عبرت گاہ'' جیسے سنیما، تھیٹر، ہوٹل، رقص گاہوں، بازاروں، پارکوں، کلبوں وغیرہ میں یہ تعداد کثیر تشریف لے جاتے ہیں، اور نہیں کہا جاسکتا کہ روزانہ اور بلا ناغہ کی، ان عبرت پذیریوں سے ان کے قلوب کس قدر مصفّیٰ اور مزکّی ہوچکے ہوں گے۔ اور بالخصوص جبکہ ان کے روٹی کپڑے کا غم دنیا کی قوم کے ذمہ ہے اور قوم کی تفریحی مصیبتیں ان غریبوں کے ذمہ پڑی ہوئی ہیں۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

۲۳/جنوری:

مانڈلے کا سفر عالی جناب مفتی اسمٰعیل محمود صاحب فاضل دیوبند خطیب سورتی سنی جامع مسجد مانڈلے کی خصوصی دعوت پر ہوا۔ حضرت مہتمم صاحب نے اس سفر میں اہلیہ محترمہ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا لیکن مفتی صاحب موصوف مانڈلے سے ہوائی جہاز سے بذات خود تشریف لائے اور اہلیہ محترمہ کو ساتھ رکھنے پر اصرار فرمایا اور مانڈلے کی مستورات کی جانب سے عمومی دعوت پیش فرمائی، جس پر حضرت مہتمم صاحب تیار ہوگئے، رنگون سے صبح ۶/ بجے بذریعہ ریل مانڈلے کے لئے روانگی ہوئی۔

۲ کمپارٹمنٹ ریزور کرالئے گئے تھے، ایک میں حضرت مہتمم صاحب بمعہ اہلیہ محترمہ اور راقم الحروف تھے، اور دوسرے میں رفقاء سفر یعنی جناب مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری مفتی محمود داؤد یوسف صاحب، اسمٰعیل باگیا صاحب یوسف گوراصاحب تھے، رنگون سے مانڈلے کی مسافت قریباً ۴۵/ میل ہے لائن چھوٹی ہے اور ریل سست رفتا، اور مزید برآں یہ کہ رات کو باغیوں کی، ہلاکت خیز سرگرمیوں کی وجہ سے ریل نہیں

چل سکتی، اس لئے صبح چھے بجے رنگون سے چل کر گاڑی شام کو چھ بجے ''پمنا'' جنکشن پر رات بھر کھڑی رہتی ہے، اور صبح چھ بجے پھر چل کر شام کو ساڑھے چار بجے مانڈلے پہنچتی ہے۔ اس طرح یہ سفر اچھا خاصہ طویل سفر بن جاتا ہے۔ رفقاء سفر کی خوش مذاقی نے سفر کو کافی دلچسپ بنائے رکھا، بالخصوص مولانا مظاہری صاحب اس پورے سفر کی تمام تر دلچسپیوں کی روح رواں رہے اور برما کے مختلف علاقوں کی رنگ برنگی اردو کے نادر نمونے جب وہ اپنی شگفتہ مزاجی کے ساتھ پیش فرماتے ہیں تو مجلس زعفران زار بن جاتی ہے، مثلاً رنگونی اردو کا ایک نمونہ بطور نمونہ از خروارے ملاحظہ ہو، تذکیر و تانیث کے جھمیلوں اور حاضر و غائب کے فرق سے رنگونی اردو بری ہے۔ ایک ملاقاتی جب کسی دوسرے سے محض ملاقات کی غرض سے بلا کسی ضرورت کے جاتا ہے، تو صاحب خانہ اس سے استفسار کرتا ہے۔

صاحب خانہ: کیا واسطے آیا بھائی؟ آنے والا: بس کھالی کھالی آیا! صاحب خانہ: نہیں کا نیکو آیا؟ آنے والا: بس جھوٹ موٹ آیا ہے! اور جھوٹ موٹ پر صاحب خانہ مطمئن ہو جاتا ہے، جھوٹ موٹ کے ان معانی کی دریافت سرزمین برما کے علاوہ ہندوستان کے کسی علاقہ میں نہیں ہوسکتی۔ شام کو چھ بجے ''پمنا'' اسٹیشن پر مقامی مسلمانوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا چوں کہ پروگرام ''دورجدید'' میں بالتفصیل شائع ہو چکا تھا، اس لئے اس شب گذاری کی قیمت کے طور پر شہر میں جلسہ عام کا انتظام کرایا گیا تھا چنانچہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ تشریف لے گئے اور بعد نماز عشاء جامع مسجد پمنا میں آپ نے تقریر فرمائی۔ ۱۱ر بجے واپس اسٹیشن پہونچکر گاڑی میں آرام فرمایا۔

۲۴ر جنوری: شام ۴ر بجے مانڈلے پہونچے، یہاں حضرت مہتمم صاحب کے میزبان محترم عالی جناب سیٹھ موسیٰ بھیکو صاحب تھے، موصوف اپنی عالی حوصلگی اور دینداری کی وجہ سے علاقہ کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، چھ روز قیام میں آپ نے روایتی انداز میں حق میزبانی ادا فرمایا، اور اپنی بے تکلف و سادہ منشی اور دل چسپ انداز گفتگو سے بہت جلد سب کو اپنا گرویدہ بنالیا، نیز دارالعلوم کی مالی اعانت میں آپ نے سب سے پہلے اقدام فرما کر دوسروں کے لئے ایک اسوہ حسنہ قائم فرمایا جس کے نتائج نہایت کامیاب رہے۔

مانڈلے میں حضرت مہتمم صاحب کی اولین تقریر جامع مسجد سورتی میں ہوئی جس نے پورے شہر و اطراف میں ایک دینی چہل پہل پیدا کر دی، داعی محترم جناب مفتی اسمٰعیل صاحب مدظلہ اس مسجد میں خطیب ہیں، موصوف اس دور و دراز مقام پر ایک فاضل دارالعلوم دیوبند کی حیثیت سے بڑی پختگی کے ساتھ اکابر کے مسلک صحیح اور ان کی روایات صلاح کو تھامے ہوئے ہیں۔ جس کے طبعی نتیجہ کے طور پر مانڈلے اور اس کے اطراف کے لوگ مولانا موصوف سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔

مفتی صاحب موصوف نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مالی معاونت کے سلسلے میں جو شب روز لگ کر عظیم خدمات اس عرصہ میں انجام دیں وہ لائق صد ہزار تشکر ہیں۔ یہ موصوف ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ مانڈلے اور اطراف سے صرف چھ روز کے عرصہ میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی شخصیت سے عوام کی غیر معمولی وابستگی کو دیکھ کر دارالعلوم کی مالیات کے سلسلہ میں بروقت فائدہ اٹھاتے ہوئے اس علاقہ سے بیالیس ہزار روپیہ کی رقم جمع فرمائی۔ فجزاہم اللہ عنا احسن الجزاء

۲۵ر جنوری: مانڈلے کے قیام میں، قیام مختصر ہونے کی وجہ سے بلافصل ہر روز تقریریں ہوئیں، قیام کے اس اختصار ہی کی وجہ سے مفتی اسمٰعیل صاحب مدظلہ نے شہر کے صرف مرکزی مقامات ہی کا پروگرام مرتب و منظور فرمایا تھا۔ شہر کی مختلف نواح کی کثیر دعوتوں کو رد کر دینے کے باوجود حضرت مفتی صاحب وعدے کے باوجود درمیان کا کوئی دن فارغ نہ رکھ سکے، اور خود حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے بھی مفتی صاحب کی پرجوش مساعی کا احترام فرماتے ہوئے پروگرام میں ترمیم نہیں فرمائی، اور بلاناغہ تقریروں پر خلاف عادت آپ تیار ہوگئے، اطراف سے کثیر تعداد میں

آنے والے حضرات کی پرزور خواہش تھی کہ اپنے اپنے مقامات پر بھی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو لے جائیں لیکن قلت وقت کے باعث صرف چند مقامات کا جانا اس طرح طے ہوا کہ دن میں بذریعہ کار ان قریبی مقامات پر جانا ہوگا اور قبیل مغرب واپسی ہوجایا کرے گی۔ چنانچہ اپر برما کے درج ذیل شہروں میں اسی طرح جانا ہوا کہ صبح گئے اور شام کو واپس آ گئے۔

۲۶رجنوری:

سگائیں: یہ ایک غریب اور زلزلے سے تباہ حال بستی ہے، حضرت مدظلہ کی تشریف بری سے سے یہاں کے لوگوں میں ایک حوصلہ وامید پیدا ہوئی۔

میمیو: یہ اپر برما کا پہاڑی شہر ہے، نہایت سرسبز وشاداب پہاڑ ہے، اور آبادی نہایت قریب سے ہے، یوپی اور پنجاب کے کافی لوگ برمی شہری کی حیثیت سے آباد ہیں اور خوش حال ہیں۔ یہاں راقم الحروف کے سفر حج ۱۹۵۸ء کے برمی رفیق محمد اسمٰعیل اوبالے سٹی مجسٹریٹ سے ملاقات ہوگئی نہایت محبت ومدارات سے پیش آئے، لیکن ملاقات کے اس اختصار نے دونوں ہی کو متاثر کیا۔

۲۷رجنوری: چوکسے: یہ ایک مختصر سی بستی ہے، یہاں کے داعی جناب محمد حسین صاحب تھے جن کا بستی کے اعیان میں شمار ہوتا ہے، موصوف نہایت باخیر لوگوں میں سے ہیں، آپ کا اصل وطن صوبہ سرحد (پاکستان) تھا، لیکن وسائل معاش نے یہاں پہونچا دیا اور اب یہیں کے ہو رہے، اور بحمد للہ عزت وخوش حالی سے ہمکنار ہیں۔ اسی طرح اور بھی چند مقامات پر صبح سے شام تک سفر ہوا، لیکن ہر شب میں مانڈلے واپسی اور تقریر بلاناغہ رہی جس سے الحمد للہ ہر طبقہ متاثر بھی ہوا، اور ارباب دین کے لئے مستقبل کی اچھی توقعات بھی قائم ہوگئیں۔

۳۱رجنوری: صبح چھ بجے مانڈلے سے روانگی ہوئی، فرسٹ کلاس کے دو کمرے محفوظ تھے، جس کمرے میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے سفر فرمایا، اس کو محبتین نے رات بھر پھولوں سے سجایا اور شب بھر کی اس گلکاری سے ریل کے اس ڈبے کو باغ وبہار بنا رکھا تھا، سیٹوں پر، پنکھوں پر، اوپر کی برتھ پر، دروازوں پر غرض ہر سمت سے یہ ڈبہ پھولوں سے لدا ہوا تھا، ہوا کا ہر جھونکا ان پھولوں سے گذر کر شمیم محبت واخلاص سے روحوں کو خوش گام بنا رہا تھا۔

دن بھر سفر جاری رہا، چھ بجے سر شام حسب قاعدہ گاڑی ٹانگو اسٹیشن پر صبح تک کے لئے ٹھہر گئی، اہل شہر نے جامع مسجد میں جلسہ کا انتظام کر رکھا تھا، چنانچہ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں قفل لگا کر شہر چلے گئے، جلسہ سے فراغت کے بعد ۱۲ربجے آ کر گاڑی ہی میں آرام فرمایا۔

یکم رفروری:

یہ دن بھی سفر ہی میں گذرا، راستہ میں معلوم ہوا کہ رنگون سے چالیس میل ادھر شہر ''پیگو'' کا اسٹیشن باغیوں نے ڈائنا میٹ سے اڑا دیا ہے جس سے سب لوگوں کو زیادہ تشویش اس لئے ہوئی کہ اسی اسٹیشن سے گذر کر رنگون پہنچنا تھا جہاں چند گھنٹے لیٹ ہوجانے سے بعض اہم پروگراموں پر غیر معمولی اثر پڑسکتا تھا۔

مولانا مظاہری صاحب نے اس بارے میں تحقیق شروع کی، فون کیا بڑے عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ واقعہ تو صحیح ہے لیکن اتنا ہولناک نہیں ہے جتنا بتایا گیا، یعنی اسٹیشن کا ایک کمرہ اڑا دیا گیا ہے، اور چار آدمی اس حادثے میں ہلاک ہوئے جن میں ایک اسٹیشن ماسٹر بھی شامل تھا۔ ساڑھے تین بجے شام کو رنگون پہنچے، جہاں باگیا فیملی کے ممبران اور دیگر حضرات منتظر تھے۔

۲رفروری:

پروگرام کے مطابق ''مولمین'' جانا تھا، نماز صبح سے پہلے ۵/ بجے میزبان محترم اسمٰعیل باگیا صاحب اپنی موٹر میں لیکر ایرپورٹ روانہ ہوگئے، آدھ گھنٹے میں ہم لوگ رنگون کے جدید ترین خوبصورت ایرپورٹ پہونچ گئے، رخصت کرنے والوں میں باگیا فیملی کے تمام ممبر شامل تھے، ساتھ جانے والوں میں مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری جو اپنی باہمہ بے ہمہ فطرت کے لحاظ سے سراپا انجمن، ان کی اس قافلے میں شمولیت نے سفر کے لطف کو دوبالا کر رکھا تھا، مفتی محمود صاحب اسمٰعیل باگیا صاحب اور چند دیگر ممتاز حضرات تھے، ہوائی اڈے پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گذارا، اور پونے آٹھ بجے ہمارا جہاز مائل پرواز ہوا، ستر میل کی مسافت بیس منٹ میں طے کرنے کے بعد ''پیگو'' شہر سے آگے بڑھ کر اچانک جہاز کی ٹنکی سے تیل گرنا شروع ہوا۔ اس خطرناک صورت حال کو ہوشیار پائیلٹ نے فوراً بھانپ کر بلا تاخیر جہاز کا رُخ واپس رنگون موڑ دیا اور اس کے بعد بہت نرم لفظوں میں باہر نکل کر مسافروں کو اس کی اطلاع دی، صورت حال فی نفسہ خطرناک تھی، قدرتی طور پر لوگوں میں ہراس پیدا ہوا، لیکن بحمد للہ تھوڑی دیر کے بعد جہاز بخیریت رنگون ایئرپورٹ پر اتر گیا، زبان خلق نے عمومی طور پر اسکو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی عنداللہ کرامت شان پر محمول کیا۔ اولاً یقین دلایا گیا کہ جہاز نصف گھنٹہ میں ٹھیک ہوجائیگا اس کے بعد ایک گھنٹہ پھر ڈیڑھ گھنٹہ، غرض اسی طرح ساڑھے گیارہ بجے تک، حضرت مہتمم صاحب اور آپ کے رفقاء سفر نے انتظار کیا، اس دوران میں متعدد حضرات نے چاہا کہ واپس چلے چلیں، لیکن حضرت مہتمم صاحب ہر مرتبہ یہی فرماتے رہے کہ وعدے کی پابندی ضروری ہے مولمین کے حضرات کو ہم لوگوں کے نہ پہونچنے سے سخت اذیت ہوگی، اس لئے انتظار فرمائیے، یہاں تک کہ پونے بارہ بجے اعلان کیا گیا کہ جہاز اتنا بگڑ گیا ہے کہ وہ جانے کے قابل نہیں ہے اس لئے اُسے کینسل کر دیا گیا، اب مجبوراً واپس ہونا ہی پڑا، اور حضرت صاحب ''**الخیر فیما وقع**'' (جو ہوا بہتر ہوا) فرما کر عازم قیام گاہ ہوگئے۔ جیسے ہی لوگوں کو حضرت کی واپسی کی خبر ملی اور واقعہ معلوم ہوا، فوراً آنے شروع ہوگئے، اور حق تعالیٰ کے شکریہ کے بعد حضرت کو بخیریت واپسی پر مبارکباد پیش کی۔

اسی قدرتی مانع کے پیش آجانے پر اگرچہ نہ جانا غیر ارادی تھی، لیکن ''مولمین'' میں صبح ۵/ بجے سے اڑھائی ہزار کا بھوکا پیاسا مجمع عظیم دو بجے تک اسی آس میں ہوائی اڈے پر بیٹھا رہا کہ شاید کسی طیارے سے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی تشریف آوری ہوجائے اور ان کی مشتاق دیدنگاہیں زیارت سے مشرف ہوجائیں۔ لیکن ''وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے''۔ ادھر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ جہاز کے ٹھیک ہوجانے کی امید پر بارہ بجے تک زحمت انتظار فرماتے رہے، لیکن جب یہ اعلان ہوگیا کہ آج جہاز نہیں جائے گا تب بادل نخواستہ اور مولمین کے حضرات کی اس تکلیف پر غیر معمولی طور پر متاثر واپس قیام گاہ تشریف لائے، جہاز کے کینسل ہوجانے کی اطلاع مولمین ۲/ بجے دی گئی، تب وہاں کا مجمع انتہائی تاسف کے ساتھ واپس ہوا، جس میں ہائی کمشنر، اور کلکٹر ضلع، دیگر سرکاری مسلم افسران، عوامی غیر مسلم نمائندے اور بلاتخصیص مذہب عوام سب ہی شریک تھے، مولمین کے داعی جناب حافظ محمد حسین صاحب کا تار ملا کہ ''مولمین'' کی تاریخ میں اتنا بڑا غیر معمولی مجمع ایرپورٹ پر کبھی نہیں ہوا، ڈیڑھ سو موٹر کاروں پر جلوس نکالنے کا پروگرام تھا، جو تمام ہوائی اڈے پر آچکی تھیں، اور کوئی ممتاز شہری ایسا نہ تھا کہ جو ہوائی اڈے پر نہ پہنچ گیا ہو، ڈیڑھ سو میل کی دریائی مسافتیں طے کر کے لوگ شرکت کے لئے آئے تھے، سرکاری آفیسران دوسرے شہروں سے ہوائی جہاز سے استقبال کے لئے پہنچ چکے تھے، لیکن اللہ کا ارادہ سب کے ارادوں پر غالب ہے، اب درخواست ہے کہ مولمین کے لئے کوئی دوسری تاریخ دی جائے، حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے یہی فرمایا کہ جس طرح بھی ممکن ہوگا ایک روز کے لئے آپ کے یہاں حاضر ہوں گا، اور میں خود انتہائی متاسف ہوں، یہ مضمون بذریعہ خط مولمین روانہ کیا گیا۔

۶/فروری: بعد نماز مغرب جناب مسٹر عبداللطیف صاحب وزیر عدل حکومت برما (برمی نام او کھے ماؤں لا) قیام گاہ پر تشریف لائے، آپ نے

حضرت قبلہ سے درخواست کی کہ برما میں جو علماء و بزرگ آتے ہیں وہ بڑے بڑے شہروں ہی سے واپس ہو جاتے ہیں، ڈیلٹا کے چھوٹے شہروں میں کوئی نہیں جاتا، وہاں کے لوگ ہم سے اس کی شکایت کرتے ہیں، اس لئے آپ براہ کرم میرے ہمراہ پانچ روز دورہ ڈیلٹا کا کریں، یہ سفر میرے سرکاری اسٹیمر میں ہوگا، اس لئے انشاء اللہ راحت و آرام، اور تفریح کے ساتھ ہوگا، حضرت قبلہ نے اس پیشکش کو قبول فرمایا، اور پروگرام یہ طے ہوا کہ ۷ر کی صبح کو لطیف صاحب کے ہمراہ ان کے اسٹیمر سے ڈیلٹا کا دورہ ہو، اور ۱۲ر کو رنگون واپسی، پھر ۱۳ر کی صبح بذریعہ طیارہ ''مولمین'' جائیں جس میں لطیف صاحب بھی شریک سفر ہوں گے، وہاں سے ۱۵ر کو طیارے ہی سے واپسی رنگون ہوگی، پھر ۱۶ر کو طیارے ہی سے اکیاب جائیں، اور ۱۸ر کو واپس پھر رنگون آئیں گے۔

سلیمان مدھا صاحب نے حضرت قبلہ کے اعزاز میں ایک شاندار ڈنر دیا، ۸ر بجے شب کو رنگون کے ممتاز علماء اور تجار کے علاوہ مسٹر عبداللطیف صاحب وزیر معدنیات حکومت برما نے شرکت فرمائی۔ پونے نو پر باگیا صاحب واپس قیام گاہ پر لے آئے، بعد نماز عشاء حسب معمول علمی مجلس ہوئی، جو ۱۱ر بجے تک جاری رہی۔

۷ر فروری: روداد سفر ڈیلٹا (برما)

۴ر بجے صبح اٹھ ہم نے تیاری سفر کی، اور ۵ر بجے موٹر سے بندرگاہ پہنچ گئے اسی وقت وزیر صاحب موصوف بھی پہونچ گئے، موٹر لانچ میں سوار ہوئے، حفاظتی انتظامات سرکاری طور کئے جا چکے تھے اور باضابطہ مختلف مقامات پر وائرلیس سے اطلاعات بھی دی جا چکی تھیں اور برابر دی جارہی تھیں، یہ دو منزلہ نہایت خوبصورت اور محفوظ ترین لانچ تھی، وزیر صاحب موصوف نے اپنا خاص کمرہ حضرت قبلہ کو دیا اور خود نیچے کی منزل میں رہے، نماز فجر لانچ میں ہی پڑھی، یہ منظر نہایت روح پرور تھا کہ وزیر صاحب موصوف بذات خود نماز کے اہتمام میں مشغول تھے، صفیں وغیرہ خود بچھائیں، نماز کے بعد ناشتہ کیا گیا، اور پھر سب لوگ اپنے کمروں میں چلے گئے، راقم الحروف کا کمرہ وزیر صاحب کے کمرے سے متصل تھا۔ اور اس سے متصل مولانا مظاہری تھے بعض احباب اور اوپر آرام فرما رہے تھے، رفقاء سفر جناب عبداللطیف، مولانا نور محمد صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، قاری احسن صاحب، برادر وزیر موصوف صاحب اور چند دیگر احباب تھے۔ ۹ر بجے اسٹیمر ''مئوبن'' پہنچا، یہ ضلع کا صدر مقام ہے، یہاں وائرلیس کی اطلاع پر حضرت قبلہ اور وزیر صاحب کے استقبال کے لئے کلکٹر ضلع اور سٹی مجسٹریٹ اور دیگر ملٹری آفیسر اور معزز اہل شہر نے اسٹیمر پر آکر خوش آمدید کہا، بیس منٹ بعد یہ لوگ رخصت ہوئے اور پھر اسٹیمر روانہ ہوا، ۲ر بجے مقام ''واکھیما ضلع میاؤں'' پہنچے، یہاں کے حضرات نے بھی پرجوش استقبال کیا، یہاں جہاز سے اترے اور شہر میں نماز ظہر مسجد میں ادا کی، نماز کے بعد مقامی جمع شدہ حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے انکے سربراہ نے کہا کہ حضرت مہتمم صاحب کی تشریف آوری ہماری خوش قسمتی ہے ورنہ اس غیر معروف بستی میں ہمیں کبھی اس کا تصور بھی نہ ہوتا تھا کہ ہم حضرت کی زیارت سے مشرف ہوسکیں گے، یہ وزیر صاحب موصوف کا کرم اور مولانا مظاہری کی عنایت ہے، مقرر نے مزید کہا کہ ۳ر فروری ۱۹۵۷ء کو مولمین جاتے ہوئے حضرت کا ہوائی جہاز بگڑ گیا یہ حضرت کی کرامت کی دلیل ہے، کہ تیل ٹپکنے کے باوجود بخیریت رنگون پہونچ گیا ورنہ ایسے میں حادثہ یقینی ہوتا ہے۔ الحمدللہ علی ذالک

اس کے بعد لوگوں نے حضرت مہتمم صاحب سے اپنے یہاں کے لئے وقت کا مطالبہ کیا جس پر وزیر صاحب نے واپسی میں ۱۰ر کے ضروری چند گھنٹے دئے، راستے میں ایک ہوٹل میں چائے پلائی گئی، اس کے بعد پھر ۳ر بجے اسٹیمر میں سوار ہوئے، مقامی ایک بڑا مجمع رخصت کرنے کے لئے گودی پر آیا، اسٹیمر روانہ ہوا، اور راستے میں پھر حسب سابق حفاظتی گشتی جہازوں نے چاروں طرف گھومنا شروع کر دیا، یہ تماشہ

بذات خود ایک دلفریب منظر پیش کررہا تھا، جس سے برآمدے میں بیٹھے ہوئے سب حضرات لطف اندوز ہورہے تھے، اور مسٹر عبداللطیف بے حد مسرور اور خوش نظر آرہے تھے۔

شام کو ۵/بجے ہم لوگ ''میاؤں میا'' پہنچے، یہ ایک کھلا ہوا سرسبز وشاداب شہر ہے اور ضلع کا صدر مقام ہے، گودی پر عمائدین شہر اور سرکاری افسران کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، جنہوں نے ہار پھول پہنا کر حضرت مہتمم صاحب کا استقبال کیا۔ ''میاؤں میا'' وزیر موصوف کا وطن بھی ہے، یہاں ان کے والد صاحب اور بھائی صاحبان رہتے ہیں، قیام سرکاری ڈاک بنگلہ پر ہوا، نماز عصر جامع مسجد میں پڑھی، اور پھر قیام گاہ پر چند منٹ ٹھہر کر وزیر موصوف کے مکان پر تشریف لے گئے وزیر موصوف کے والد محترم نے حضرت مہتمم صاحب کو خوش آمدید کہا، اور فرط مسرت سے آبدیدہ ہوگئے، یہ خاندان ہندوستانی الاصل ہے فیض آباد کا رہنے والا ہے، اس لئے اردو صاف بولتے ہیں، رات کا کھانا یہیں کھایا، قبل عشاء قیام گاہ پر آگئے اور طے ہوا کہ ۹/تاریخ کو یہاں اجتماع ہوگا اور حضرت مہتمم صاحب بسین سے واپسی میں یہاں خطاب فرمائیں گے، اگرچہ انتظام آج بھی تھا، لیکن طویل سفر کے باعث آج کی شرکت جلسہ سے حضرت قبلہ نے معذرت فرمائی، اور وزیر موصوف کے فرمانے پر احقر راقم الحروف نے اس جلسہ میں تقریر کی۔ علی الصبح پھر یہ قافلہ اسٹیمر پر سوار ہوگیا اور عازم ''بسین'' ہوگیا۔ کیونکہ نماز جمعہ وہیں ادا کرنی تھی۔

۸/فروری: صبح سات بجے یہ خوبصورت اسٹیمر یا بقول مولانا مظاہری ''دریائی گھوڑا'' اپنی دریائی رفتاری کے ساتھ ''بسین'' کی جانب روانہ ہوگیا، ساڑھے دس بجے ''بسین'' کے کنارے لگا، یہاں متعدد ممبران پارلیمنٹ ''پھاساپالا (برسراقتدار پارٹی) کے ممتاز رہنما اور دیگر عمائدین تجار اور علماء نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کا پرتپاک استقبال کیا، جن سے مسٹر عبداللطیف صاحب وزیر تعارف کراتے رہے، اسٹیمر سے اتر کر حضرت مدظلہ کو بمع رفقاء سرکٹ ہاؤس (قیام گاہ) لے جایا گیا، یہ لکڑی کی بنی ہوی نہایت خوبصورت دومنزلہ عمارت ہے، بڑے ہال میں حضرت مہتمم صاحب، مولانا مظاہری ابراہیم احمد صاحب اور راقم الحروف قیام پذیر ہوئے اور برابر کے کمرے میں رنگون کے میزبان محترم مسٹر اسمٰعیل باگیا صاحب، جناب یعقوب صاحب (تاجر رنگون) قاری محمد احسن صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدرس دارالعلوم تانبوے رنگون، مولانا نور محمد صاحب ممبر اسلامک کونسل ٹھیرے اور اس سے متصل کمرے میں خود وزیر موصوف کا قیام تھا، بارہ بجے تک مختلف حضرات، حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کے لئے آتے رہے، اور مختلف علمی مسائل پر گفتگو رہی، نماز جمعہ حضرت مہتمم صاحب نے جامع مسجد بسین میں پڑھائی وقفۂ آرام کے بعد ۴/بجے تکونی جھیل کے کنارے وزیر صاحب کی جانب سے چائے کا انتظام کیا گیا، یہ ایک طویل وعریض تالاب ہے، اس کے کنارے پر دومنزلہ ہوٹل ہے، تالاب کے اوپر سے ایک پُل بنایا گیا ہے اور وسط میں برآمدہ ہے، جس میں سیٹیں بچھی ہوئی ہیں، یہاں دیر تک اس ''تجری من تحتها الانهار'' کے دلکش منظر سے یہ قافلہ محظوظ ہوتا رہا۔ اس مادی کیف کے بعد وہ وقت آگیا کہ جہاں شہر کا ایک بڑا مجمع بنگالی جامع مسجد میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے پیچھے نماز مغرب پڑھنے، اور روحانی کیف کے حصول کے لئے منتظر تھا، عشاء کی نماز کے بعد جامع مسجد میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ایک عظیم مجمع کو خطاب فرمایا جس میں آپ نے ''ایمان واعتقادات'' کی شرعی حیثیت پر ایک جامع تقریر ارشاد فرمائی، آپ نے فرمایا کہ انسانی فطرت میں تین سوال پیدا ہوتے ہیں، ایک ''مبدأ'' سے متعلق یعنی وہ کہاں سے آیا ہے؟ دوسرے ''معاد'' سے متعلق کہ وہ کہاں جائے گا؟ تیسرے ''نبوات'' سے متعلق کہ وہاں تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے، شریعت اسلام نے ان ہی تینوں مسائل کا شافی حل فرمایا ہے، مذکورہ تینوں عنوانات پر دو گھنٹے سیر حاصل بحث دلنشیں اور عام فہم اپنے مخصوص انداز میں فرمائی، اور اس عنوان کے تحت آپ نے مقامی طور پر جو اعتقادی گمراہیاں پھیلی ہوئی تھیں ان کی اصلاح فرمائی جس کا مقامی حضرات نے توقع سے زیادہ اثر لیا، جلسہ کے آغاز میں مسٹر

عبداللطیف صاحب وزیر عدل نے برمی زبان میں حضرت مہتمم صاحب اور ''دارالعلوم دیوبند'' کا وقیع الفاظ میں تعارف کرایا، جس میں حضرت مدظلہ کی شیریں بیانی، وسعت علم ونظر اور دارالعلوم کی تاریخی عظمت وخدمات کا ذکر کیا۔

یہ بات ہم سب کے لئے اس سفر میں انتہائی مسرت کا باعث رہی کہ وزیر موصوف نہ صرف دینی رجحانات ہی رکھتے ہیں بلکہ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ عملاً بھی بغیر کسی احساس برتری کے کسی ادنیٰ خدمت میں بے تکلف لگ جاتے ہیں، اسٹیمر میں سب لوگوں کی وضوء وغیرہ کا انتظام، نماز کے لئے صفوں کا خود بچھانا اور اٹھانا، مجلس وعظ میں دو گھنٹے تک تمام لوگوں میں مل جل کر بیٹھنا، دینی مکاتب کی بقاء، ترقی اور قیام کے سلسلہ میں بلا کسی اطلاع کے معمولی طریقہ پر خود بخود مکات میں پہونچ جانا، عوام سے ایک بے تکلف بھائی کی طرح ملنا، اس منصب رفیع کے ساتھ دور حاضر میں ایک نادر چیز اور بساغنیمت طرز زندگی ہے، اور یہ ہی بے تکلف معاشرت، احکام دین کی پاسداری اور دینی سلسلوں سے ذاتی دلچسپی اور عملی جدوجہد ہم نے دوسرے مسلم وزیر عزت مآب مسٹر عبدالرشید صاحب وزیر معدنیات حکومت برما میں پاکر قلبی مسرت محسوس کی۔ مسلم ممالک کے مدعیان اسلام، وزراء اور ارباب حکومت بھی ایک غیر مسلم حکومت کے مسلم وزراء کے طرز عمل سے کوئی سبق لے سکتے، اور ان کو بھی اپنی غیر اسلامی زندگی پر نظر ثانی کرنے کی توفیق ہوتی، شب کو آرام کے بعد صبح ۵/ بجے پھر یہ قافلہ واپس میاؤں میا کو روانہ ہوا۔

۹/فروری: صبح پانچ بجے نماز سے فارغ ہوکر پھر اسٹیمر پر آگئے، دس منٹ بعد وزیر موصوف بھی پہونچ گئے اور اسٹیمر واپس ''میاؤں میا'' کی جانب روانہ ہوگیا، یہاں آج شب میں ایک جلسہ عام کو حضرت مہتمم صاحب خطاب فرمائیں گے، دوران سفر میں حسب عادت حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کا سلسلۂ تصنیف جاری ہے، ساڑھے دس بجے اسٹیمر ''میاؤں میا'' پہونچا، گودی پر وزیر صاحب کے بھائی محمود خاں صاحب حنیف خاں صاحب (جو ممبر پارلیمنٹ بھی ہیں) اور دوسرے سرکاری افسران ومعززین شہر موجود تھے، قیام گاہ ڈاک بنگلہ پر پہونچے، دوپہر کو دعوت طعام شہر کے ایک معزز تاجر صاحب کے یہاں پہلے سے وزیر صاحب نے منظور کررکھی تھی، نماز ظہر کے بعد کچھ دیر آرام کیا، ۳/ بجے وزیر صاحب موصوف نے فرمایا، کہ اس شہر سے دو میل کے فاصلہ پر برما کی ایک مشہور قوم ''کرن'' کے لوگوں نے حکومت کی مدد کے بغیر اپنا ایک ہسپتال اور کالج قائم کررکھا ہے، اسلئے مجھے اسوقت اسی کے لئے جانا ہے، حضرت مہتمم صاحب سے انہوں نے فرمایا کہ اس میں جانا آپ کیلئے کوئی ضروری نہیں ہے، آپ اگر آرام فرمانا چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر مجھے آرام کا موقع دیدیا جائے تو بہتر ہے، لیکن وزیر صاحب موصوف نے راقم الحروف اور مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری سے ساتھ چلنے کے لئے فرمایا۔ ساڑھے تین بجے ہم لوگ روانہ ہوئے اور قریباً ایک گھنٹے تک اس چھوٹی سی مثالی بستی کو دیکھا، کرن قوم قبائلی لوگ ہیں، محنت وجفاکشی میں مشہور ہیں، تعلیمی لحاظ سے بھی یہ قوم دوسری برمی اقوام سے آگے ہے، یہاں پانچ مشہور قومیں آباد ہیں، جن کے نام یہ ہیں: چھن، کچھن، کرن، شان اور برمی، اس میں بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ نہایت ایثار سے خدمت کررہے ہیں، اور معمولی ٹٹوں اور لکڑیوں کے مکانات میں یہ لوگ اپنی قوم کی خدمت میں مصروف ہیں، مسلمان یہاں بھی ہر منزل میں پسماندہ ہی نظر آتے ہیں، کرن قوم کی اکثریت اس وقت حکومت سے باغی ہے، جس کی وجہ سے ملک کا اکثر حصہ امن سے محروم ہے، اس کی بڑی وجہ یہ بتلائی گئی کہ برمی قوم نے کرن قوم پر ماضی قریب میں شدید مظالم کئے، اسکولوں کو ہر جانب سے بند کرکے آگ لگادی جس سے کرن بچے جل گئے، ان کی بستیوں میں قتل عام کیا، کیوں کہ برما میں برمی قوم اکثریت میں ہے اور بقیہ تمام اقلیتیں ہیں، جس میں بڑی اقلیت جس سے برمی قوم خائف ہے ''کرن'' ہے۔ ۴/ بجے لکڑی کے مشہور تاجر مسٹر ابراہیم صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کو چائے پر مدعو کیا، ہم لوگ براہ راست کرن بستی سے ابراہیم صاحب کے یہاں پہنچے، اور مولانا مظاہری حضرت کو لینے کے لئے قیام گاہ گئے۔ اس دوران میں وزیر صاحب موصوف نے

تصویر کے مسئلہ پر احقر سے سوال کیا، اور کہا کہ آج تصویر عام ہو چکی ہے، بہت سے سرکاری کام تصویر پر موقوف ہیں، اگر یہ بالکل ناجائز ہے تو ہم لوگ اس گناہ سے کیسے بچیں؟ احقر نے عرض کیا کہ تصویر کو اسلام نے بالکل ناجائز قرار دیا ہے، آلات تصویر کے بدل جانے سے حکم نہیں بدلا کرتا۔ پہلے قلم سے تصویریں بنتی تھیں، آج کیمرہ سے بنتی ہیں، البتہ اسلام چونکہ مذہب فطرت اور دین دوام ہے اس میں ہر دور کے لئے لچک موجود ہے، جن صورتوں میں آپ تصویر اتروانے پر مجبور کر دئے گئے ہوں یا بے اختیار ہوں وہاں اس کا گناہ آپ پر نہیں آئے گا، لیکن اختیار صورت میں یہ فعل گناہ ہی رہے گا، یہ ایک اصول ہے، اب اس کی جزئیات کہ کہاں آپ مجبور ہیں اور کہاں مختار، اس کا فیصلہ بروقت آپ ہی کو کرنا ہوگا، کیوں کہ حالت اضطراری میں حرمت شئے حلت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور گناہ ساقط ہو جاتا ہے، جیسے مضطر کے لئے اکل خنزیر و شرب خمر حلال ہو جاتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ اب مسئلہ صاف ہو گیا، تاہم بڑی الجھن میں پھنسے ہوئے تھے اس کے بعد حضرت قبلہ پہنچ گئے، وہاں سے فارغ ہو کر نماز عصر پڑھی، نماز کے بعد حنیف صاحب (وزیر صاحب کے بھائی) سینٹرل جیل دکھانے لے گئے جیلر صاحب نے نہایت تفصیل سے جیل کا معائنہ کرایا۔ قیدیوں کی صنعت گاہیں دکھلائیں، اور متعدد قیدیوں سے ملایا، قریب مغرب واپس قیام گاہ آئے، نماز مغرب ادا کی، کچھ دیر آرام کے بعد نماز عشاء قیام گاہ پر پڑھ کر جلسہ گاہ پہنچے، جہاں ایک بڑا مجمع منتظر و مشتاق بیٹھا تھا، تلاوت کلام پاک کے بعد حضرت مہتمم صاحب سے وزیر صاحب نے درخواست کی کہ جس موضوع پر کل ''بسین'' میں آپ نے تقریر فرمائی اسی کو آج بھی اختیار فرمائیں، وہ بہت اہم موضوع ہے اور اس سے بہت سے لوگوں کی اعتقادی اصلاح ہوئی۔ چنانچہ حضرت مہتمم صاحب نے ''ایمان و اعتقاد'' کے مسئلہ پر ایک دوسرے عنوان سے مفصل روشنی ڈالی، جس کو بہت پسند کیا گیا، بعد میں اس کا برمی ترجمہ مولانا نور محمد صاحب نے فرمایا، ۱۱/ بجے واپس پہنچے، صبح فجر بعد قبرستان فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے گئے جس میں وزیر صاحب ساتھ رہے، اور ۸/ بجے پھر اسٹیمر پر سوار ہو کر ''واکھیما'' روانہ ہو گئے۔

۱۰/فروری: دس بجے ''واکھیما'' پہنچ گئے، یہاں بھی گودی پر مخصوص حضرات موجود تھے جن سے وزیر صاحب نے تعارف کرایا، طے پایا کہ قیام گاہ اسٹیمر ہی رہے گا اس لئے سامان وغیرہ اس میں چھوڑ دیا گیا، اور داعی صاحب کے مکان پر پہنچ کر مختلف حضرات سے ملاقاتیں اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ساڑھے گیارہ بجے پھر اسٹیمر پر آرام کرنے کے لئے آ گئے، ایک بجے ''چولیا مسجد'' میں جلسہ عام رکھا گیا تھا، اس لئے نماز ظہر وہیں پہنچ کر ادا کی گئی، اور نماز کے بعد حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے یہاں کے مسلمانوں کو خطاب فرمایا، چونکہ آجکل ''برما'' میں جنرل الیکشن، کی ہماہمی ہے اس لئے حضرت مہتمم صاحب نے الیکشن ہی کو تمثیلی موضوع قرار دیکر فرمایا کہ ''الیکشن کا حاصل یہ ہے کہ جیتنے والے لوگ برسر اقتدار آجائیں اور صدر کا تقرب حاصل کریں، اور عوام ووٹ دے کر اس کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ اہل آدمی ہے اس کو ملک کا انتظام سپرد کر دینا ملک کی فلاح کا باعث ہوگا۔ لیکن کامیاب ہونے والے کو اس شہادت کے حاصل کرنے میں بڑی محنت بھی کرنی پڑتی ہے، اور دولت بھی خرچ کرنی پڑتی ہے، اسی طرح سمجھئے کہ ایک پورے عالم کا بھی عمومی اور یقینی الیکشن ہونے والا ہے جس کو اصطلاح شریعت میں یوم حشر و نشر ''قیامت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس میں ہر ہر شخص کے بارے میں ملائکہ شہادت دیں گے، کہ یہ اللہ کے تقرب کا اہل ہے یا نہیں، پھر خود اس کے اعضاء اس کے حق میں شاہد بنیں گے اس کا نامۂ اعمال اس کا شاہد ہوگا، اور بلا کسی ادنی ظلم کے کامل ترین انصاف کے ساتھ اس کے اہل یا نا اہل ہونے کا فیصلہ ہوگا، کامیاب ہونے والے عالم جنت میں با اقتدار ہوں گے، اور ناکام ہونے والے جہنم میں عذاب ذلت میں مبتلا ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی تمثیلی تصور ہی نہیں ہے بلکہ حدیث میں ہے کہ جنت کے میدان ''مزید'' میں حق تعالیٰ جلوہ افروز ہوں گے اور اس کے قریب کرسیاں ہوں گی، جس پر انبیاء علیہم السلام ہوں گے، اور اس کے بعد اولیاء کاملین ہوں گے اور پھر الامثل فالامثل کی ترتیب نشستوں میں ہوگی، نماز روزہ، حج، زکوۃ

اور دیگر عبادات کی مشقت اسی مقربین کے مجمع میں نشست حاصل کرنے کے لئے ہے، آپ نے مزید فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ دنیا کے ان معمولی انتخابات میں تو سر توڑ محنت کے بعد کچھ اقتدار میسر آئے اور احکم الحاکمین کی باجبروت بارگاہ میں بلا کسی محنت کے مقام رفیع مل جائے، اس لئے ضرورت ہے کہ آدمی اس انتخابی وقت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرلے۔تقریر اپنے موضوع پر نہایت جامع اور پسندیدہ رہی اور ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی، بعد میں مولانا نور محمد صاحب نے بالتفصیل اس کا ''برمی'' میں ترجمہ کیا، جس کے انہوں نے نوٹ لے لئے تھے، یہاں سے فارغ ہوکر نماز عصر بنگالی مسجد میں پڑھی، اور عصر سے مغرب تک واکھیما شہر کو تفریح کے ذیل میں دیکھا۔آبادی کھلی کھلی ہے، برما کے عام دستور کے مطابق اکثر مکانات لکڑی کے ہیں، یہ شہر باغیوں کی سرگرمی کا اکثر شکار ہوتا رہتا ہے، کیوں کہ اس کے قرب وجوار میں بہت سی خفیہ کمین گاہیں ہیں، ہم لوگوں کے پہنچنے سے قبل بھی مضافات شہر پر حملہ ہو چکا تھا، برما کے شہروں کی عمومی اور نظروں میں بے حد کھٹکنے والی گندگی یہاں بھی کم نہیں بلکہ کچھ سوا نظر آئی، نماز مغرب ''چولیا مسجد'' میں ادا کی گئی، اور کھانے سے فارغ ہوکر نماز عشاء کا وقت قریب تھا، اس لئے وہیں پڑھ کر اپنی قیام گاہ ''اسٹیمر'' پر سب لوگ آ گئے۔نویں شب کا چاند اپنی پوری تابانیوں سے سمندر کی رونق کو بڑھا رہا تھا، اور اسٹیمر کے خوشنما برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھ کر ہم سب ہمسفر لطف اندوز ہو رہے تھے، جس میں مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری کے پرمزاح فقرے بطور خاص، اور رنگون کے تاجر اسمٰعیل اوبائیں صاحب کی پُرخوری کی نئی سے نئی توجیہات جو ہر آدھ گھنٹے کے بعد بھوک سے بے تاب ہو جاتے تھے، دل چسپی کا باعث بنی رہیں، صبح ۵ر بجے اسٹیمر رنگون کے لئے روانہ ہوا، کیونکہ درمیان کے شہر ''مئوبن'' کا پروگرام کینسل کر دیا تھا، اور ''واکھیما'' سے براہ راست ''رنگون'' ہی جانا طے ہوا تھا، لیکن پندرہ بیس میل چلنے کے بعد سمندر پر نہایت گہرا کہرا چھا گیا جس سے کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، مجبوراً ایک درمیانی چھوٹے سے اسٹیشن پر رکنا پڑا، یہاں تک کہ پونے دس بجے کہرا کم ہوا اور اسٹیمر روانہ ہوا، خیال تھا کہ ۴ر بجے رنگون پہونچیں گے ــــــــ اس کی اطلاع وائرلیس کے ذریعہ مختلف مقامات کو دیدی گئی تھی، لیکن جہاز ایک گھنٹہ لیٹ پہونچا۔

۱۱ر فروری: اسٹیمر بادمخالف اور کہرا کی وجہ سے واکھیما سے بارہ میل کے فاصلہ پر تین گھنٹے رکے رہنے پر مجبور ہوا، ساڑھے دس پر کہرا چھٹا، دھوپ کی شکل نظر آئی، اور سفینہ خراماں عازم منزل ہوگیا، گھٹا اور ٹھنڈی ہوا نے لطف سفر کو دوبالا کر کے رکھا تھا، اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے وزیر عدل مسٹر عبداللطیف صاحب حضرت قبلہ مہتمم صاحب مدظلہ، مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری اور راقم الحروف اپنے اپنے کمروں سے اوپر برآمدے میں آکر بیٹھ گئے، پھر بقیہ رفقاء بھی نہ رہ سکے اور سب وہیں جمع ہوگئے اور مختلف علمی، اخلاقی، تمدنی امور پر گفتگو ہوتی رہی، قریباً بارہ بجے تک یہ دل چسپ تفریحی مجلس جاری رہی، اس کے بعد حضرت مہتمم صاحب اپنے کمرے میں تشریف لے گئے اور مسئلہ ''علم غیب'' پر جو رسالہ تصنیف فرمارہے ہیں پھر اس میں مشغول ہوگئے، آپ نے بتلایا کہ ڈیلٹا کے اس پرسکون اور پرتفریح سفر میں پانچ روز میں، میں نے شب و روز لگ کر ایک ماہ کا کام کرلیا، دس اور گیارہ کی درمیانی شب میں چونکہ نیند نہیں آئی، اس لئے دو بجے سے صبح ساڑھے پانچ تک آپ مسلسل لکھتے رہے۔اس رسالہ میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل انداز میں بحث کی جارہی ہے۔یقین ہے کہ یہ رسالہ اپنے موضوع پر ایک مکمل رسالہ بن جائے گا، اس کو بالاقساط ماہر القادری صاحب اپنے رسالہ ''فاران'' میں شائع کررہے ہیں۔ایک قسط دیوبند سے ہی روانہ کی جاچکی تھی، دوسری کے لئے ان کا تقاضا دیوبند ہوتا ہوا رنگون پہونچا، جس پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے یہاں کے کثیر مشاغل کے باوجود اس کی تکمیل شروع فرمادی، ادارۂ تاج المعارف اسکو کتابی صورت دے گا۔شام کو پانچ بجے یہ سفینۂ علم رنگون پہونچ گیا، یہاں باگیا خاندان کے حضرات اور دوسرے بعض لوگ موجود تھے، قیام گاہ پر پہنچ کر نماز عصر ادا کی، اور گذشتہ پانچ روز کی جمع شدہ ڈاک دیکھی جس میں ۳ر فروری ۱۹۵۷ء کے سفر ''مولمین'' کے

دوران ہوائی جہاز کی خرابی کے باوجود بخیریت رنگون پہونچ جانے پر جناب نائب مہتمم صاحب دارالعلوم اور دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات سے مبارکباد کے متعدد تار اور خطوط بھی تھے۔

نماز مغرب اور عشاء کے بعد حسب معمول لوگوں کی آمد ورفت اور مجمع شروع ہوگیا، یہ مجلس مذاکرہ ۱۱ر بجے تک جاری رہی، کل بارہ بجے تک رنگون قیام رہے گا۔ اور ۱۳ر کو صبح ۱۰ر بجے بذریعہ ہوائی جہاز ''مولمین'' جانا ہے۔

۱۲ر فروری: صبح ۸ر بجے حسب معمول لوگ آنے شروع ہوگئے، اور حضرت مہتمم صاحب کی علمی مجلس شروع ہوگئی، رنگون کی مصروفیات کی وجہ سے ارادہ کیا گیا کہ اکیاب کا سفر ملتوی کردیا جائے اور مولمین سے واپسی کے بعد رنگون ہی میں قیام کیا جائے، لیکن مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل دیوبند، مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری، مفتی محمود صاحب وغیرہ نے جانے ہی پر اصرار کیا اور بتلایا کہ برما کے مسلمانوں کی اکثریت صوبۂ ارکان ہی میں رہتی ہے اور اکیاب اس کا دارالسلطنت ہے نہ جانے سے لوگوں کو بڑی مایوسی ہوگی، ان کے روزانہ بلاناغہ تار وخطوط موصول ہورہے ہیں۔ چنانچہ پھر مجبوراً ارادہ کرلیا گیا، دوپہر کو جناب یوسف پٹیل صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کو دعوت طعام دی جس میں دیگر معزز علماء اور تجار کے علاوہ وزیر عدل مسٹر عبداللطیف صاحب کو مدعو کیا۔ وزیر صاحب حضرت قبلہ سے غیر معمولی طور پر اثر انداز ہیں، ان کا نیازمندانہ تعامل یہاں کے حضرت کے لئے باعث فخر وابتہاج ہے۔ نماز ظہر کے بعد آرام کیا، اور عصر بعد چند منٹ کے لئے مختلف تجار نے حصول برکت کے لئے حضرت کو دعوت دی، ان دکانوں پر تشریف لے گئے اور دعاء فرمائی، درمیان میں جناب حاجی عبداللطیف صاحب باوانی آف کراچی سے ملاقات ہوگئی، جو اپنے بھائی احمد ابراہیم باوانی صاحب کے لڑکے کی شادی میں شرکت کے لئے رنگون آئے ہیں، اور خود کراچی کے لئے حضرت مہتمم صاحب کے پُرزور داعی بھی ہیں، آج تقریر کا پروگرام دوسری اسٹریٹ میں تھا لیکن باوانی صاحب کے اصرار پر انہی کی اسٹریٹ میں پروگرام رکھدیا گیا، جسکو محترم میزبان اسمٰعیل باگیا صاحب نے مان لیا۔ مغرب کے بعد حضرت مدظلہ کو دیگر معززین کے ساتھ جناب حاجی اسمٰعیل داؤد یوسف صاحب (مفتی محمود صاحب کے چچا) کے صاحبزادے محمد صاحب نے مدعو کیا۔ تقریر کے روز شب میں قبل از تقریر حضرت مہتمم صاحب کھانا نہیں تناول فرماتے لیکن اس میں دوسروں کی مجبوری کی وجہ سے یہ تکلف شرکت کرنی پڑی۔ نماز مغرب وہیں ادا کی، قاری شبیر حسن صاحب دیوبندی جو ۲۴ر سال سے یہیں مقیم ہیں بطور خاص میزبانی کرتے رہے، داعی صاحب محترم کا پورا خاندان جن میں مفتی محمود صاحب بھی ہیں اسی باغیچہ میں اپنے ذاتی بنگلوں میں رہتے ہیں جو بہت خوبصورت بنے ہوئے ہیں، اور شہر سے فاصلہ پر تانبوے میں ہونے کی وجہ سے پُرسکون بھی ہیں۔ نماز عشاء واپس آکر قیام گاہ پر پڑھی، جلسہ گاہ قیام گاہ سے بالکل متصل تھی اس لئے فوراً ہی لوگ لینے کے لئے پہونچ گئے، حضرت نے اس موقع پر ''ذکراللہ'' کی حقیقت پر نہایت جامع تقریر فرمائی اور دلائل ساطعہ سے ذکراللہ کو بقائے عالم کا سبب قرار دیا۔ حاضرین انتہائی طور پر متأثر تھے اور نہایت سمع قبول کے ساتھ یہ مجمع عظیم اس تقریر کو سن رہا تھا، دو گھنٹے بعد تقریر ختم ہوئی اور اس کے اسٹیج ہی پر باوانی برادران دیر تک حضرت سے محوگفتگو رہے، ساڑھے گیارہ پر واپسی ہوئی، صبح کو ''مولمین'' کا سفر بذریعہ ہوائی جہاز ہے، اس کے لئے ضروری تیاری کی، اور اس سے فارغ ہوکر ۱۲ر بجے آرام کے لئے لیٹ گئے، راقم الحروف نے یہ تقریر بھی ضبط کرلی ہے۔

۱۳ر فروری: آج ''مولمین'' روانگی کا پروگرام ہے شب میں مفتی محمود صاحب نے فون پر اطلاع دی کہ جہاز صبح کو ۱۱ر بجے پرواز کرے گا، سوا دس بجے ایرڈروم پہنچنے کا ٹائم دیا گیا ہے، سویرے ہی سے ضروری تیاری سفر مکمل کرلی گئی، دس بجے مفتی صاحب نے پھر فون کیا کہ جہاز ۱۲ر بجے جائے گا، اور آدھے گھنٹے بعد اطلاع ملی کہ ساڑھے بارہ بجے روانہ ہوگا۔ دن بھر یہ موضوع گفتگو رہا کہ ''مولمین'' کے سفر کے روز یہ تعویق ضرور پیش آتی

ہے۔۳؍فروری کو جہاز نصف راستے سے واپس آ گیا، اور آج ۱۳؍کو بجائے صبح ۷؍بجے کے ۱۱؍بجے ہوا پھر ۱۲؍بجے اور اب ڈھائی بجے کا وقت ہوگیا۔آج صبح سے مطلع صاف نہیں تھا، دس بجے کافی تیز گھٹا چھا گئی، اور ۱۱؍بجے بارش بھی ہلکی ہلکی شروع ہوگئی۔اس بارش اور گھٹا کی وجہ سے یہ بھی امکان ہونے لگا کہ جہاز ہی نہ جائے، بہرحال راضی برضاء، ضروری ڈاک لکھنے میں حضرت مہتمم صاحب اور راقم الحروف مصروف ہوگئے، آج دوپہر کو رزق کے جن دانوں کے ''مولمین'' میں حاصل کرنے کا انسانی تصور تھا وہ رنگون ہی میں مقسوم تھے، ایک بجے کھانے سے فراغت حاصل کی، نماز کی تیاری شروع کی، ابھی وضو ہی کر رہے تھے کہ اطلاع ملی کہ مفتی محمود صاحب وغیرہ ہوائی اڈے پہنچ چکے ہیں، جلدی جلدی وضو سے فارغ ہوئے، بارش نہایت زور شور سے پڑ رہی تھی اسی میں بھیگتے ہوئے نیچے آ کر موٹروں میں سوار ہوئے، ۲؍بجے ہوائی اڈے پر پہونچے، جہاں مفتی محمود صاحب، ان کے دونوں صاحب زادے خالد وسلیم سلمہا، قاری شبیر حسن صاحب دیوبندی، مولوی کبیر احمد صاحب مدرس دارالعلوم تانبوے، اور جاودت صاحب (تاجر رنگون جن کا اصل وطن مولمین ہے قیام ان ہی کے مکان پر ہوا) اور ادھر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ راقم الحروف کے علاوہ ساتھ میں قاسم باگیا (بابو بھائی) رنگون کے میزبان اسمٰعیل باگیا صاحب کے برادر خورد بھی تھے، اب سب لوگ مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری کے منتظر تھے لیکن جہاز میں سوار ہونے کا اعلان ہوگیا اور وہ نہ پہونچ سکے جن کا سب کو بے حد افسوس رہا تھا، ٹھیک اڑھائی بجے طیارہ پرواز کر گیا، اور پورے ۴۵؍منٹ کے بعد ''مولمین ایرپورٹ'' پر بخیرت اتر گیا، یہاں اڑھائی تین ہزار کے قریب مسلمانوں کا عظیم مجمع مختلف جھنڈے لئے ہوئے دو گھنٹے سے منتظر تھے، سب سے پہلے جہاز سے اترتے ہی جناب حافظ محمد حیسن صاحب داعی مولمین نے خوش آمدید کہا، اور اسکے بعد صف بستہ کھڑے ہوئے معززین سے ملاقات وتعارف کرایا جن میں سب سے پہلے کمشنر صاحب تھے اور اس کے بعد ملٹری آفیسر، پھر مقامی کانگریس کمیٹی (بھارت) کے صدر، اور پھر علماء وتجار حضرات تھے، ان مخصوصین سے ملاقات کے بعد جب باہر نکلے، تو ان ہزاروں محبین نے ہجوم کیا اور ہر ایک اس کا خواہش مند تھا کہ حضرت مہتمم صاحب سے مصافحہ کر لے۔مجبوراً ویٹنگ روم کے بڑے ہال میں حضرت کو اور ان کے رفقاء کو لے جایا گیا اور آمد ورفت کے دو دروازے معین کر کے پولیس کا پہرہ لگایا تا کہ لوگ ایک جانب سے آ کر مصافحہ کریں اور دوسری جانب سے نکل جائیں، اس کے باوجود بھی بمشکل مجمع کو قبضے میں رکھا جاسکا۔سوا تین بجے سے ۴؍بجے تک اسی ہال میں مصافحوں کا بلافصل سلسلہ جاری رہا، چار بجے بذریعہ کار قیام گاہ روانہ ہوئے۔''ایم جاودت'' صاحب کے یہاں قیام ہوا۔یہ مکان سورتی سنی جامع مسجد سے قریب ہی واقع ہے، قیام گاہ میں حضرت کے تمام رفقاء کیلئے نہایت سلیقہ سے انتظام قیام کیا گیا تھا، عصر بعد جناب مولانا محمد صالح پانڈور صاحب کی درخواست پر حضرت مہتمم صاحب نے ان کے مدرسے مدرسہ عربیہ یتیم خانہ اسلامیہ مولمین کا معائنہ فرمایا، مولانا پانڈور نے اہل مولمین کو حضرت کی تشریف آوری پر مبارکباد دی، اور حضرت کا شکریہ ادا کیا، مولانا موصوف نے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ سے ڈابھیل میں دورۂ حدیث پڑھا ہے، اس لئے غایت درجہ تعلق کا اظہار فرمایا۔معائنہ مدرسہ کے بعد یہاں کی مشہور بدہست عبادت گاہ ''پگوڈا'' جو پہاڑ پر واقع ہے اور تفریح گاہ ہے، وہاں گئے، نماز عشاء کے بعد سورتی مسجد میں عظیم الشان اجتماع ہوا، جس میں حضرت مہتمم صاحب نے ۳؍فروری ۱۹۵۷ء کو 'مولمین' نہ آسکنے پر معذرت پیش فرمائی، اور معذرت وقبول ہی کے موضوع پر دو گھنٹے سلسلۂ تقریر جاری رہا۔

۱۴؍فروری: نماز فجر کے بعد ''چولیا ایسی ایشن'' کی طرف سے اس کے صدر ''داؤد نانا'' صاحب نے چائے پر مدعو کیا، وہاں سے فارغ ہوکر صبح ۸؍بجے مولانا نذیر احمد صاحب ناظم مدرسہ اشاعت العلوم بڈویں گوں ضلع چیمر وعلاقہ ''مولمین'' کی دعوت پر ۲۲؍میل کی مسافت طے کرنی تھی، ۷؍بجے جیلر صاحب کی دعوت پر حضرت مہتمم صاحب نے مع رفقاء ''سینٹرل جیل'' مولمین کا معائنہ فرمایا، ہر کلاس کے قیدی قطار کی صورت میں اپنی

اپنی جیلوں کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوئے تھے، بعض ملزمین نے اپنی بے گناہی پیش کر کے دعاء چاہی۔ سیاسی قیدیوں میں کرن قوم کے سربراہ لیڈر بھی تھے جو حکومت کی نظر میں غدار سمجھے جاتے ہیں، ان کو بھی حضرت مہتمم صاحب نے ترجمانی کے ذریعہ فرمایا کہ برما کی موجودہ بغاوت سے صرف پبلک کو نقصان پہونچ رہا ہے، اور آپ کا اختلاف حکومت سے ہے اس لئے آپ لوگوں کو توڑ پھوڑ کی اس پالیسی کو ترک کر کے مصالحت کی راہ اختیار کرنی چاہئے، جس کی ایک مختصر سی مثال یہ بھی ہے کہ ہمیں مولمین آنے کے لئے ہوائی سفر اختیار کرنا پڑا، اور خواہ مخواہ کثیر مصارف ہوئے کیوں کہ ریلوں کے سفر کو آپ لوگوں نے پورے ملک میں مخدوش بنا رکھا ہے، یہ پبلک ہی کا نقصان ہے حکومت کا نہیں۔ آٹھ بجے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ مدرسہ اشاعت العلوم بڈویں گوں ضلع چیمر وروانہ ہوگئے، یہ مولمین سے ۲۲ رمیل کے فاصلے پر ہے۔ مدرسہ کی عمارت کے باہر سڑک پر تمام طلباء اور مدرسین دورویہ صف میں کھڑے ہوئے تھے، پرتپاک استقبال کے ساتھ وہ حضرات اندر لے گئے، یہاں ایک مجمع عظیم دیر سے منتظر بیٹھا تھا، جس میں دور دراز سے لوگ پیدل اور موٹروں سے سفر کر کے آئے تھے۔ یہاں حضرت مہتمم صاحب نے طلباء کو خطاب فرماتے ہوئے عالم دین کی شرعی ذمہ داری پر بسیط تقریر فرمائی۔ ۱۱ر بجے یہ اجتماع ختم ہوا، پھر واپس مولمین یہ قافلہ روانہ ہوا۔ راستے میں سڑک کے دونوں طرف ''ربڑ'' کے درختوں کے خوشنما اور سرسبز باغات تھے، جنہوں نے اس سڑک کی رونق دوبالا کر رکھی ہے، ظہر کے بعد آرام کیا، اور قبیل عصر بیس میل کے فاصلے پر صنعتی چھوٹے سے شہر ''مونگڈون'' تشریف لے گئے، بیس بائیس حضرات معیت میں تھے، پانچ چھ کاروں پر یہ سفر طے ہوا۔ عصر کی نماز مونگڈون میں ادا کی، مقامی مسلمان جو ۳ر فروری ۱۹۵۷ء کو استقبال کے لئے مولمین ہوائی اڈے پر پہونچے تھے لیکن ملاقات نہ ہو سکنے کی وجہ سے ملول خاطر واپس آئے تھے، وہ سب جمع ہوگئے، کچھ دیر ان سے ملاقات رہی، پھر ایک چینی فرم میں گئے جو عمدہ قسم کی چادریں، سوتی کمبل، پلنگ پوش، میز پوش وغیرہ بنانے میں خاص شہرت رکھتی ہے۔ مغرب کی نماز چوں کہ مولمین پڑھنی تھی، اس لئے جلد واپسی ہوگئی، مغرب بعد ایک مجمع عظیم نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور داخل سلسلہ ہوئے۔ نماز عشاء کے بعد واپس قیام گاہ تشریف لائے یہاں ایک مسرت بخش اطلاع یہ ملی کہ ایک بدھست خاندان حضرت کے ہاتھ پر قبول اسلام کے لئے منتظر ہے، اس میں ایک نوجوان مرد، بمعہ اپنی بیوی اور والدہ اور دو بچوں کے موجود تھا۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ان کو مسلمان کیا، اور نصف گھنٹے تک ان کو مبادیات اسلام کی تعلیم ترجمان کے ذریعہ دی، اور اس کے بعد سب نے مل کر ان کی استقامت کے لئے دعاء مانگی، ادھر جلسہ گاہ میں بے چینی سے حضرت مدظلہ کا انتظار ہو رہا تھا، اس لئے فوراً تشریف لے گئے، یہاں تقریر اڑھائی گھنٹے جاری رہی، لیکن راقم الحروف اس روز بوجہ ناسازئ طبیعت کے اسے ضبط نہیں کر سکا۔

۱۵ر فروری: پاکستان ایسوسی ایشن نے صبح چائے پر مدعو کیا، وہاں سے فارغ ہو کر حضرت قبلہ مہتمم صاحب مدرسہ امداد العلوم چیمبر و تشریف لے گئے، یہ مقام مولمین سے ۱۸ رمیل کی مسافت پر ہے، مدرسہ کے ناظم اور مدرسین فضلاء دار العلوم دیوبند ہیں۔ ناظم مدرسہ نے اولاً سپاس نامہ پیش فرمایا اور اس کے بعد کہا کہ مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ میں نے دار العلوم میں حضرت سے مشکوۃ شریف پڑھی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس مدرسہ کے شرکاء مشکوۃ بھی کتاب الایمان کی پہلی حدیث آں مخدوم سے پڑھ لیں، حضرت نے منظور فرمایا اور پون گھنٹہ حضرت مہتمم صاحب نے ''حدیث جبریل'' کے اسرار و علوم بیان فرمائے، یہ درس اگرچہ طلباء کے لئے تھا، لیکن اس میں ایک بڑا مجمع عظیم بھی استفادہ کر رہا تھا۔ یہ علمی مجلس بھی یادگار مجلس بن گئی، ساڑھے دس بجے جمعہ کی وجہ سے واپسی پر عجلت فرمائی، قیام گاہ پر صبح سے لوگ منتظر بیٹھے تھے جس میں کچھ حضرات بعض علمی سوالات لئے بیٹھے تھے، اور بہت سے خواستگاران دعاء تھے، پونے بارہ بجے بمشکل اٹھ کر نماز جمعہ کی تیاری کی، کھانا کھانے سے عذر پیش کیا، مگر داعی صاحب لے چلنے پر مصر ہوئے، چند منٹ وہاں شرکت کر کے مسجد پہونچ گئے، نماز سے فارغ ہوتے ہی موٹر تیار تھی، مسجد سے ہی ہوائی اڈے کے

لئے روانہ ہوئے۔ حضرت نے مسجد میں اعلان کرادیا تھا کہ ہوائی اڈے پر جو حضرات آنے کے لئے کہہ رہے تھے وہ تکلیف نہ کریں دھوپ اور گرمی کا وقت ہے، لیکن اس کے باوجود لاریوں، ٹیکسیوں وغیرہ سے قریباً ایک ہزار کا مجمع وہاں جمع ہوگیا، ریل اور ہوائی جہاز کی عام سروس چونکہ پورے برما میں پابند وقت نہیں ہے، اس لئے ایک گھنٹہ انتظار کے بعد جہاز آیا، لوگوں نے دعاء کرائی اور بادیدۂ تر رخصت کیا۔ اڑھائی بجے جہاز نے پرواز کی اور ۴۵ رمنٹ میں ٹھیک سوا تین بجے رنگون ایرپورٹ پر بخیریت جا اترا، یہاں مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری اور دوسرے حضرات موجود تھے، قیام گاہ پہنچ کر نماز عصر ادا کی، پھر ملاقاتوں کے لئے مختلف حضرات آتے رہے، عشاء کے بعد وزیر عدل مسٹر عبداللطیف صاحب بمع مولانا مظاہری اور دوسرے رفقاء کے اچانک تشریف لے آئے، موصوف کی اسی بے تکلف روش نے انہیں عوام میں مقبول بنا رکھا ہے، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے حضرت مہتمم صاحب کی علمی مجلس میں شریک رہے، ۱۱ رجے یہ مجلس برخاست ہوگئی، اور علی الصباح اکیاب (ارکان) کے ہوائی سفر کی تیاری کی اور اس کے بعد آرام کیا۔

۱۶ رفروری: اکیاب کے سفر میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی ہمراہی میں راقم الحروف اسمٰعیل باگیا صاحب اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب رنگونی فاضل دیوبند تھے، صبح ۴ رجے میزبان محترم اسمٰعیل باگیا صاحب نے بیدار کردیا، وضوء وغیرہ سے فارغ ہوکر ساڑھے چار بجے موٹر سے روانہ ہوئے، رات کی مجلس میں چونکہ وزیر عدل عزت مآب مسٹر عبداللطیف صاحب نے ہوائی اڈے تک ساتھ چلنے پر اصرار کیا تھا، اس لئے سیدھے ان کی کوٹھی پہنچے، وہ تیار بیٹھے تھے، وہیں نماز فجر ادا کی، ہوائی اڈے پر الوداع کہنے کے لئے میزبان صاحب کے گھر کی مستورات بھی آئی تھیں، اسماعیل صاحب نے ٹکٹ اپنی اہلیہ صاحبہ کو دے رکھے تھے، لیکن وہ لانا بھول گئیں جس سے بڑی پریشانی پیدا ہوگئی، فوراً آدمی گھر روانہ کیا گیا، ادھر یہ بھی معلوم ہوا کہ برما سے باہر جانے والے ہوائی جہاز میں اندرون برما میں بھی غیر ملکی لوگوں کو سفر کرتے وقت پاسپورٹ دکھانا لازم ہے اور ہم لوگوں کے ساتھ اس وقت وہ بھی نہیں تھا، کیوں کہ اس سے قبل مولمین کے سفر کے وقت بھی اس کی ضرورت پیش آئی تھی، اس وقت ضابطہ کے لحاظ سے تقریباً سفر ناممکن ہوگیا تھا، لیکن وزیر صاحب موصوف کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت مہتمم صاحب کی اطلاع کے بغیر خود جا کر تمام مراحل عدم موجودگی ہی میں طے کرادئے، ان کے فرمانے پر محض دفتر کی لسٹ پر نام کی وجہ سے سفر کی اجازت دیدی گئی، لیکن کچھ عرصہ بعد ٹکٹ آگئے، جہاز یہاں سے عام دستور برما کے مطابق بجائے ساڑھے چھ بجے کے ڈیڑھ گھنٹے بعد پونے آٹھ پر روانہ ہوا۔ اس عرصہ میں وزیر صاحب نے خود ساتھ لے کر ہوائی اڈے کی سیر کرائی، اور مولانا مظاہری صاحب کے دل چسپ جملے پورے عرصہ میں دل چسپی اور تفریح کا باعث بنے رہے، اور رنگون کی دل چسپ اردو کے نمونے سناتے رہے، پونے آٹھ پر ہم لوگ سوار ہوئے اور جہاز نے پرواز شروع کی۔ دو گھنٹے کا یہ طویل ہوائی سفر کافی دلچسپ رہا۔ راستہ میں سرسبز وشاداب پہاڑوں کا طویل وخوشنما سلسلہ ہے، اس علاقہ پر جہاز کی بلندی غیر معمولی ہوجاتی ہے، جہاں سے پتھروں کے یہ عظیم پیکر بچوں کے گھروندے معلوم ہوتے ہیں، پہاڑی سلسلہ ختم ہوتے ہی میدانی علاقہ میں نہروں کا عجیب وغریب جال بچھا ہوا ہے جو سب کی سب سمندر میں جا گرتی ہیں، اس منظر کی دل کشی بے مثل معلوم ہوتی ہے، یہاں سے گذر کر اب جہاز کی پرواز عین سمندر کے اوپر شروع ہوگئی، جو اس کی علامت تھا کہ اب اکیاب قریب آگیا۔ دو گھنٹے کا یہ وقفہ پورا ہوا، اور ٹھیک پونے دس بجے جہاز اکیاب ایرپورٹ پر اتر گیا، یہاں جہاز اترنے کی سڑک جالیدار لوہے کی بنی ہوئی ہے جس پر جہاز کے اترنے سے عجیب جھنجھناہٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے، جہاز سے اترے تو سب سے پہلے مولانا محمد حسین صاحب اکیابی فاضل دیوبند ناظم مدرسہ تکمیل العلوم اکیاب نے استقبال ومصافحہ کیا، اور پھر دیگر مدرسین وعلماء کرام نے، ارکان کے پورے علاقہ میں ہزاروں کی تعداد میں فضلاء دارالعلوم موجود ہیں جو سب کے سب اس موقع پر موجود تھے، ان کی مسرت ان کے

چہروں پر کھیل رہی تھی، منگڈ واور بوتھیڈ نگ سے علماء کا بڑا مجمع یہاں کئی روز سے آیا ہوا تھا۔ ہوائی اڈے کے میدان میں ہزاروں کی تعداد میں مجمع عظیم موجود تھا، ارکان کی سرحد مشرقی پاکستان سے ملتی ہے، یہاں ہزاروں کی تعداد میں تقریباً ایک صدی سے بنگالی حضرات آباد ہیں، جو اس طویل عرصے میں اگرچہ ضابطے کے لحاظ سے برمی بن چکے ہیں لیکن ابھی تک انہوں نے زبان کو سنبھال رکھا ہے، اور عام طور پر طرز معاشرت ارکان و بنگال کا قریب ہی قریب ہے۔ یہاں اصل برمی قوم ''نمگ'' ہے جو نہایت وحشی اور جاہل ہے، ساتھ متعصب بھی، مگوں کی اکثریت وغلبہ کی وجہ سے یہاں کے مسلمان پریشان حال بھی ہیں اور غریب بھی۔ شام تک ملاقاتوں وغیرہ کا سلسلہ جاری رہا، قیام جناب مارکن صاحب کے مکان پر ہوا جو یہاں کے ممتاز شہری اور تاجر ہیں۔ نماز عشاء کے بعد جامع مسجد اکیاب میں عظیم الشان اجتماع ہوا، جس میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اڑھائی گھنٹے تقریر فرمائی، تقریر پر یہاں کے علماء نے بطور خاص اپنے تأثر ومسرت کا اظہار فرمایا۔

۱۷ر فروری: ۸ر بجے صبح کو داعی صاحب اور دیگر حضرات نے موٹر سے پورے شہر کی سیر کرائی، جس میں میزبان صاحب آفس، مختلف سمندری گودیاں، جہازوں کے ٹھیک ہونے کے بڑے بڑے کارخانے، چاول کے لدان کے اسٹاک، ہال وغیرہ شامل تھے۔ دس بجے مولانا محمد حسین صاحب کی دعوت پر براہ راست ''مدرسہ تکمیل العلوم اکیاب'' تشریف لے گئے، جہاں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے یہاں کی منتہی جماعت طلبہ کو ''مشکوۃ'' کا نصف گھنٹہ درس دیا، اس میں خود مولانا محمد حسین صاحب فاضل دیوبند بانی مدرسہ، اور دیگر علماء وفضلاء دارالعلوم جو اس وقت یہاں کے بڑے علماء میں ہیں جماعت طلبہ کی صف میں جا کر بیٹھے اور چند منٹوں کے لئے پھر ''دارالعلوم'' کی سی زندگی ان کے لئے لوٹ آئی۔ جس پر وہ بے حد مسرور تھے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ''انما الاعمال بالنیات'' پر پون گھنٹہ تقریر فرمائی، مدرسہ ہذا میں اسی سال سے مشکوۃ شریف کا درس شروع کرنے کی تجویز ہوئی۔ باضابطہ درس آئندہ سال ہوگی لیکن طلباء کو آئندہ سال مشکوۃ شریف پڑھنی ہے۔ اس موقع پر تبرکاً حضرت مہتمم صاحب سے آغاز درس حدیث کرایا گیا، اس درس میں عوام کا بھی ایک بڑا مجمع شریک تھا۔ مدرسہ ہی میں اس وقت حضرت کو دعوت طعام دی گئی جس میں تمام معززین شہر اور بیرونی ومقامی علماء کو مدعو کیا گیا تھا، درس کے بعد وہیں کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے اور واپس قیام گاہ تشریف لے گئے۔ دو گھنٹے آرام کے بعد نماز ظہر پڑھ کر پھر مدرسہ مذکور پہنچے جہاں اس وقت جلسہ عام کا انتظام تھا۔ مدرسہ کا عظیم میدان مجمع کے لئے ناکافی ہوگیا طلبہ نے عربی، اردو، اور برمی زبانوں میں تقریریں کیں، اس کے بعد مولانا سعید احمد صاحب فاضل ندوۃ العلما لکھنو مدرس مدرسہ ہذا نے سپاس نامہ پیش کیا جس میں ارکان میں اسلام میں داخل ہونے کی تاریخ عمدہ ترتیب سے پیش کی گئی تھی۔ اس کے جواب میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے نہایت جامع تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ ارکان کی اسلامی تاریخ معلوم کر کے مجھے بے حد مسرت ہوئی، لیکن واقعات فی نفسہ کوئی چیز نہیں، ان کو دیکھنے میں انسان وحیوان برابر ہیں، دن رات کے ٹوٹ پھیر کو وہ بھی دیکھتے ہیں اور ہم بھی لیکن واقعات سے عبرت ونصیحت اور نتیجہ آفرینی اصل چیز ہے، یہ ہی انسان کا امتیاز ہے، عنوان کی دل چسپی اور بیان کی جامعیت نے اس تقریر کو ایک تاریخی اور یادگار تقریر بنا دیا۔ حضرت کی تقریر کے اختتام پر ''جمعیۃ العلماء'' ارکان کی جانب سے سپاس نامہ پیش کیا گیا، جس پر دوبارہ حضرت نے مختصر سی تقریر شکریہ فرمائی۔ نماز عصر پڑھ کر یہاں کی لب سمندر کی مشہور اور تفریح گاہ چلے گئے جہاں سمندر کی موجیں سمندر کے متصل پہاڑی ٹیلوں سے ٹکرا رہی ہیں، یہیں ایک خوبصورت مینارہ بنایا گیا ہے جس سے منظر کی دلکشی کئی گنا بڑھ جاتی ہے، کچھ دیر یہاں ٹھہر کر اس کے قریب ہی کے اس تاریخی پہاڑی پر تشریف لے گئے جہاں تاریخی ثبوت سے صحابۂ کرامؓ تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ بتلایا گیا کہ اس کنارے پر صحابہؓ کا جہاز خراب ہوگیا تھا اور وہ حضرات قیام پر مجبور ہوئے۔ پہاڑ کے اس حصے پر اس وقت ایک قبہ بنا ہوا ہے برابر میں ایک مسجد بھی ہے، یہاں دیر تک ٹھہرے، اور صحابہ کرامؓ کے جذبۂ اعلاء کلمۃ الحق کے ذوق پر

عبرت خیز گفتگو ہوتی رہی۔قبیل مغرب واپس آئے، جامع مسجد میں ایک بڑا مجمع داخل سلسلہ ہونے کا منتظر تھا، اور عشاء کے بعد سے ۱۱ر بجے تک حسب معمول علمی مجلس جاری رہی، جس میں اکابر دیوبند کے واقعات زیر تذکرہ آتے رہے۔

۱۸رفروری: نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہوکر ناشتہ کیا، اور اسکے بعد مارکن صاحب (داعی) کے دفتر میں گئے جو دریا کے کنارے واقع ہے، دفتر سے گودی پر جانا ہوا، واپسی میں ''مدرسہ دارالعلوم'' ناظر پاڑہ گئے، یہ ایک معتد بہ مدرسہ ہے، جس میں فضلاء دارالعلوم ہی مصروف خدمت ہیں، یہاں مختصراً درس مشکوۃ شریف ہوا، ۱۰ر بجے قیام گاہ پر آکر جناب سلطان احمد صاحب مل مالک کا پرچہ ملا جس میں انہوں نے حضرت قبلہ کو اپنے مکان پر آنے کی دعوت دی تھی لیکن داعی صاحب کی اور سلطان صاحب کی باہمی مخاصمت تھی، اس لئے انہوں نے پرزور مخالفت کی، لیکن حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ ہمارا تعلق بواسطہ دارالعلوم ہے اور دارالعلوم سب کا ہے، اس لئے میں ضرور حاضر ہوتا، لیکن اب جبکہ روانگی میں صرف ایک گھنٹہ باقی ہے، اور ملاقات کرنے والے ہجوم کرکر کے یہاں آرہے ہیں، میں اس صورت میں نہیں جاسکوں گا۔اگر وہ ملنا چاہیں تو ہوائی اڈے پر تشریف لے آئیں۔چنانچہ سلطان صاحب وہاں پہنچے لیکن حضرت مہتمم صاحب تک نہیں پہنچ سکے جس کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔

ساڑھے بارہ بجے ہوائی اڈے کے لئے روانگی ہوئی، بہت سے حضرات خود حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ موٹروں میں روانہ ہوئے اور باہر سے آئے ہوئے علماوفضلاء دارالعلوم اپنے طلباء اور رفقاء کے ساتھ پیدل ہی پہنچ چکے تھے، نیز شہر کا ایک عظیم الشان مجمع کافی دیر پہلے وہاں جمع ہو چکا تھا، حضرت مہتمم صاحب کے پہنچنے پر ''ایڈروم زندہ باد'' کے نعروں سے گونج اٹھا، اس مظاہرہ اخلاص کے بعد لوگ جمع ہوگئے، اور سادہ لوح لیکن با اخلاص غرباء نے ایک اور دو دو روپیہ دارالعلوم کے لئے پیش کرنا شروع کیا، یہ وقت اگرچہ اس کا نہیں تھا، لیکن حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ان کی دلداری کیلئے بذات خود مختلف چھوٹے چھوٹے پرچوں پر ان بے لوث غرباء اور مساکین کے پتے لکھ کر یہ چندے جو مقدار میں ہلکے ہونے کے باوجود خلوص کا بیکراں وزن رکھتے تھے، قبول فرمائے، اور حضرت بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی الہامی وصیت کے مطابق برکت وامداد غیبی کے سرچشمے انہی سے پھوٹتے ہیں، جہاز ایک گھنٹہ لیٹ پہنچا، اس لئے یہ سلسلہ طویل تر ہوگیا اور تقریباً دو اڑھائی سو روپے ان حضرات نے پیش فرمایا، جہاز آیا اور الوداع ملاقاتوں کے بعد پرشور نعروں کے ساتھ ان محبین نے رخصت کیا، دو گھنٹے کا یہ ہوائی سفر سوا دو بجے دوپہر کو شروع ہوا، اور ٹھیک سوا چار بجے رنگون ایرپورٹ پر جہاز بخیریت اتر گیا، اس سفر میں حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ راقم الحروف اور میزبان محترم مسٹر اسماعیل باگیا صاحب تھے، قیام گاہ پہونچ کر جمع شدہ ڈاک دیکھی، نماز عصر کے بعد ملاقات کے لئے لوگ آنے شروع ہوگئے، اور یہ سلسلہ حسب معمول گیارہ بجے شب تک جاری ہے۔

۱۹رفروری: ناشتہ سے فراغت کے بعد مختلف حضرات آتے رہے دس بجے مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری تشریف لائے، اور اپنے قائم کردہ ''بوڑھوں کے گھر'' لے گئے، اس کے پیچھے ایک عبرتناک تاریخ ہے اور وہ یہ کہ امریکن عیسائی مشنری نے سب سے پہلے اس قسم کا ایک گھر قائم کیا اور ہر قسم کی رہائشی آسائشیں اس میں مہیا کیں اور اس میں مفت خدمت ورہائش کا انتظام کرکے ہر قوم ومذہب کے لاوارث وپریشان بوڑھوں کو رکھنے کا انتظام کیا رفتہ رفتہ اس میں سات بوڑھے مسلمان بھی پہونچ گئے، جن میں ایک حافظ قرآن بھی تھے، اور ان سہولتوں کا معاوضہ یہ وصول کیا گیا کہ ان مسلمانوں کو بھی گرجا گھر میں لے جاکر اور ان کی جہالت سے فائدہ اٹھاکر عیسائی، بنالیا گیا جب اس کی اطلاع مولانا مظاہری صاحب کو ہوئی تو طبعاً انہیں تجسس پیدا ہوا، اور رنگون ہی کے ایک مخیّر تاجر شیخو بھائی صاحب کی معاونت سے اسی طرز پر یہ بوڑھوں کا گھر قائم کیا، اور بڑی رسہ کشی کے بعد ان ساتوں بوڑھوں کو وہاں سے نکال لیا جہاں چند روٹیوں کے عوض ان کی متاع ایمان خریدی جارہی تھی، ان میں بعض ہندوستان

کے تھے اور بعض پاکستانی، ان کی خواہش پر ان کیلئے اپنے اپنے وطن جانے کا انتظام کر دیا گیا۔ اس وقت تین بوڑھے وہاں موجود ہیں جن کی پوری خدمت بھی ہو رہی ہے اور ان کو مختصر اُدینی معلومات بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ یہ عمارت ایک باغیچہ میں ہے، جہاں ساتھ ہی ایک بچہ کا مکتب، اور مسجد بھی ہے۔ حضرت مہتمم صاحب نے ان حضرات کی اس خدمت کو بہت زیادہ سراہا، واپس آ کر ظہر بعد آرام کیا، اور عصر کے بعد جناب سلیمان اسحاق بھومدت صاحب کی دعوت پر پاک لین باغیچے میں گئے، جھیل کے کنارے داعی صاحب نے نہایت خوبصورت بنگلہ تعمیر کیا ہے، نہایت خوش منظر جگہ ہے، یہ دعوت حضرت مہتمم صاحب کے اعزاز میں نہایت وسیع پیمانے پر دی گئی جو جس میں دوسو سے زائد معززین شہر کے علاوہ دونوں مسلم وزراء عزت مآب عبدالرشید صاحب اور عزت مآب عبداللطیف صاحب بھی شریک تھے قبیل مغرب جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل دیوبند نے حضرت مدظلہ کی خدمت میں عربی سپاس نامہ جو نہایت وتسبیح کلمات پر مشتمل تھا۔ جس کے جواب میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے تقریر پون گھنٹہ ارشاد فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا محترم نے سپاس نامے میں دو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں، ایک میری ذات سے متعلق کلمات توصیف ہیں جو مولانا موصوف کے حسن ظن اور کریم النفسی کی دلیل ہیں کہ انہوں نے اپنے ایک بھائی کی عزت افزائی فرمائی۔ دوسرے میری نسبت سے متعلق، سو اس سے مجھے انکار بھی نہیں کیوں کہ وہ میرا اپنا کمال نہیں ہے، اور نسبتوں کی توقیر خود منشاء شریعت ہے۔ قرآن نے فرمایا کہ اولاد میں اگر امین موجود ہو تو مراتب میں ترقی دیکر ان کو صالح ماں باپ کے مساوی کر دیا جائے گا۔ ایسے ہی کتاب اللہ، رسول اللہ بیت اللہ کی عظمت کی وجہ نسبت مع اللہ ہے۔ ذرہ میں چمک آفتاب کی ہوتی ہے، اس کا کمال صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ آفتاب سے منہ نہ موڑے، تو ہمارا وصف کمال بے کمالی کے ساتھ صرف یہ ہی ہے کہ ہم نے جماعت مقبولین کے آفتابوں سے منہ نہیں موڑا، اور اس پر ہم حق تعالیٰ کے شکر گزار ہیں۔ مغرب کے وقت یہ تقریر ختم ہوئی، یہ تقریر اختصار کے باوجود نہایت مؤثر ثابت ہوئی۔ کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد دونوں مسلم وزراء نے خلوت میں دیکھ کر حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔ جس میں مختلف علمی اور فقہی مسائل زیر تذکرہ آئے، ساتھ ہی ان دونوں نے دارالعلوم کی جمع شدہ رقم کے بارے میں پوری سہولتیں مہیا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ عشاء بعد قیام گاہ پر پھر حسب معمول مجلس مذاکرہ رہی، جو گیارہ بجے تک جاری رہی۔

۲۰ر فروری: صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ اچانک میزبان محترم مسٹر اسمٰعیل باگیا صاحب نے سلیمان مدھا صاحب کے صاحبزادے مسٹر موسیٰ مدھا کے گذشتہ رات میں اغوا کئے جانے کے افسوسناک واقعہ کا اطلاع دی یہ ایک انتہائی طریقہ یہاں باغیوں نے جاری کر رکھا ہے کہ کسی مالدار وسربرآوردہ شخص کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر بذریعہ ڈاک متعلقین سے ایک زبردست رقم کا مطالبہ کرتے ہیں، جو اگر اچانک وقت مقررہ پر ادا کر دی گئی تو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ قتل کر ڈالتے ہیں۔ مدھا صاحب چھتری وصابن کے کارخانے دار اور کروڑ پتی لوگوں میں ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے ہیں، حضرت مہتمم صاحب بمع راقم الحروف اور باگیا صاحب مدھا صاحب کے یہاں مواساۃ کے لئے تشریف لے گئے، ضعیف العمری میں مدھا صاحب کے لئے یہ حادثہ انتہائی صبر آزما ہے، تقریباً نصف گھنٹہ وہاں ٹھہر کر موعودہ پروگرام پر روانہ ہوئے۔ ۹ر بجے جناب بخشش احمد صاحب (فیض آباد) سیکرٹری مسلم انجمن رنگون کی دعوت پر انجمن کے خصوصی اجلاس میں تشریف لے گئے، سیکرٹری صاحب نے نہایت وقیع الفاظ میں تعارف کرایا اور ممبران سے ملایا۔ پھر حضرت مہتمم صاحب سے درخواست کی کہ ہمیں کچھ نصیحت فرمایئے، حضرت مہتمم صاحب نے ایک مختصر تقریر موضوع اجتماعیت پر فرمائی اور اسکی شرعی حیثیت اور مطلوبیت کو دلنشیں انداز میں واضح فرمایا، اور اراکین کو اس اجتماعی خدمت پر مبارک باد کے ساتھ خلوص نیت کی تلقین فرمائی۔ بعد میں سیکرٹری صاحب نے انجمن کی اجتماعی تاریخ اور خدمات بیان کیں اور پھر ممبران انجمن کی جانب سے مبلغ اٹھارہ سو روپے دارالعلوم دیوبند کے لئے پیش فرمائے۔ جزاہم اللہ

۱۱ر بجے قیام گاہ واپس آ کر آرام کیا،عصر کے بعد جناب حاجی محمد سلیمان خانجی تاجر کی طرف سے اسی پاک لین میں اعزازی دعوت دی گئی، اس میں بھی شہر کے تمام ہی معززین موجود تھے، اس موقعہ پر بھی وزیر عدل مسٹر عبداللطیف صاحب اسی بے تکلفی کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے علمی استفادہ کرتے رہے۔آٹھ بجے واپس آئے،آج ۹ر بجے حضرت کی الوداعی تقریر کلی ۲۶ر میں ہے،اس لئے نماز سے فارغ ہوکر حضرت مہتمم صاحب اجلاس میں تشریف لے گئے، جہاں آپ نے اہل رنگون اور اہل برما کی مہمان نوازی پر نہایت لطیف پیرائے میں شکریہ ادا فرمایا اور ساتھ ہی ''حقیقت شکر'' پر مبسوط علمی تقریر فرمائی جس میں مراتب وثمرات شکر پر حقائق شرعیہ بیان فرمائے جس پر متعدد ارباب علم نے بیساختہ کہا کہ شکر کی حقیقت ہم پر آج منکشف ہوئی ہے۔یہ عظیم الوداعی نسبت تاثیر وتأثر کے لحاظ سے غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔اور حاضرین تأثر کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب کی واپسی وطن پر بادیدۂ ترمل کر اظہار عقیدت و نیاز کر رہے تھے۔۱۱ر بجے واپسی ہوئی،سامان سفر کی تیاری کی کیونکہ کل شام کو روانگی ہے صبح سے مسلسل پروگرام ہیں جس میں تیاری کا موقع نہیں ملے گا۔

۲۱ر فروری: آج رنگون سے روانگی کا دن ہے،۵ر بجے شام کو''ایس،ایس،سانتھیا''بحری جہاز پر سوار ہوجانا ہے جو رات کو رنگون بندرگاہ پر کھڑا اور اعلی الصبح روانہ ہوگا۔نماز فجر کے متصل بعد جناب ایس ایم بھیات صاحب (ٹرپولنگ ایجنٹ) نے چائے پر مدعو کیا،موصوف ہی نے حضرت کے اس جہاز سے ٹکٹوں وغیرہ کا انتظام کیا تھا،وہاں سے فراغت کے بعد بعض دوسرے محبین چند چند منٹ کے لئے اپنے اپنے مکانات پر بغرض حصول برکت لے گئے،۸ر بجے ایچ اے عزیز اینڈ کو مالک جو حکیم صاحب کے نام سے مشہور ہیں اپنے کارخانہ لے گئے، یہ رسّے بنانے کا کارخانہ ہے، جہازوں کی لنگر اندازی کے زبردست رسّے یہاں مشین تیار کر رہی ہیں۔یہ کارخانہ نہایت عظیم الشان ہے عجلت کے باوجود ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ پھر ۹ر بجے کا وقت جناب شیخ بشیر صاحب (جو پنجابی الاصل ہیں لیکن اب برمی ہیں) نے اپنا ربڑ کا کارخانہ دکھلانے کے لئے باصرار لے رکھا تھا، وہاں جانا پڑا،اس کارخانے میں ربڑ اور کپڑے کے جوتے اور سائیکل کے ٹیوب بنتے ہیں، یہ برما بھر میں سب سے بڑا کارخانہ ہے،اس میں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگا، یہاں سے واپسی پر ۱۱ر بجے کا وقت بغرض ملاقات وزیر اعظم برما جناب اونو صاحب نے لے رکھا تھا،حضرت مہتمم صاحب براہ راست مقررہ وقت پر وہاں تشریف لے گئے،موصوف اس سے قبل خود تشریف لاکر ایک شادی کے موقعہ پر ملاقات کر چکے تھے، مذہباً بدھ مت ہیں،لیکن مذہبی رجحانات بہت زیادہ رکھتے ہیں،اپنے مذہب کی پوری پابندی کرتے ہیں،اور ساتھ ہی دیگر مذاہب کے مذہبی لوگوں سے گہری دلچسپی ہے، چنانچہ حضرت مہتمم صاحب سے مذہبی موضوع پر دیر تک ترجمان کے ذریعہ گفتگو کرتے رہے،اور دارالعلوم دیوبند کی علمی تاریخ بڑی دل چسپی سے سنتے رہے،واپسی کے وقت نہایت مسرت کا اظہار کرتے ہوئے مبلغ دو ہزار روپیہ دارالعلوم کے لئے پیش فرمایا جس پر حضرت مہتمم صاحب نے وقیع الفاظ میں موصوف کا شکریہ ادا کیا۔

آج شب میں وزیر عدل مسٹر عبداللطیف صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کے اعزاز میں زبردست دعوت پہلے سے دے رکھی تھی، کیونکہ سابقہ اطلاع یہ تھی کہ جہاز پر چڑھ جانے کی اطلاع مل چکی تھی،لیکن وزیر موصوف نے خصوصی طور پر حضرت مہتمم صاحب اور ان کے رفقاء کے لئے استثناء کرایا اور رات کو ۱۱ر بجے دعوت وتقریر سے فراغت کے بعد جہاز پر جانا طے ہوا۔چنانچہ سامان ۵ر بجے ہی چند حضرات لے گئے،اور حضرت مہتمم صاحب کو بندرگاہ تک جانے کی زحمت نہیں دی گئی۔اسی طرح وزیر موصوف نے کسٹم کے عمومی ضابطہ سے بھی حضرت مہتمم صاحب کے سامان کو مستثنیٰ کرانے کا آڈر جاری فرمایا۔خیال تھا کہ رات کو ۸ر بجے جہاز گودی چھوڑ دے گا،اور پانی کی کمی کی وجہ سے نصف میل کے فاصلے پر کھڑے ہوکر رات گذارے گا،اس پر وزیر صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کو بمع رفقاء جہاز تک پہونچانے کا اپنی سرکاری موٹر لانچ کے ذریعہ

انتظام فرمادیا۔ نہایت اطمینان سے نماز مغرب قیام گاہ پر ادا کی، جہاں مولانا مظاہری اور مفتی محمود صاحب کے علاوہ ایک بڑا مجمع موجود تھا، معمولات سے فارغ ہوکر حضرت مہتمم صاحب بمع ان تمام حضرات کے جو سب کے سب وزیر صاحب کے یہاں مدعو تھے روانہ ہوئے، وزیر صاحب کا بنگلہ جو ایک خوبصورت باغیچے میں واقع ہے بقعۂ نور بنا ہوا تھا، اور ایک بڑا مجمع منتظر تھا، ادھر زنانخانے میں بیگم لطیف صاحبہ نے حضرت مہتمم صاحب کی اہلیہ محترمہ کے اعزاز میں خواتین کو مدعو کیا تھا، یہ دعوت ایک امتیازی حیثیت رکھتی تھی، کھانا کھلانے کے فرائض خود وزیر صاحب موصوف اپنے ملازمین کے ساتھ گھوم پھر کر انجام دے رہے تھے اور ان کی یہ بے تکلفی قابل رشک نظر آرہی تھی، دعوت کے بعد باہر لان میں تقریر کا انتظام تھا، آل برما ریڈیو کی ٹرانسمیٹر لاری لاؤڈ اسپیکر سے حضرت مہتمم صاحب کی تقریر کا ریکارڈ نک کرنے کے لئے منگائی گئی تھی، حضرت مہتمم صاحب کی تقریر شکر وامتنان پر مشتمل تھی، اختتام تقریر پر وزیر صاحب نے یہ ریکارڈ سنایا جو نہایت صاف اور طبعی آواز میں تھی۔ روانگی کے وقت وزیر بنفس نفیس بندرگاہ تشریف لائے اور جہاز پر اوپر تک آکر الوداع کہا۔ بندرگاہ پر ایک بڑا مجمع موجود تھا۔ جہاز کے اندر تک آنے والوں میں پورا باگیا خاندان تھا اور اس کے علاوہ مولانا مظاہری، مفتی محمود صاحب، وزیر صاحب اور دیگر معززین تھے، یہ سب حضرات نہایت محبت واحترام کے ساتھ رخصت کرکے ساڑھے گیارہ بجے واپس ہوگئے۔

۲۲ر فروری: رات بھر بندرگاہ رنگون پر کھڑے رہنے کے بعد جہاز صبح ۸ر بجے روانہ ہوا۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے حسب معمول تصنیفی کام شروع فرمادیا۔ آپ کی اکثر تصانیف دروان سفر میں تحریر ہوئی ہیں کیوں کہ اس میں ہی لمحات فرصت زیادہ میسر آتے ہیں اور اس میں ریل کی حرکت بھی مانع نہیں بنی، اور یہاں تو پانی کے جہاز میں حرکت ہی نہیں محسوس ہوتی اور پھر قیام تین چار روز مسلسل، اس لئے آپ نے زیر تصنیف رسالہ ''علم غیب'' کی محققانہ تکمیل اس سفر میں شب وروز لگ کر فرمالی۔ جس کا ایک حصہ دوران سفر ہی میں راقم الحروف کو بھی سنایا۔ اسی جہاز میں مولوی عبدالحمید صاحب جماعت تبلیغ کی جانب سے جاپان سے واپس آرہے تھے، وہ بھی بعض اوقات استفادہ فرماتے۔ ان کے ساتھ ایک جاپانی مسلمان تھے جن کو تربیت کے لئے ہندوستان لایا گیا تھا۔

۲۳ر فروری: بحری سفر جاری رہا، اور سلسلۂ بفراغ وقت چلتا رہا۔

۲۵ر فروری: ایک سعادت عظمی اور بشارت کبریٰ حضرت ابی محترم مدظلہ کا ایک مبارک خواب!

سفر رنگون سے واپسی میں ۲۴ر رجب ۱۳۷۶ھ ۲۵ر فروری ۱۹۵۷ء یوم دوشنبہ کو اخیر شب میں جہاز ہی میں حضرت قبلہ مدظلہ نے یہ خواب دیکھا جو احقر کو صبح ہی سنایا۔ فرمایا:

کہ ''میں نے دیکھا کہ میں اور تم (یعنی احقر محمد سالم) کسی دوسرے شہر میں ہیں، مجھے معلوم ہوا کہ اس شہر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں، یہ سنکر میں تنہا ان کو تلاش کرتا ہوا ان تک پہونچ گیا، ملاقات ہوئی تو نہایت بزرگانہ شفقت سے پیش آئے، ملاقات کے بعد یہ یقین خواب ہی میں ہوگیا کہ میں تابعی بن گیا کیوں کہ عیاناً ایک صحابی ومقرب کی زیارت سے مشرف ہوگیا، اس پر اللہ کا شکر ادا کیا، اور ساتھ ہی دل میں یہ داعیہ بھی پیدا ہوا کہ تمہیں (محمد سالم) بھی ملاؤں تو قیام گاہ واپس آیا، اور تم سے کہا کہ اس شہر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ موجود ہیں میں نے زیارت کرلی اور الحمدللہ تابعی بن گیا، تم بھی یہ شرف حاصل کرلو، یہ سنکر تم بڑے شوق سے میرے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئے، اب معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا تو مکان بھی یہیں ہے، تو میں اور تم ان کے مکان پر ہی حاضر ہوئے، وہاں جاکر دیکھا تو وہ اپنا ہی قدیم جدی مکان ہے (حضرت نانوتویؒ والا) اور وہاں اماں عائشہ بھی موجود ہیں اور ان کی والدہ بھی، یعنی بڑی دادی بو، یہ دیکھ کر ہمیں اور بھی زیادہ خوشی ہوئی، اور اماں عائشہ نے بھی یہ ہی کہا کہ

ہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہیں رہتے ہیں، اور ابھی تشریف لاتے ہیں، تھوڑی ہی دیر میں حضرت علیؓ تشریف لے آئے، تو میں نے نہایت ادب سے ملاقات کی تو پھر انتہائی شفقت فرمائی، اس کے بعد میں نے کہا کہ حضرت! یہ سالم آیا ہے، تو اس پر تم سے ملاقات کے لئے اس طرح بڑھے کہ جیسے منتظر ہی تھے، تم نے ادب سے جھک کر ملاقات کی، تو میں نے کہا کہ معانقہ کرو، تم بڑھے اور ادب کی وجہ سے رک گئے، تو فرمایا، کہ بس ٹھیک ہے اور خود سے انہوں نے ہی معانقہ کیا اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا بھی حضرت علیؓ ہی کے گھر سے جاتا تھا، تو میں نے (حضرت قبلہ) عرض کیا کہ حضرت! ہمیں ان برتنوں کی زیارت کرادیجئے کہ جن میں حضورؐ کا کھانا جاتا تھا، فرمایا بہت اچھا، اور یہ فرما کر اندر سے ایک مونجھ کا پیالہ لائے جس میں اندر بال سے کھڑے ہوئے ہیں، اور فرمایا، اس میں حضورؐ کا کھانا جاتا تھا، تو ہم نے اس پیالے کو چوما اور ادب سے سر پر رکھا، اور دیر تک اس سے اکتساب فیض کیا، اس کے بعد آنکھ کھل گئی، حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

احقر سے بعد میں حضرت قبلہ نے فرمایا کہ یہ خواب میرے اور تمہارے حق میں انشاء اللہ فالِ نیک ہے، اور فرمایا، اماں عائشہ اور دادی بو کی مقبولیت کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ (محمد سالم قاسمی)

جہاز تین بجے پہونچ گیا تھا، لیکن کسٹم وغیرہ کے انتظار میں کچھ وقت لگا کلکتہ بندرگاہ پر حاجی عارف صاحب، بابو صاحب و صاحبزادہ حاجی غلام رسول صاحب اور ان کی فرم کے دوسرے حضرات کاریں لئے ہوئے تھے، کسٹم کے جدید ضوابط کی رو سے کسٹم ہاؤس میں کسی کو آنے کی اجازت نہیں، اس لئے خیال تھا کہ سامان وغیرہ کی دیکھ بھال اسی طرح سے ہوگی جس سے عام طور پر ہوتی ہے، لیکن اچانک ضابطہ کے نمبر کے خلاف بہت سے لوگوں کو چھوڑ کر خود بخود کسٹم والے حضرت مہتمم صاحب کی جانب متوجہ ہوئے اور نہایت متانت سے ایک دو اعداد کو سرسری دیکھ کر بقیہ تمام کو پاس کردیا۔ اور بسہولت یہ مرحلہ طے ہوگیا۔

کلکتے کے محبین و مخلصین سے باہر آکر ملاقات ہوئی، قبیل مغرب قیام گاہ (دولت گدہ عالی جناب شیخ غلام رسول صاحب) پر پہنچے، نماز مغرب کے بعد مختلف حضرات بغرض ملاقات تشریف لاتے رہے۔

۲۶ر فروری: نماز فجر کے بعد جناب مولانا ضیاء الدین صاحب فاضل دیوبند نے حضرت مہتمم صاحب کو دعوت چائے دی جس میں مولانا حمید الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ بمع دیگر حضرات علماء نے شرکت فرمائی۔ ۱۰ر بجے قیام گاہ مولانا سعید احمد صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ بغرض ملاقات تشریف لائے اور دیر تک دلچسپ علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔

۴ر بجے شام کو مولانا حمید الدین صاحب نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو مدعو فرمایا۔ اس میں بھی پرنسپل صاحب مولانا ضیاء الدین صاحب، مولانا محمود حسن صاحب اور بعض معززین شریک تھے، اس میں علم حدیث کے بعض اہم موضوعات زیر تذکرہ آئے اور اس غذائے روحانی نے اس قدر طول پکڑا کہ عصر عشاء تک وقفہ نماز کے علاوہ مسلسل یہ مجلس جمی رہی اور استفادہ کا موقعہ ملتا رہا۔

نماز عشاء کے بعد آج کولوٹولہ جامع مسجد کلکتہ میں مولانا ضیاء الدین صاحب کے زیر انتظام جلسۂ عام منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ستائیسویں رجب کی مناسبت سے مسئلہ معراج پر نہایت جامع اور مبسوط تقریر فرمائی۔ اڑھائی گھنٹے اس عارفانہ تقریر کے بعد یہ جلسہ ختم ہوا۔

۲۷ر فروری: آج کا دن فارغ رہا، سامان وغیرہ کی درستگی اور بعض ضروری چیزوں کی خرید کے بعد ملاقاتوں کے لئے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ مختلف حضرات کے مکانوں پر تشریف لے گئے۔ اس عرصہ میں عالی جناب شیخ غلام رسول صاحب ڈھاکہ گئے ہوئے تھے جن سے ملاقات نہ

ہونے کا بڑا افسوس رہا۔ آپ کے صاحبزادے جناب شیخ زین العابدین صاحب نے نہایت مدارات کے ساتھ میزبانی فرمائی، لیکن ۲۷ر کو ۱۱ر بجے اچانک حاجی صاحب ڈھاکہ سے کلکتہ پہنچ گئے اور ان کی ملاقات سے بے حد مسرت ہوئی اور اسی طرح حضرت مہتمم مدظلہ کے قیام سے وہ خود بھی نہایت خوش ہوئے۔ شب میں دس بجے دہلی اکسپریس سے روانگی تھی، حاجی صاحب نے سامان وغیرہ کچھ لوگوں کے ہمراہ پہلے روانہ کر دیا، اور حضرت مہتمم صاحب کو خود لے کر تقریباً پونے دس پر اسٹیشن پہونچے۔ شہر کے اور بھی متعدد حضرات الوداع کہنے کے لئے تشریف لے آئے اور گاڑی چلنے تک سب حضرات وہیں رہے۔

دورات اور ایک دن کا یہ سفر پورا کر کے یکم مارچ کی صبح کو غازی آباد سے گاڑی تبدیل کی۔

۲۸ر فروری: یہ دن مسلسل سفر میں گذرا، جس میں حضرت مہتمم صاحب کا حسب معمول تصنیف جاری رہا۔

یکم ر مارچ: نماز فجر غازی آباد اسٹیشن پر ادا کر کے دوسری گاڑی میں سوار ہو گئے، پونے دس بجے گاڑی مظفر نگر اسٹیشن پر پہنچی، یہاں راقم الحروف کے دونوں بھائی عزیزی مولوی محمد اسلم سلمہٗ و مولوی محمد اعظم کے علاوہ قاری اخلاق احمد صاحب صدیقی منیجر ادارۂ تاج المعارف دیوبند، مولانا محمد احمد صاحب گل ناظم شعبۂ تنظیم و ترقی دارالعلوم دیوبند، سید محبوب صاحب رضوی نگراں شعبۂ محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند، مولوی عبدالواحد صاحب ناظم محاسبی دارالعلوم دیوبند، سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر مدیر رسالہ دارالعلوم دیوبند اور دوسرے متعدد اراکین دارالعلوم دیوبند پر مشتمل ایک بڑا مجمع استقبال کے لئے آیا تھا۔

نصف گھنٹے بعد دیوبند پہونچے تو اسٹیشن پر حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ بلیاوی شیخ المعقول دارالعلوم، حضرت نائب مہتمم صاحب، مولانا معراج الحق صاحب مدرس دارالعلوم، مولانا خالد سیف اللہ صاحب ناظم دارالصنائع دارالعلوم اور دیگر حضرات مدرسین و کارکنان دفاتر دارالعلوم اور طلبائے دارالعلوم کا ایک مجمع عظیم خوش آمدید کہنے کے لئے موجود تھا۔ یہ تمام حضرات نہایت محبت و اخلاص کے ساتھ ایک عرصے سے حضرت مہتمم صاحب کی تشریف آوری کے بے چینی سے منتظر تھے، قریباً ایک گھنٹے تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد حضرت مہتمم صاحب زنانخانے میں تشریف لے گئے۔ آپ کی والدۂ محترمہ دو ماہ سے سخت علیل ہیں۔ ان کی علالت کی اطلاع پر ہی حضرت مہتمم صاحب نے واپسی میں عجلت فرمائی اور بہت سے ضروری پروگراموں کو ملتوی فرمایا۔ طویل بیماری نے ان کو نہایت کمزور کر دیا ہے، عمر بھی اسّی سال سے متجاوز ہے۔ انہوں نے اس بیماری میں بذریعہ خطوط اس آرزو کا اظہار فرمایا کہ ''میں چاہتی ہوں کہ ایک مرتبہ تمہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لوں''۔ سعادتمندی کی یہ مثال بھی مشکل سے ملتی ہے، والدۂ محترمہ اپنے عظیم المرتبت بیٹے کی اس سعادت، طویل مفارقت کے بعد ملاقات پر فرطِ مسرت سے آبدیدہ ہوئیں اور دیر تک دعائیں دیتی رہیں، شام کو ۴ر بجے برمی طلبائے دارالعلوم نے جن کی تعداد ۵۰ر کے قریب ہے حضرت مہتمم صاحب کو دعوت دی، جس میں اکابر اساتذہ کو بھی بلایا، اور سپاسنامہ پیش کیا۔ جواباً حضرت مہتمم صاحب نے شکریہ و احوال شکر پر مشتمل تقریر فرمائی۔ مختصر اس لئے کیا کہ آج ہی نماز عصر کے بعد طلبائے دارالعلوم نے حضرت مہتمم صاحب سے اس کی درخواست کی تھی کہ ہمیں بھی تفاصیل سفر سنائی جائیں۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد سے مغرب تک حضرت مہتمم صاحب نے برمی مسلمانوں کے دارالعلوم کے لئے گرانقدر عطیہ اور مہمان نوازی، اطراف برما کے سفر، وزیر اعظم اونو کی کرم فرمائی وغیرہ کا تذکرہ فرمایا جس پر سب حضرات نے حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

۲ر مارچ: آج بعد نماز ظہر ناظم صاحب محاسبی دارالعلوم مولوی عبدالواحد صاحب نے منجانب شعبۂ محاسبی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو بخیر و کامیاب مراجعت پر دفتر اہتمام میں ایک بڑے مجمع کے ساتھ دعوت چاء دی جس میں اپنے خلوص و محبت کو نظم میں پیش فرمایا۔

نظم ملاحظہ ہو۔

ترحیب بخدمت فخر الاماثل حضرت مولانا الحاج القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

السلام اے طیبِ عالی مقام
السلام اے ماہتاب اہتمام
السلام اے قائد دارالعلوم
اے تو شمع ملت خیرالانام
السلام اے یادگارِ قاسمی
السلام اے مایۂ نازِ کرام
مرحبا اہلاً و سہلاً مرحبا
از سفر واپس شدی باخیر تام
دائما فخرالاماثل بودۂ
امتیاز تو مسلّم در انام
طرز تصنیفِ تو از حد دل پسند
درخطابت بے گماں ہستی امام
ساقیٔ صہبائے علم و معرفت
باہمی خواہیم از تو دورِ جام
خطرۂ طیارہ از تو دور شد
فضلِ خاصِ ایزد است ایں لا کلام
شکر ایں انعام ربِّ ذوالمنن
فرض برآباد شد ہر صبح و شام
دائما باشی تو در حفظ خدا
حق تعالیٰ دارَدَت فائز مرام
مہرِ اقبالت ہمیشہ در عروج
فیض تو سایہ فگن برما مدام
واحدِ شیریں سخن تاریخ گفت
آمدی باز آمدی باخری تام

۶ ۷ ہجرے ۱۳

(از نیاز مند: احقر عبدالواحد ناظم محاسبی دارالعلوم دیوبند، المتخلص بہ آباد)

مجلس اصلاح نسواں کا ایک دینی اور تاریخی اجتماع

۱۸؍جنوری ۱۹۵۷ء کا مبارک دن بھی ہماری مجلس کے ممبروں اور میرے لئے خاص طور سے یادر کھنے کے قابل ہے کیونکہ اس دن کی بہت سی باتیں خاص اہمیت رکھتی ہیں، اسلئے آج میں ''استقلال'' کے صفحۂ خواتین کے ذریعہ اپنی بہنوں کی خدمت میں اس دن کی ڈائری کا ایک ورق پیش کررہی ہوں، یہ وہ پرمسرت دن کی مبارک گھڑی تھی جبکہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی اہلیہ محترمہ ہماری مجلس میں تشریف لارہی تھیں، صبح ہی سے انجمن کے اراکین پارٹی کی تیاری میں برما مسلم ہائی اسکول پہنچی ہوئی تھیں، یہ اسکول رایل لیک کے سامنے ایک بہت ہی پرسکون جگہ واقع ہے وہیں پر ہماری مجلس اکثر منعقد ہوا کرتی ہے کیونکہ انجمن اصلاح صدر دفتر میں اتنی جگہ نہیں ہے کہ وہاں پر زیادہ مہمان جمع ہوسکیں، اسلئے ۱۹۵۱ء سے جبکہ ہماری مجلس کی ابتدائی بنیاد پڑی تھی وہاں کے پرنسپل جناب صالح احمد کوتوال صاحب نے وہاں ہماری مجلس منعقد کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور اب بھی جبکہ وہاں پر نئے پرنسپل آئے ہیں ان کے بھی خلوص وتعاون سے ہم آج تک وہیں پر مجلس منعقد کیا کرتے ہیں۔

اس دن حسب پروگرام دوپہر کو ظہر کی نماز کے بعد تقریباً اڑھائی بجے جناب اسمٰعیل محمد باگیا صاحب کی کار اسکول کے احاطے میں داخل ہوئی، ممبران مجلس کی منتظر نگاہیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں، بیگم طیب صاحبہ معہ اپنے معزز میزبان بیگم اسمٰعیل محمد باگیا صاحب اور دیگر معزز خواتین کے ہمراہ تشریف لائیں اور تمام بہنوں کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی، تنگی وقت اور چند اہم مصروفیتوں کی وجہ سے اپنی بستی کے اطراف کے تمام مسلم بہنوں کو آپ سے تعارف کرانے کے لئے مدعو نہیں کرسکی کیونکہ صرف ممبران مجلس ہی کو اخبار کے ذریعہ اطلاع دیکر بلایا تھا مگر آپ سے ملنے کے اشتیاق میں اطراف کی بہت سی بہنیں بھی شامل ہیں جو کبھی ایسی مجلسوں میں شریک نہیں ہوسکیں مگر ہماری معزز مہمان سے ملنے کا اشتیاق انہیں آج یہاں کھینچ لایا، خدا کرے کہ آپ کے خلوص اور نیک باتوں کو سنکر انہیں آئندہ اس طرح کی مجلسوں سے دلچسپی پیدا ہوجائے اور کبھی کبھار مذہبی اور اصلاحی جلسوں میں شریک ہوا کریں۔ ہم نے اپنی بہنوں سے آپ کا تعارف کرایا۔ انجمن کی جانب سے خوش کہتے ہوئے انجمن کے اغراض مقاصد مختصر الفاظ میں بیان کئے۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی اہلیہ محترمہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ مجھے تو کوئی لمبی چوڑی اسپیچ دینی نہیں ہے، اور نہ میں زیادہ کچھ کہنا چاہتی ہوں، پھر بھی انجمن اصلاح نسواں کی بہنوں کے خلوص ومحبت سے متاثر ہوکر کچھ کہنے کی جرأت کرتی ہوں۔ میں خواتین برما کی اسلام پسندی کی داد دیتی ہوں، اور شکر گزار ہوں کہ وہ میرے ساتھ اتنی محبت سے پیش آئیں، اس سے میں بہت متأثر ہوئی ہوں۔ آپ نے یہاں کی بہنوں کی تعلیم وغیرہ کی بھی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ بھی یادر کھنے کے لئے فرمایا کہ آپ تمام بہنوں میں جہاں بہت سی خوبیاں نظر آتی ہیں وہاں ایک خامی بھی ہے اور وہ خامی یہ ہے کہ خواتین میں قرآن شریف کو صحیح طرح سے پڑھنے والیاں بہت کم ہیں مثلاً ش اور ق وغیرہ برابر ادا نہیں کرتیں۔ تلفظ اور ہجے کی بعض ذرا سی غلطی سے مطلب بدل جاتا ہے اور اس سے گناہ کا اندیشہ ہے، لہٰذا میں اراکین اصلاح نسواں سے خصوصاً التماس کرتی ہوں کہ وہ اس اصلاح کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ آپ نے انجمن کے اغراض ومقاصد کو بہت پسند فرمایا، اور بانیان انجمن کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے دعاء فرمائی کہ خدا آپ کی انجمن کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی دے، ہر ملک کے مسلمانوں میں ایسے اصلاحی کاموں کی ضرورت ہمیشہ کم وبیش محسوس ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ اصلاحی بہنوں کو ہمت نہ ہارنا چاہئے اور خدا کے بھروسے پر اس کام کو جاری رکھیں۔ ایسی مجلسوں میں صرف دو ہی بہنیں شریک ہوں تب بھی اپنا کام جاری رکھیں، اگر یہ دو بہنیں ہی ان باتوں کو سنکر عمل کریں گی تو آپ کو

ان سینکڑوں کی شرکت سے زیادہ فائدہ ہوگا جو صرف سنتی ہیں اور عمل نہیں کرتیں۔ اسلئے خدا کے سہارے آپ کام کرتی ہیں انشاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ میری نیک دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کی مؤثر تقریر کے جواب میں، جو میں نے ایک مختصر سی تقریر کی تھی، اسے یہاں نقل کررہی ہوں:۔

میری قابل فخر بہن! آج آپ جیسی قابل فخر ہستی سے ملنے کا یہ پہلا موقع ہے یعنی آج ہم سب نے آس سے ملاقات کی، اور آپ کی باتیں سنی ہیں مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے پہلے ہی سے واقف ہیں۔ آپ سے مل کر ہمیں ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی، ہمیں ایسا کیوں محسوس ہورہا ہے اور آپ کے اور ہمارے جذبات کیوں ایسے ہیں؟ اسلئے کہ ہم سب مسلمان ہے، مسلمان چاہے دنیا کے کسی خطے میں ہو، چاہے کسی گوشے میں ہوں مگر جب آپس میں ملتے ہیں تو وہ ایک ساتھ بیٹھتے ہیں، ایک دوسرے سیاس طرح گفتگو کرتے ہیں گویا یہ سب اپنے ہی قریبی رشتہ دار ہیں۔ آج ہم بھی اپنے معزم مہمان سے مل کر ایسا ہی محسوس کرتی ہیں جیسے کہ آپ ہماری سرپرست ہیں، آپ نے جو ہمیں نیک مشورے دئے ہیں انہیں ہم نہایت ہی مسرت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اپنی بہنوں میں بھی پہونچانے کی کوشش کریں گے، ہمیں تعلیم یافتہ ہستیوں کے نیک مشوروں کی سخت ضرورت ہے۔ ان بزرگوں کی مثال ان بڑے بڑے جہازوں کی سی ہے جو بڑے بڑے دریاؤں اور سمندر میں سے بآسانی گذر کر منزل مقصود پر پہونچ جاتے ہیں، اور ہماری مثال ان چھوٹی چھوٹی کشتیوں کی مانند ہیں جو دریا میں تو چلتی ہیں مگر بڑے بڑے دریاؤں اور سمندروں میں سے گزرنا ان کے لئے سخت دشوار اور محال ہے کیونکہ ہم بڑے بڑے طوفانوں اور بادِ مخالف کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں، یہ دنیا کی خطرناک ہوائیں ہمیں ہر طرف سے گھیر کر ہماری کمزور کشتی کو یا تو ڈبو دیتی ہیں یا برباد کردیتی ہیں، اس لئے ہر سمجھدار کشتی بان کا فرض ہے کہ وہ ان بڑے جہازوں کے ذریعہ انکے نقش قدم پر چل کر منزل مقصود پر پہونچنے کوشش کرے۔ یہ بڑے بڑے جہاز ہماری وہ تعلیم یافتہ ہستیاں ہیں جو ہمیں دین کا سیدھا راستہ دکھلاتی ہیں اور منزل مقصود تک پہنچاتی ہیں یعنی خدا سے ملاتی ہیں، یہ ہماری خوش قسمی ہے کہ آج ہم ایسی قابل فخر ہستی سے ملکر نیک مشوروں سے فیضیات ہورہے ہیں۔

انجمن اصلاح نسواں کے فرائض کی انجام دہی میں زیادہ تعداد ایسی نوعمر لڑکیوں کی ہے جو کہ اپنے گھریلو فرائض کی انجام دہی سے کسی قدر آزاد ہیں، بڑی عورتیں اپنے گھر کی فرائض کی انجام دہی، اولاد کی پرورش نیز دوسرے خانگی امور میں مصروف رہتی ہیں اسلئے ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ اس طرح کے کاموں میں زیادہ حصہ لے سکیں، لہٰذا ہماری نوعمر اصلاحی بہنوں کا فرض اولین یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے بتلائے ہوئے اصولوں پر سختی سے کاربند ہوکر اپنی دوسری بہنوں کو بھی اپنے ساتھ سیکھنے اور سکھانے پر آمادہ کریں اور اپنی بہنوں کو صحیح معنوں میں مسلمہ بنانے کی کوشش کریں، ہمیں کسی اچھی بات کے سیکھنے اور اچھے کام کے کرنے میں ذرا بھی نہیں شرمانا چاہئے، مجھے اور آپ کو ابھی بہت کچھ سیکھنا اور کرنا ہے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں آپ کی استاد بن کر آپ کو سکھا پڑھا رہی ہوں، نہیں آیئے میں اور آپ مل کر اس کام کو کریں، اس راہ پر چلیں جس کا حکم جسکی ترغیب جسکی اجازت ہمارا خدا، ہمارا رسول، ہمارا مذہب اسلام دیتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہماری معزز مہمان بیگم محمد طیب صاحب اپنے وطن تشریف لے جاکر ہمیں اپنے قلب سے قریب ہی محسوس کریں گی۔ اس پر بیگم طیب صاحب نے بڑے ہی جوش اور مسرت سے انشاء اللہ ضرور کہا، اتنے میں عصر کی اذان ہوگئی، اسکول کے احاطہ میں جو مسجد تھی وہاں سے زینت بوائز ہوم کے ایک چھوٹے سے لڑکے نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی، اذان کے سننے کے بعد تمام بہنوں نے یکے بعد دیگرے آپ سے ملاقات کی اور آپ بھی نہایت ہی تپاک اور محبت سے اپنی بہنوں سے ملیں، آپ کو لینے کیلئے جو کار آنیوالی تھی وہ نہیں پہنچی تھی، اسلئے آپ نے وہیں پر عصر کی نماز ادا کی، اور آپ کے ساتھ دوسری کئی بہنوں

نے بھی۔تقریباً ۵ر بجے آپ کو لینے کے لئے موٹر آ گئی اور آپ ہم بہنوں کے دلوں میں محبت ومسرت کے جذبات چھوڑ کر اور خود بھی لیکر ہم سے رخصت ہوئیں، رفتہ رفتہ تمام بہنیں بھی رخصت ہوگئیں، ہم سب بھی اپنے مکان واپس ہوئیں، اور اس دن ہمیں اتنا سکون، اتنی مسرت محسوس ہوئی کہ شاید ہی کسی دوسری تقریبات سے لوٹنے کے بعد حاصل ہوئی ہو، اور میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ اس کی وجہ ہمارے معزز مہمان کا وہ پاک جذبہ وہ خلوص وسادگی تھی جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں تھی، اور ہمارے اندر ہونا چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں میں اسی طرح تا قیامت اتفاق واتحاد، خلوص ومحبت اور مساوات قائم رکھے۔آمین۔

تجویز شکریہ مسلمانان برما!

حضرت مہتمم صاحب کے سفر برما سے دارالعلوم کی مالی مشکلات میں جو سہولت پیدا ہوئی مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اس کو خاص طور پر قابل تحسین سمجھتی ہے۔اور برما کے جن حضرات نے اعانت اور امداد فرمائی مجلس ان کے متعلق حسب ذیل تجویز شکریہ منظور کرتی ہے۔

''مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا یہ اجلاس مسلمانان برما کے اس عظیم ترین عطیہ کو جو انہوں نے ایشیا کی عظیم مرکزی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کو عنایت فرما کر اپنی اسلام دوستی اور علم پروری کا ثبوت دیا ہے بہ نظر قدر واستحسان دیکھتا ہے اور اس پر اپنے گہرے جذبات تشکر وامتنان پیش کرتا ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو سفر برما کی دعوت دیکر دو لاکھ سے اوپر کی رقم خطیر دارالعلوم کے لئے پیش کی۔

مسلمانان برما کا یہ گراں قدر عطیہ جہاں دارالعلوم کی بین الاقوامی محبوبیت کی دلیل ہے وہاں مسلمانان برما کے دینی شعور کی بیداری کا بھی قابل غبطہ اعلان ہے مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس اس مبارک خدمت پر بصمیم قلب معاونین برما کی خدمت میں مخلصانہ شکریہ پیش کرتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ مسلمانان برما کو عموماً اور معاونین کو خصوصاً دارین میں اجر عظیم عطا فرمائے (آمین)

مجلس شوریٰ خصوصی طور پر عالیجناب سیٹھ اسمٰعیل محمد باگیا کی خدمت میں جنہوں نے حضرت مہتمم صاحب کو دعوت برمادی اور تحصیل سرمایہ میں پیش پیش ہوکر اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور خود بھی گراں قدر رقم سے دارالعلوم کی امداد فرمائی۔نیز عالیجناب مفتی محمد اسمٰعیل صاحب خطیب جامع مانڈلہ جن کی ان تھک سعی سے مانڈلے کی عظیم رقم وصول ہوئی اور جناب محترم حافظ محمد حسین صاحب خطیب جامع مولمین جنہوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے مولمین سے ایک بھاری رقم دارالعلوم کے لئے فراہم فرمائی اور عالیجناب محترم مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری مدیر اخبار ''دور جدید'' جنکی ذات گرامی اور ان کے اخبار ورسالہ نے دارالعلوم کو پورے ملک میں روشناس کرایا اور حضرت مہتمم صاحب کے پروگراموں سے ملک کو مستفید ہونے اور معاون بننے کا موقعہ دیا۔اور عالیجناب اونو وزیر اعظم برما جنہوں نے اپنی جیب خاص سے دارالعلوم کی لائبریری کو ایک کثیر رقم عنایت فرمائی۔اور عزت مآب جناب محترم مسٹر عبداللطیف صاحب وزیر عدل وانصاف حکومت برما جنکی سعی گراں مایہ سے یہ رقم دارالعلوم تک پہنچ سکی۔اور عزت مآب جناب محترم مسٹر عبدالرشید صاحب وزیر معدنیات حکومت برما جن کے مخلصانہ تعاون سے یہ عظیم رقم سرکاری طور پر منتقل ہوسکی۔کی خدمت میں تہ دل سے ہدیۂ سپاس وتشکر پیش کرتی ہے۔

مولانا مفتی محمود داؤد یوسف مفتی برما، جیسے برما کے مفتی اور وہاں کے معتمد علیہ اشخاص میں سے ہیں، ایسے ہی وہ دارالعلوم کے معاونین خصوصی اور اکابر دارالعلوم کے خصوصی وابستگان میں سے بھی ہیں۔برما کی عظیم امداد کے حصول اور اس کے دارالعلوم میں منتقل ہونے کے سلسلہ میں مولانا ممدوح کی مستقل خدمات اور مساعی شامل ہیں جن پر مجلس خصوصیت سے مولانا ممدوح کی شکر گذار اور ان کے حق میں دعا گو ہے۔''

❁ ❁ ❁

تکبیر مسلسل

فخر ملت حضرت مفتی صاحب کا دورۂ گجرات، دمن ومہاراشٹر

(۲ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۶ر دسمبر ۲۰۱۳ء تا ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰ر جنوری ۲۰۱۴ء)

..... ● مفتی محمد انصار قاسمی

نئی نسل کی کامیابی کیلئے اس کا قرآن کریم سے جڑنا اور نبیؐ کے اسوہ کو اختیار کرنا ضروری ہے

''جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ'' مدھوبنی کے ذمہ داران، اساتذہ اور طلبہ کے لئے وہ دن انتہائی خوشی ومسرت کا تھا، جب رئیس الجامعہ ناموسِ رسالت کے علمبردار فخر ملّت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی دامت برکاتہم نے یہ اطلاع دی کہ جو جامعہ کے بہی خواہان ہیں وہ ہر وقت اور ہر لمحہ جامعہ کی تعمیر وترقی کی فکر رکھتے ہیں، ان میں انتہائی مخلص الحاج اسماعیل بھائی منصوری (واپی) حاجی اسلام صاحب (ممبئی) حاجی عبدالستار (واپی) حاجی رفیق (بھیلاڈ) حاجی جعفر (واپی) حاجی شکیل شیخ (واپی) وغیرہ جامعہ تشریف لانے والے ہیں۔ پھر وہ دن بھی آیا جب ان حضرات نے راستہ کے پیچ وخم اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے جامعہ میں قدم رنجاں ہوئے، طلبہ جامعۃ القاسم نے ان حضرات کا والہانہ استقبال کیا اور ایک استقبالیہ پروگرام پیش کیا کہ

کس قدر آپ کی آمد کا یقیں تھا دل کو
ہونٹ بے چین ہے اظہارِ تشکر کے لئے

مہمانانِ کرام نے پروگرام کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور اساتذہ کی تربیت اور طلبہ کی جدوجہد کو سراہتے ہوئے رئیس الجامعہ کو واپی آنے کی دعوت دی۔

رئیس الجامعہ مفتی محفوظ الرحمٰن صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے ان کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے ۶ر دسمبر ۲۰۱۳ء کو قاری شمشیر عالم جامعی (استاذ جامعۃ القاسم) کے ساتھ دہلی سے بذریعہ ٹرین سورت کے لئے روانہ ہوئے۔ ۶ر دسمبر کی شام سورت پہنچے اسٹیشن پر نذیر بھائی، اشرف خان (سورت) الیاس بھائی سیدات (مقیم حال پناما) کے بھانجے سعید بھائی مہتر (مٹوار) اور دیگر حضرات استقبال کے لئے موجود تھے اور خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ یہاں سے مٹوار تشریف لے گئے اور عشاء کی نماز کے بعد جامع مسجد میں قرآن کریم کی اس آیت: ''ان الدین عنداللّٰہ الاسلام'' (آل عمران ۱۹) (کہ بلاشبہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے) کی روشنی میں خطاب فرمایا کہ نجات کا راستہ صرف اللہ کا بتایا ہوا طریقہ اور راستہ ہے۔ حاجی اسماعیل بھائی اور حاجی عبدالستار صاحب (واپی) مٹوار پہنچ چکے تھے اس لئے بیان کے بعد واپی آئے پھر ۸ر دسمبر کو جامع الامام محمد قاسم النانوتویؒ، حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے نام سے منسوب ۱۶۰۰۰ر ہزار اسکوائر فٹ پر مشتمل مسجد جس کا سنگِ بنیاد عارف باللہ حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب الہ آبادی، حضرت مولانا سفیان قاسمی نبیرۂ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف)، مولانا خالد غازیپوری شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے ہاتھوں اورسینکڑوں علماء کی موجودگی میں ۲۹ر ربیع الاول ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۸ر اپریل ۲۰۰۶ء کورکھا گیا تھا اوراس مسجد کے متعلق حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف) وسینئر نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے فرمایا کہ ''ہندوستان کی چند مشہور اور تاریخی مساجد میں اس کا شمار ہوگا''۔ اس عالیشان مسجد کے دروازہ ، چوکھٹ اور کھڑکی کے لئے الیاس بھائی سیدات نے پناما سے ۳۲ر ٹن ساگوان کی لکڑی بھیجی تھی جو پانی جہاز کے ذریعہ گاندھی دھام کی بندرگاہ کانڈلہ پرپہنچ چکی تھی اس لئے اس کو دیکھنے اور جامعہ بھیجنے کے لئے واپی سے ساڑھے سات سو کلومیٹر دور گاندھی دھام کے لئے روانہ ہوئے، رفیق سفر حاجی فیضان، حاجی عبدالستار، حاجی رفیق، حاجی جعفر اورسعید بھائی مہتر صاحبان تھے۔ظہر کی نماز قاری صدیق صاحب کے گاؤں سانس رودی کی مدینہ مسجد میں پڑھی۔

۹ر دسمبر کو یہ قافلہ لکڑی بھیجنے کے تمام سرکاری وغیر سرکاری کام سے فراغت کے بعد احمد آباد ہوتے ہوئے واپی کے لئے واپس ہوا، پھر رئیس الجامعہ نے مختلف نشستوں میں حاجی ادریس موسیٰ خان، حاجی منظور خان، سلیم بھائی خیرانی، شبیر بھائی سیروہا۔ حاجی یٰسین، فاروق سولنکی، ذاکر بھائی، مصطفیٰ اجمیری اور دیگر حضرات سے ملاقات کی۔

تجارت تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں کیجئے:

۱۳ر دسمبر کو واپی کی مسجد عائشہ میں اسلام کا نظام تجارت کے موضوع پر خطاب ہوا فرمایا کہ تجارت ایک بہترین عبادت ہے، جب کہ وہ اسلامی طریقے پر ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ سچا امانت دار تاجر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، یعنی اگر تجارت کرنے والا انسان اپنی تجارت میں صداقت وامانت کا پاس ولحاظ کرتا ہے، دھوکہ دہی اور جھوٹ وفریب سے کام نہیں لیتا ہے تو کل قیامت کے دن انبیاء صدیقین اور شہیدوں کے ساتھ عزت وشرف کے مقام پر فائز ہوگا۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ عیب دار سامان کو بیچے اور اپنے بھائی سے اس کو نہ بتائے، اس لئے آپ اپنی تجارت کو قرآن وسنت کے احکام کے مطابق ڈھالئے۔ دھوکہ دہی، سود اور جھوٹ سے پرہیز کیجئے۔ اللہ آپ کی تجارت میں برکت عطا کرے گا۔

۱۴ر دسمبر کو واپی سے اسماعیل بھائی، رفیق بھائی، حاجی فیضان اور قاری شمشیر عالم جامعی کے ساتھ سورت کے لئے روانہ ہوئے، ابھی سورت پہنچے ہی تھے کہ خادم القرآن والسنہ، خداترس، سعی پیہم، عمل محکم کے علمبردار بیشمار مدارس ومساجد اور مکاتب دینیہ، نیز عصری درسگاہوں کے بانی اور سرپرستی کرنے والے سرسید ثانی حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ اکل کوا آنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ لہٰذا اسی رات اکل کوا کے لئے قاری شمشیر عالم جامعی اور قاری صلاح الدین کے ساتھ تشریف لے گئے، فجر کی نماز کے بعد اشاعت العلوم کی مشہور مسجد مسجد میمنی میں آبروئے فکر صدیق حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی، خلیفہ ومجاز عارف باللہ حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ سے ملاقات ہوئی۔ یتلوا علیھم

أیاتک ویعلمهم الکتٰب والحکمة ویزکیهم (البقرة ۱۲۹) کا دعوتِ نظارہ مسجد میمنی پیش کررہی تھی، حضرات اساتذہ اورطلبۂ عزیز کی ایک بڑی تعداد شیخ وستانوی کے پیچھے اللہ کے ذکر میں مست تھی۔ ذکر اللہ کی مجلس کے اختتام کے بعد خادم القرآن مہمان خانہ تشریف لے گئے پھر حضرت ناشتہ کے لئے اپنے گھر لے گئے، ناشتہ کے بعد دارالاہتمام میں ساڑھے سات بجے سے گیارہ بجے تک مولانا وستانوی کے ساتھ ملک میں پھیلے ہوئے مدارس اسلامیہ، اسکول وکالجز، مسلمانوں کے بگڑتے ہوئے حالات اورلادینیت کا جولامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا ہے اس کے سدباب کے لئے طویل گفتگو ہوئی۔ پھردفتر تعلیمات میں شیخ وستانوی کے لائق فرزندار جمند مولانا حذیفہ وستانوی صاحب ناظم تعلیمات جامعہ اکل کوا سے ملاقات اورانتظامی امورکا منہج دیکھ کربے ساختہ دل نے یہ گواہی دی کہ مولانا حذیفہ وستانوی جو ایک عظیم باپ کے عظیم سپوت ہیں وہ یقیناً سپوت ہونے کا علمی اورعملی ثبوت پیش کررہے ہیں، اور جو شیخ وستانوی کے ملت کے ایک عظیم میرکارواں کی حیثیت سے کاموں کے انبار میں معاون ثابت ہورہے ہیں، خدا اس کارواں کو دورتک جاری وباقی رکھے۔ مفتی عبدالرحیم صاحب فلاحی نائب شیخ الحدیث جامعہ اکل کوا جو شیخ وستانوی کے علوم ربانی کے فکرکو اپنی دیدہ زیب کاوشوں سے پورے ہندوستان میں پہنچانے کے علمبردار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں کے درس کا وقت تھا، اسلئے ٹیلیفون سے گفتگو ہوئی اور انہوں نے گھر آنے کی دعوت دی، مولانا نظام الدین قاسمی اورمولانا نعمت اللہ قاسمی استاذ جامعہ اکل کوا کے ساتھ مولانا فلاحی کے گھر پہنچے حسبِ معمول پورے عالمانہ وقار کے ساتھ ضیافت فرمائی اورایک عمدہ خوشبو کی شیشی ہدیۃً پیش کی، یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے مولانا نظام الدین قاسمی جو ہمارے ہم وطن بھی ہیں، اور جنہیں ذوقِ تصنیف وتالیف زمانۂ طالب علمی سے حصہ میں ملی ہے، بلاتردد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جامعہ اکل کوا کے قدیم استاذ ہی نہیں بلکہ دینیات کے شعبہ کو منظّم ومرتب کرنے میں ان کا بھی عظیم کارنامہ ہے، ساتھ ہی ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف اورشیخ وستانوی کی زبان سے کہی باتوں کو قلم کے نوک وپلک سے سنوارنے کا ان کو ہنر بھی خوب آتا ہے، انہوں نے ''تذکرۂ اکابراور''تذکرۂ اکابر تبلیغ'' کتاب عنایت فرمائی جسے بالاستیعاب تو نہیں، لیکن سفر میں جستہ جستہ جو بھی موقع مل سکا دیکھا، تحریر ماشاءاللہ باہم مربوط، کہنہ مشق کی صفت سے ہم آہنگ اورہم رشتہ پایا، اللہ سے اخیر میں دعاءگو ہوں کہ اللہ خوب زورِ قلم عطا کرے۔

ظہر کی نماز کے بعد دارالقرآن میں حضرات اساتذہ کی دعوت کے ساتھ شرکت اورنائب رئیس الجامعہ ونگراں دارالقرآن حافظ محمد اسحاق صاحب وستانوی سے ملاقات ہوئی۔ ظہر کے بعد سورت کے لئے روانہ ہوئے اور جامعہ حسینیہ راندیر شیخ الحدیث وصدرمفتی اسماعیل صاحب کچھولوی، مولانا شبیر احمد قاسمی مہتمم جامعہ حسینیہ سے ملاقات اور جامعہ حسینیہ کے طلبہ کے پروگرام میں شرکت فرمائی۔ پروگرام کے فراغت کے بعد مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی کے فتاوی دینیہ جو۵؍جلدوں پرمشتمل ہے۔ مولانا شبیر احمد قاسمی نے عنایت فرمائی، الحمداللہ فتاوی دینیہ انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ اس لئے ممکن ہوا کہ قطب عالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ مہاجرمدنی

کی تربیت کا ثمرہ ہے۔حضرت مفتی صاحب کے علم وعمل اور زہد وورع جو انہیں اپنے اساتذہ سے ورثہ میں ملا تھا کی بنا پر حضرت شیخ نے خلافت واجازت کی اہم کڑی سے نوازا۔ راندیر صوبہ گجرات کے ضلع سورت میں مسلمانوں کی سب سے قدیم بستی ہے یہاں دو قدیم مدرسہ بھی ہیں، ایک دارالعلوم اشرفیہ اور دوسرا جامعہ حسینیہ دونوں علوم دینیہ کی خدمت میں عرصہ دراز سے مصروف کار ہیں۔

۱۷ر دسمبر کو راندیر سے اولپاڑ پٹھان محلّہ کی مسجد میں بعد نماز ظہر ایک صاحب خیر سے ملاقات ہوئی، پھر دارالعلوم فیض سبحانی سورت کے مہتمم مولانا ارشد میر قاسمی کی دعوت پر دارالعلوم کے بچوں سے عصر کے بعد خطاب فرمایا کہ قرآن وسنت کی تعلیم آپ کا مقصود ہے، علم کسی انسان کے لئے ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہے، اساتذہ آپ کے روحانی باپ ہیں، اس لئے ان کے آداب آپ کا فرض منصبی ہے، اور علم کی جستجو آپ کا مقصود، جب دونوں ہی چیزیں آپ میں جمع ہوں گی تو انشاء اللہ آپ کو علم دین کی دولت سے اللہ رب العالمین مالا مال فرمائے گا۔

مغرب کی نماز مسجد حراء سنگرام سورت میں پڑھی اور سید محمد بھائی سے ملاقات ہوئی۔

۱۸ر دسمبر کو قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب بانی ومہتمم جامعۃ القراءت کفلیتہ اور حضرت مفتی عباس داؤد بسم اللہ نائب مفتی جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل و شیخ الحدیث جامعۃ القرأت کفلیتہ سورت سے ملاقات اور مختلف امور پر گفتگو ہوئی۔ ۱۹ر دسمبر کو مولانا محمد صاحب عمر گاؤں کی جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھی۔ ۲۰ر دسمبر کو سورت کی مسجد حراء میں جمعہ میں اتحاد امت پر خطاب فرمایا، جس میں فرمایا کہ امت کا متحد ہونا بہت ضروری ہے، اور ہم ہر طرح کے گروہی مسلکی اور جماعتی اختلافات سے اوپر اٹھ کر مشترکہ مسائل میں اتحاد کا ثبوت دیں، قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا کہ آپس میں نہ جھگڑو، پس بزدل ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا (الانفال:۴۶) پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔عصر کی نماز صلابت پورہ سورت کی مسجد میں ادا کی اور مولانا قاری سکندر صاحب سے ملاقات ہوئی۔

۲۱ر دسمبر کو قاری شعیب صاحب مہتمم دارالعلوم حمیدیہ پانولی اور عزیزی عبدالعلیم سلمہ ابن قاری عبدالحمید صاحبؒ سے ملاقات ہوئی۔عصر کی نماز محقق عصر جامع المعقول والمنقول مفتی عبداللہ صاحب مظاہری، بانی وشیخ الحدیث جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، مولانا عبدالقیوم صاحب استاذ جامعہ ہانسوٹ اور مولانا عبدالرحمان صاحب کے ساتھ مظہر سعادت میں پڑھی۔ جامعہ مظہر سعادت اور اس کے بام ودر کو دیکھنے کے بعد یقیناً یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مدارس اسلامیہ کا انتظام اور تعمیری حسن ذوق اور نظم و ضبط کا بین مثالی جامعہ ہے جو یقیناً دوسرے مدارس اسلامیہ کے لئے کاموں کے لئے آئیڈیل مانا جاسکتا ہے۔ اسی دن وریڈیا بھروچ میں الطاف بھائی ماسٹر (مقیم حال پریسٹن انگلینڈ) سے ملاقات ہوئی۔

۲۲ر دسمبر کو صاحب علم وفراست حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مظاہری بانی ومہتمم جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ بھروچ سے ملاقات ہوئی اور مولانا حنیف صالح لوہاروی شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ اور مفتی سراج صالح لوہاروی امام وخطیب مسجد قبا بریڈفورڈ انگلینڈ کے والد محترم کے انتقال پر تعزیت کی۔

۲۳؍دسمبر کو مولانا خلیل احمد دیوا استاذ حدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر سے ملاقات ہوئی، جنہوں نے اپنی تصنیف کردہ ''تصحیح القلمین علی تفسیر الجلالین'' نامی کتاب عنایت کی۔ یہ کتاب صاحب جلالین سے ہوئے تسامحات کو اصول تفسیر کی روشنی میں واضح کرتی ہے جس میں مختلف مفسروں کے اقوال نقل کرنے کے بعد قول فیصل بھی مذکور ہے۔ یقیناً یہ کتاب جلالین کے اساتذہ اور طلباء کی پیچیدہ گھتیوں کو سلجھانے میں ایک اہم معاون ثابت ہوگی۔ واضح رہے کہ اس کتاب میں انہوں نے صاحب جلالین کے ۲۹؍تسامحات کو تصحیح جلالین کے طور پر بالترتیب ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس علمی کاوش کو قبول فرمائے۔ رئیس الجامعہ نے مولانا خلیل احمد دیوا دامت برکاتہم کو جامعہ تشریف آوری کی دعوت دی، انہوں نے اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے فروری میں تاریخ طے کی۔ اللہ ان کی آمد کو قبول فرمائے۔

پھر مولانا خلیل صاحب راندیری استاذ حدیث مدرسہ صوفی باغ سورت سے ملاقات اور جامعۃ القاسم میں تشریف آوری کی دعوت پیش کی حضرت مولانا خلیل صاحب نے دعوت قبول کی اور فروری میں آمد متوقع ہے۔ (اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے ارادے کو قبول فرمائے اور ان کی آمد کو یقینی بنائے)

۲۴؍دسمبر کو خداترس بزرگ صفت انسان حضرت مولانا قاری رشید احمد اجمیری، شیخ الحدیث درالعلوم اشرفیہ راندیر سے ملاقات ہوئی جنہیں جامعۃ القاسم میں آنے کی دعوت پیش کی۔ حضرت قاری صاحب کا شمار ملت کے مخلصین میں ہوتا ہے، دینی کام کرنے والوں کا دست تعاون ان کی زندگی کا جزء لاینفک ہے۔ پھر راندیر سے جمبوسر پاسبان تحفظ ناموس مدارس گجرات حضرت مفتی احمد صاحب دیولا بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، یہاں مارچ ۲۰۱۴ء کے پہلے ہفتہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا سمینار ہونے جارہا ہے، حضرت مفتی صاحب نے مفتی احمد دیولا صاحب کو مفتی وسیم خان مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم ٹرنیداد تباغو ویسٹ انڈیز کو اکیڈمی کے سمینار میں بطور مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی جسے مفتی احمد دیولوی صاحب نے قبول کیا اور دعوت نامہ ارسال کیا۔ (جزاکم اللہ خیرا) جمبوسر سے واپسی میں بچوں کا گھر (آمود) کے ذمہ داروں سے مختصراً ملاقات ہوئی۔

۲۵؍دسمبر بروز بدھ کو قاری اسماعیل صاحب بسم اللہ بانی ومہتمم جامعۃ القرأت کفلیتہ نے ایک اہم پروگرام منعقد کیا جو جس میں فتاویٰ بسم اللہ کا اجراء عمل میں آیا جو کئی اعتبار سے قابلِ ذکر ہے:

۱۔ گجرات کے بڑے بڑے علماء کرام کو جامعۃ القرأت کفلیتہ میں اکٹھا کردیا، مثلاً مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ حسینیہ راندیر سورت، مفکر ملّت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی سابق رئیس فلاح دارین ترکیسر۔ مفتی احمد صاحب خانپوری شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، حضرت مفتی عباس داؤد بسم اللہ نائب شیخ الحدیث ونائب مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل وشیخ الحدیث جامعۂ القرأت کفلیتہ، قاری احمد اللہ صاحب قاسمی صدر القراء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، مفتی ہارون صاحب شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ کھامبیہ، مفتی ابراہیم گجیہ مہتمم جامعہ دارالاحسان

بارڈولی، حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، قاری حسن سورتی صاحب ملاوی (سنٹرل افریقہ) وغیرہ۔

۲۔ جامعہ سے تکمیل حفظ کرنے والے ۳۵/حفاظ کے تکمیل قرآن کی دعاء۔

۳۔ قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب کی صاحبزادی کا مولانا مفتی قاضی محمد بسم اللہ سے عقد مسنون۔

۴۔ اس پروگرام کی سب سے بڑی خاص بات یہ ہے کہ اس پروگرام میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے شاگرد رشید مفتی اعظم برما وگجرات حضرت مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہؒ (متوفی ۱۳۷۸ھ) سابق صدر مفتی ومہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے ''فتاوی بسم اللہ'' کا اجراء ہوا۔ فتاوی بسم اللہ ان فتاووں کا مجموعہ ہے جو مفتی اسماعیلؒ نے برما اور گجرات میں دیئے تھے جواب تک رجسٹروں میں ہی درج تھے۔ یہ فتاوی بسم اللہ کی پہلی جلد ہے جو ۳۳۷/فتاووں پر مشتمل ہے۔ فتاوی کی تمام جلدیں جو تقریباً ۳۵۰۰۰/پینتیس ہزار فتاووں پر مشتمل ہیں انشاء اللہ جلد منظرِ عام پر آئے گی جس کے لئے مفتی دبیر عالم قاسمی اور مفتی اسماعیل سعید صاحب استاذ جامعۃ القرأت کفلیۃ حضرت قاری اسماعیل صاحب بسم اللہ اور مفتی عباس داؤد بسم اللہ کے نگرانی میں کام کر رہے ہیں، اللہ ان کی محنت کو قبول فرمائیں۔ فتاوی بسم اللہ کی اہمیت کے لئے یہ قول نقل کر دینا کافی ہے جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آپ کے فتویٰ کو دیکھ کر فرمایا ''اس آدمی کے فتاوے سے تفقہ کی بو آرہی ہے'' (فتاوی بسم اللہ ۱/۵ بحوالہ تاریخ جامعہ ڈابھیل ۲۸۳) اس پروگرام میں بطور مہمان خصوصی حضرت مفتی صاحب نے بھی شرکت کی۔ اس موقع پر مفتی رشید احمد لاجپوری، قاری ثناء اللہ بھاگل پوری، مفتی عبدالرشید مظاہری پالن پوری کے علاوہ حضرات اساتذہ جامعۃ القرأت، گجرات میں پھیلے ہوئے دینی مدارس کے اربابِ حل وعقد اور دینی کام کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ جامعۃ القرأت کا مرتب نظام، جس کا پتہ پتہ بوٹا بوٹا مرتب ہے، مسجد سے لیکر دارالاقامہ تک خوبصورت اور جاذب نظر ہے جسے دیکھ کر دل نے برجستہ گواہی دی ع

سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

۲۶/دسمبر کو حضرت مولانا موسیٰ صاحب ماکروڈ بانی ومہتمم دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور، شیخ الحدیث مولانا ہارون رشید صاحب، مولانا حفظ الرحمان جانباز قاسمی، مولانا یوسف سلوڈی صاحب اور دیگر حضرات اساتذہ سے ملاقات ہوئی، پھر بعد نماز عصر طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مرکزی وزارت فروغ انسانی وسائل کے ایک رپورٹ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی صورتِ حال ابھی ابھی اطمینان بخش نہیں ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ علم کو پھیلا جائے۔ انسانیت کی ترقی کا واحد ذریعہ علم ہے، دنیا کے کسی بھی تعلیم پر اللہ کی طرف سے نجات کا وعدہ نہیں سوائے تعلیم نبوی کے۔ ۲۶/دسمبر کو حضرت مفتی صاحب ماسٹر شمس تبریز صاحب اور یہ استاذ جامعہ حسینیہ راندیر، (ماسٹر صاحب نیک صفت انسان اور بڑے مہمان نواز ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے دین کام لے رہا ہے، تقریباً ۲۵/سال سے جامعہ حسینیہ میں تدریسی خدمات انجام

دے رہے ہیں، ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ملک کے کونے کونے میں ان کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں، ان کی تربیت ان کے اولاد کے اخلاق واطوار سے معلوم ہوتی ہے، نہایت سنجیدہ، صالح، محنتی ہیں،) اور قاری صلاح الدین مبلغ جامعۃ القاسم کے ساتھ بروڈا کے لئے نکلے، پھر وہاں سے ۲۷ کو علی الصبح مولانا لقمان قاسمی تاراپوری مہتمم دارالعلوم تاراپور کھیڑا مدیر اعلیٰ ماہنامہ تبلیغ سے ملاقات ہوئی اور ملک وملت کے مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا۔ مولانا لقمان صاحب حضرت مولانا عبدالاحد صاحب تاراپوری خلیفۂ محی السنہ حضرت ہردوئی کے صاحبزادے اور علم کے سچے جانشیں ہیں۔ کھیڑ کی جامع مسجد میں تقوی وطہارت پر جمعہ میں بیان فرمایا کہ تقویٰ ایک باطنی عمل ہے، قرآن نے جابجا تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے حصول کا طریقہ بھی بتایا کہ سچے لوگوں کی معیت اور صحبت میں رہا جائے۔ اس مسجد کے امام وخطیب حضرت مولانا عرفان صاحب ہیں پھر بعد نماز جمعہ مدرسہ تربیۃ للبنات کھیرا تشریف لے گئے۔ جن کے بانی ومہتمم حضرت مولانا عرفان صاحب ہیں۔ انہوں نے پُرتکلف ضیافت کی اور جامعۃ القاسم آنے کی خواہش ظاہر کی، کھیرا گجرات کا وہ علاقہ ہے جہاں تمباکو کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے، یہاں کے لوگ معیشت کے اعتبار سے مضبوط ہیں۔ اللہ انہیں دینی جہت سے مضبوط رکھے۔

۲۶/دسمبر کو تقریباً ۱۲/بجے میرے موبائل پر فون آیا دیکھا تو حضرت مفتی صاحب رئیس الجامعہ کا فون تھا، میں نے سوچا کہ حسبِ معمول جامعہ کی خبر معلوم کرینگے، لیکن سلام وکلام کے بعد یہ خبر دی کہ رفیق سفر قاری شمشیر صاحب کے گلے میں تکلیف ہے، مختلف ڈاکٹروں کے دوائی کے بعد بھی افاقہ نہیں ہورہا ہے، اس لئے آپ اپنے سے متعلق کتابوں کو ناظم تعلیمات مفتی عقیل انور مظاہری اور مولانا حمیدالدین صاحب مظاہری نائب ناظم جامعۃ القاسم کے باہمی مشورے سے دوسرے حضرات کو دے دیں، تاکہ طلبہ کا نقصان نہ ہو اور آپ کو جلد آنا ہے، اللہ جزائے خیر دے سماجی وفلاحی کام کے سرگرم رکن اور جامعہ کے میڈیا انچارج شاہ جہاں شاد صاحب کو جنہوں فوراً ٹکٹ کا نظم کردیا، میں سورت آنے کے لئے پٹنہ پہنچا کیونکہ بھاگلپور، سورت سے ٹکٹ تھا، پٹنہ جنکشن پر کھڑا تھا، گاڑی ایک گھنٹہ تاخیر سے تھی، لیکن اچانک گاڑی کے وقت سے ۵/منٹ قبل یہ اعلان ہوا کہ بھاگلپور۔ سورت آج پٹنہ نہیں آئے گی، اس لئے مسافر مغل سرائے چلے جائیں، محکمہ ریل کا بھی یہ افسوس ناک پہلو ہے کہ نہ مغل سرائے جانے کے لئے اس وقت پٹنہ سے گاڑی ہے اور نہ ریلوے اسٹیشن پر کوئی صحیح معلومات بتانے والا، مسافر پریشان! اللہ جزائے خیر دے قاری مظفر کریمی (جو انتہائی سنجیدہ، متحرک، فعال، امانت دار اور دیانت دار ہیں) استاذ جامعۃ القاسم جنہوں نے پل پل کی خبر بذریعہ فون دیتے رہے، میں نے اس کی اطلاع حضرت مفتی صاحب کو دی، حضرت نے فرمایا کہ ابھی میں شاہد عبداللہ آفس سکریٹری دہلی سے جہاز سے ٹکٹ کے لئے کہتا ہوں، کیونکہ قاری شمشیر صاحب کی زیادہ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے سورت سے وہ بھی جہاز سے دہلی جائیں گے۔ بہرحال خدا کا شکر ٹکٹ مل گیا اور میں سورت آگیا، درمیان میں دہلی ایئرپورٹ پر قاری شمشیر جامعی سے ملاقات ہوئی چہرہ سے بیماری کے آثار نمایاں تھے، اپنی پریشانی اور تکلیف

بیان کرنے لگے اور یہ طے پایا کہ دہلی کے مشہور ہسپتال ہولی فیملی میں داخل کیا جائے۔ مختلف جانچ اور دوا کے استعمال کے بعد الحمدللہ ٹھیک ہیں۔ راندیر سورت میں میری سب سے پہلی ملاقات مفتی عقیل صاحب قاسمی نائب شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر سے ہوئی، اللہ نے ان کو بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے، کامیاب مدرس، بہترین مقرر ہیں، تقریباً ۱۶؍سالوں سے جامعہ حسینیہ میں احادیث کی خدمت کر رہے ہیں اوا پنے وطن پانجی پاڑہ دیناجپور مغربی بنگال میں مدرسہ قاسم العلوم منجھوک کے مہتمم بھی ہیں۔ اللہ ان کے فیض کو جاری وساری فرمائے۔

آج رات کے کھانے کی دعوت ماسٹر شمس تبریز اور مفتی عقیل صاحب قاسمی کے شاگرد مولانا میکائیل صاحب، امام وخطیب جامع مسجد بربودھن سورت کے یہاں تھی اس لئے ہم لوگ وہاں گئے اور عشاء کی نماز کے بعد واپس آ گئے۔

رات ۱۲؍بج کر ۲۰ منٹ پر جے پور پونا سے حضرت مفتی صاحب کو پونا جانا تھا۔ رفیق سفر احقر اور قاری صلاح الدین تھے، اشرف خان اور نذیر بھائی نے ٹرین پر بٹھا کر الوداع کہا۔

۲۹؍جنوری صبح آٹھ بجے ہم لوگ پونا اسٹیشن پہنچے، استقبال کے لئے حضرت مولانا طالب صاحب صدیقی امام وخطیب مسجد نوردرانی کمپلکس کنڈوا پونا بانی ومہتمم المعہد الاسلامی ڈوریا سوناپور اراریہ، آصف بھائی اور حافظ مدثر تھے، علیک سلیک کے بعد ہم لوگ درانی کمپلکس پہنچے جہاں حضرت مفتی صاحب کا قیام تھا۔

پونا ایک ترقی پذیر شہر ہے، پورا شہر جگ مگ کر رہا تھا، جگہ جگہ نئے سال کی مبارکبادی کا پوسٹر لگا ہوا تھا، انگلینڈ کے آکسفورڈ اور کیمرج سے ہندوستان کے اس شہر کے اسکول وکالجز کم حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ بہرحال کچھ دیر کے بعد سلیم بھائی راجستھانی سے پھر مولانا رزین اشرف ندوی شیخ الحدیث دارالعلوم نظامیہ صوفیہ پونے سے ملاقات ہوئی، مولانا کئی کتابوں کے مصنف اور مرتب ہیں، شہر کے مختلف مساجد میں تفسیر بیان کرتے ہیں۔ شہر میں متفق شخصیت میں شمار ہوتا ہے، اللہ انہیں صحت وعافیت عطا فرمائے، مولانا نے پونا کے علماء خطبا اور ائمہ مساجد کے احوال اور ان کے طریقۂ کار کو بتایا۔

۳۰؍دسمبر کو مولانا نظام الدین فخر الدین بانی ومہتمم دارالعلوم نظامیہ صوفیہ پونے سے ملاقات ہوئی اور ان کے دارالعلوم تشریف لے گئے، شہر پونا کا یہ مشہور مدرسہ ہے جہاں ابتدائی سے لیکر افتاء تک کی تعلیم ہوتی ہے، بانی دارالعلوم مولانا نظام الدین فخر الدین ایک فعال اور متحرک آدمی ہیں، شہر میں اصلاح معاشرہ پر اچھا کام کرتے ہیں، پھر مختلف نشستوں میں مولانا منیر صاحب، حافظ شاہد صاحب، مولانا شہباز، حسیب درانی اور دیگر حضرات سے ملاقات ہوئی۔

کلینڈر بدل گیا ہم کب بدلیں گے

ہم مانگنے والوں کو ہرگز نہ گدا سمجھو
یہ شان نبوت ہے انداز فقیرانہ

۲؍جنوری کو معروف سماجی کارکن اور کرپشن کے خلاف تحریک چلانے والا، ہندوستانی سیاستدانوں کے کرپشن کو صفحۂ قرطاس پر لانے والا انا ہزارے کے گاؤں ستارا میں حاجی ابراہیم بابا تانبولی سے ملاقات ہوئی، حاجی صاحب انتہائی ملنسار اور متواضع آدمی ہیں، بعد نماز مغرب حاجی ابراہیم کی

(مسجدنورحراء) میں دعوتِ دین امت مسلمہ کی ذمہ داری پرخطاب فرمایا کہ وقت بڑی نعمت ہے، وقت کسی کا انتظارنہیں کرتا۔ آج دفتروں، آفسوں، کالجوں اورمدارس ومساجدکی دیوار پر۲۰۱۳ کی جگہ ۲۰۱۴ کا کلینڈرلگ گیا کیا صرف کلینڈرہی بدلا ہے یا ہمارا طریقۂ زندگی بھی، وقت کی تیز رفتاری ہمیں دعوتِ عمل دیتی ہے اور ہمارا فرض منصبی دعوتِ دین اور بحیثیتِ خیرامت پوری امت مسلمہ کی اخلاقی وروحانی اصلاح کے فکرکی دعوت دیتی ہے۔ بھلائیوں کا حکم کرنا، برائیوں سے روکنا امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی رقت آمیزدعاء پر مجلس کا اختتام ہوا، حاجی ابراہیم صاحب، شکیل صاحب اور دیگر حضرات نے رمضان میں ستارا آنے کی دی، تاکہ انسانیت کے اصلاح کے کام میں معاون ہوسکے۔ لیکن رمضان میں وقت مشغول ہونے کی وجہ سے شعبان میں آنے کی تاریخ طے ہوئی۔ ستارا سے پوناواپسی پنچ گنی کے راستہ سے ہوئی، پہاڑوں کے درمیان یہ ایک خوبصورت شہر ہے، جہاں عیسائی مشنریز کے ۴۰ر سے زیادہ اسکول وکالج ہیں، جسے گذشتہ سال دیکھ کرحضرت مفتی صاحب کے دل میں یہ داعیہ پیداہوا کہ آج اسلام مخالف جتنی سازشیں ہورہی ہیں، اسلام کے داعی اتنی تعدادمیں پیدانہیں ہورہے ہیں، جامعۃ القاسم کے ارادے میں یہ بھی ہے کہ فاربس گنج میں حراء انٹرنیشنل اکیڈمی (انگلش میڈ اسکول) کھولا جائے۔اللہ ایسے اسباب پیدا کردے۔

آج شام کی دعوت مولانا نارزین اشرف ندوی کے گھرپرتھی اور بڑی پرتکلف دعوت تھی، بڑی خوشی کی بات ہے کہ آج ہی قرآن وحدیث کے ترجمان علوم اسلامی کے داعی، درجنوں کتابوں کے مصنف حضرت مفتی ثمین اشرف قاسمی امام وخطیب مسجدالحسبتو ردبئ،خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم اخترؒ کی کتاب ''قرآن وحدیث میں جن پرلعنت کی گئی ہے'' طباعت سے آئی تھی پیش کیا۔ قرآن وحدیث میں جہاں بھی لعنت کا تذکرہ ہے اس کا نچوڑ ہے۔اس میں موضوع سے متعلق ضروری مسائل بھی مذکور ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ بات بحوالہ پیش کی گئی ہے ساتھ ہی ساتھ عربی عبارات پراعراب بھی لگادیا گیاہے۔ مولانا نظام الدین، فخرالدین اورمولانا نارزین اشرف صاحب ندوی نے پونا کی جامع مسجد (مکہ مسجد) میں جمعہ کا خطاب رکھا تھا،حضرت مفتی صاحب نے خطاب میں فرمایا کہ نئی نسل کے لئے سیرت نبوی کا مطالعہ ضروری ہے پوری کائنات کے لئے آئیڈیل محمد ﷺ اوران کے اصحاب ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلاف نے ان کی زندگی کواپنایااورکامیاب ہوئے، وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو اپنے اسلاف اور پرکھوں کی قربانی کوفراموش کردے، ہندوستان میں اسلام کی آمد گجرات اورکوکن کی تاریخ بڑی تفصیل سے بیان کی۔

عمل کے اپنی اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو بس یہی آسرا ہے

مکہ مسجد پونا شہر کے بیچ میں واقع ہے جہاں جمعہ میں پانچ ہزار سے زائد بندگان خدا نماز ادا کرتے ہیں،نماز کے بعد لوگوں کی بھیڑ سلام ومصافحہ اور معانقہ کیلئے امنڈ پڑی،اورلوگوں نے رورو کر یہ بیان کیا کہ آج اس موضوع پرکوئی بیان کرنے کیلئے

تیار نہیں ہوتے ایک عرصے کے بعد آج ایمان میں تازگی اور حرارت پیدا ہوئی ہے۔

۴؍جنوری کو وریڈیا گجرات میں الطاف بھائی ماسٹر، (مقیم حال پریسٹن انگلینڈ) کی دو بھتیجی کی شادی تھی، الطاف بھائی شرکت پر مصر تھے، اس لئے ۳؍جنوری کی شب میں پونا سے سورت کے لئے روانہ ہوئے، ۴؍جنوری کو صبح قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب کے ساتھ ذاکر قریشی صاحب کے گھر پر ناشتہ کی دعوت تھی۔ دراصل ذاکر بھائی قریشی وہ ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند (وقف) کا ماسٹر پلان کا ایک خاکہ تیار کیا ہے جس میں تقریباً ۵؍ہزار بچوں کی رہائش ہر طرح کی سہولتوں کے ساتھ ممکن ہے، جس کا تقریباً ۷۰؍ستر کروڑ کا بجٹ ہے۔

بحمداللہ یہ بات بلا تردد کہی جاسکتی ہے کہ دنیا میں ڈیڑھ صدی سے واسطہ یا بالواسطہ علوم ربانی کا جو فیض ہے وہ حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند ہی کا ہے، اس لئے اصحاب خیر ایسے مواقع کی متلاشی رہتے ہیں۔ خدا کرے کہ گرامی قدر خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف) وسنیئر نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی حیات ہی میں یہ اخلاص کا تاج محل اللہ کی زمین پر تعمیر ہوکر ملت کے بچے اس میں قیام پذیر ہوجائیں، جنہیں آج بہت ساری مشکلات کا سامنا رہتا ہے، وہ رب قدر آسانی کا راستہ فراہم فرمادے۔ اور حضرت والا کے سایہ عاطفت کو تادیر ملّت اسلامیہ پر سرمایۂ نگہبانِ ملّت اسلامیہ کی حیثیت سے باقی رکھے۔

ماسٹر شمس تبریز صاحب کی معیت میں شادی میں شرکت کیلئے روانہ ہوئے اور وہاں یہ فرمایا:

آہ! جہیز کتنے شبابوں کو کفن پہنا دیتا ہے۔

آہ! - ملّت کے جیالو حمیت وغیرت رکھنے والوں سے عاجزانہ درخواست - آہ! بے اثر نہیں ہوتی، مظلوم انسانوں کی آہ عرشِ الٰہی کو ہلا دیتی ہے۔ آہ! عشرت کدوں میں آگ لگا دیتی ہے۔ آہ! چمن کو ویرانے اور کھنڈرات میں تبدیل کر دیتی ہے، اے غیرت مند بھائی اور بہنو کیا کبھی آپ نے اپنے دل کی اتھاہ گہرائی سے اس بات پر غور کیا؟ کہ ایک آہ اس نوجوان بیٹی اور بہن کی بھی ہوتی ہے، جن کے ہاتھ پیلے نہیں ہوئے ہیں۔ اور ان کے ماں باپ دلہن بنانے جیسی عظیم نعمت سے حیران وپریشان ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ آپ نے غور وفکر کیا ہوتا تو بیٹیوں اور بہنوں کی مشکلات آسانی میں تبدیل ہونا ممکن تھا، جب کہ ہماری بہن اور بیٹی خوبصورت وسیرت، تعلیم یافتہ، نوجوان اور صالحہ بھی ہیں، جی ہاں! وجہ یہ ہے کہ غریب ماں باپ بھائی کے پاس جہیز دینے کے لئے کوئی سرمایہ نہیں، جہیز کے بغیر انسان کی اس نیک سیرت بیٹی اور بہن کو کوئی اپنی بہو بنانے اور کوئی نوجوان بیٹا اپنی شریک حیات اور متاع زندگی بنانے کو تیار نہیں ہوتا، جس وجہ سے آج معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیاں وائرس کی شکل میں کینسر جیسے مہلک امراض کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ لہٰذا وقت جیسے جیسے رفتہ رفتہ گذرتا جارہا ہے قوم وملّت اور بہی خواہان انسانیت کی ایسی بے شمار وان گنت بیٹیاں دن کے اجالے، رات کے اندھیرے اور شب وروز کے سناٹوں میں آہیں بھر رہی ہیں، سسک رہی ہیں، بلک رہی ہیں، خدایا اس ملت پر رحم فرما اور اس ملّت کو قرآن کریم ماضی کی یاد تازہ

کراتا ہے۔ ''بای ذنب قتلت'' (سورہ التکویر:۹) کی راہ پر دنیا کے اے بسنے والے انسانو! ماضی سے متعلق سبق حاصل کر کے حال و مستقبل کی تباہی سے بچو۔

وریڈیا سے واپسی میں دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ گئے اور حضرت مولانا اقبال محمد ٹنکاروی دامت برکاتہم مہتمم ماٹلی والا سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنی نئی اور پرانی تصنیف ''جدید فلسفہ اور علم الکلام، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات، جھودالمراجیح فی تخریج احادیثِ زجاجۃ المصابیح، فرحۃ اللبیب بتخریج احادیث نشرالطیب فی ذکرالنبی الحبیبؐ'' پیش کی، یقیناً یہ کتابیں بڑی عرق ریزی اور تلاش وجستجو کے بعد منظرِ عام پر آئی ہیں جو ایک محقق ہی کرسکتا ہے، جس کے لئے مولانا قابل ستائش اور لائق مبارک باد بھی۔ اللہ سے دعاء ہے کہ ملت کیلئے اور بھی جہد مسلسل کی کاوشوں سے بہی خواہان انسانیت کو روشناس کراتے رہے۔ وہاں سے دارالعلوم کنتھاریہ گئے اور حضرت مولانا یعقوب صاحب سارودی، شیخ الحدیث دارالعلوم کنتھاریہ کی خدمت میں معارف قاسم کا خصوصی شمارہ ''مسلم مسائل نمبر'' پیش کیا، مجلّہ دیکھا خوشی کا اظہار کیا اور ڈھیر دعاؤں سے نوازا۔ ۵رجنوری کو صبح سویرے جامعۃ القرأت کفلیتہ ہوتے ہوئے واپی کے لئے نکلے، واپی میں حاجی رفیق صاحب اور سلیم بھائی سے ملاقات ہوئی، حاجی اسماعیل صاحب کسی رشتہ دار کے جنازہ میں شرکت کے لئے ممبئی گئے تھے، اس لئے رات میں حاجی رفیق صاحب بھیلاڈ کی کے گھر پر دعوت میں ملاقات ہوئی۔ اس طرح سے گجرات کا سفر مکمل ہوا۔ مجموعی طور سے دیکھا جائے تو اللہ نے اہل گجرات کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ ۱۵ر ہجری میں حضرات صحابہؓ ہندوستان کے اس خطہ (دریائے نرمدا کے ساحلی علاقہ) میں تشریف لائے تھے، انہی نفوس قدسیہ کی برکت ہے کہ آج مدارس اسلامیہ، مراکز دینیہ، مساجدیں، بڑی بڑی اسلامی یونیورسیٹیاں ہیں، علماء اور صلحاء پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک صاحب قلم نے گجرات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے ''کہ گجرات ایک خاصی اہمیت رکھنے والا خطہ ہے۔ وہ اپنی مختلف خصوصیات میں شاندار علمی تاریخ کا حامل رہا ہے۔ اسلامی خصوصیات کے دائرہ میں وہاں کے اہلِ علم نے ایک شاندار تاریخ بنائی ہے، بڑے جید اور ممتاز علماء پیدا ہوئے اور انہوں نے علمی میدان میں درس وتدریس کے کاموں کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے اہم علمی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ان کارناموں میں متعدد کام اپنے موضوع پر اعلی مقام رکھتے ہیں۔ اس طرح گجرات صدیوں تک علم وفن کا مرکز، اربابِ ہنر کا گہوارہ، ارشاد وتلقین کا سرچشمہ اور اقتصادی ترقیات کے ساتھ ایک سرگرم تجارتی منڈی بھی رہا'' (عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات ۳۰۷) یقیناً اللہ نے اہلِ گجرات کو مال دیا ہے تو دل بھی دیا ہے جس کا اندازہ ان کے مدارس اور مساجد کی تعمیر سے ہوتا ہے، یہاں کی مساجد بھی خوبصورتی میں کسی تاج محل سے کم نہیں اور ضرورت کی تمام چیزیں موجود ہیں، وہ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کو سعادت اور ذمہ داری سمجھتے ہیں اور یہ انہیں کا حصہ ہیں۔ اللہ اس فکر کو ان کی نسلوں میں قیامت تک باقی رکھے۔

۶رجنوری کو صبح آٹھ بجے واپی سے حاجی اسماعیل بھائی منصوری، حاجی فیضان اور حاجی رفیق صاحبان کی معیت

میں ہم لوگ ممبئی کے لئے روانہ ہوئے، حاجی اسماعیل صاحب خودگاڑی چلارہے تھے ممبئی کے قریب بھیونڈی روڈ پر ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں صفائی ستھرائی، دیکھنے کو ملا اور اس سے یہ سبق ملا کہ ایک جانور کا گھر اتنا صاف ستھرا کہ کہیں سے کوئی بدبو نہیں جتنا صاف ہمارا گھر نہیں ہوتا ہے، یہ بھجن لال اینڈ سنس ڈیری فارم ہے، وہاں ہم لوگ گئے ۵/ہزار سے زائد بھینسیں اور گائے اس ڈیری میں ہیں اور ان کے دودھ سے مختلف چیزیں تیار کرتے ہیں، ان جانوروں کے رکھنے، کھلانے اور نہلانے کا اتنا اچھا نظم ہے کہ آج دنیا کے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں پھر یہاں سے ممبئی سینٹرل کے قریب انتہائی مخلص مہمان نواز بھائی حاجی اقبال حسین چوہان کے گھر گرانٹ روڈ پہنچے، جہاں ان کے صاحبزادے نوجوان فاضل عالم باعمل مفتی عارف اقبال سعادتی صاحب سے ملاقات ہوئی، کھانے سے فراغت کے بعد دارالعلوم امدادیہ چونا بھٹی میمن واڑہ کی جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھی جہاں مولانا علاء الدین صاحب استاذ دارالعلوم امدادیہ حضرت عارف باللہ قاری صدیق احمد باندوی کے خادم مولانا ارشد صاحب مظاہری سے ملاقات ہوئی پھر حج ہاؤس گئے، مغرب سے قبل مولانا محمد شاہد ناصری الحنفی صدر ادارہ دعوۃ السنۃ مہاراشٹر و مدیر ماہنامہ حج میگزین ممبئی سے مختلف امور پر تبادلۂ خیال ہوا، مغرب کے بعد حج ہاؤس کی مسجد میں افریقہ سے تشریف لائے ہوئے مہمان قاری حسن صاحب ملاوی کی تلاوت سے قبل قرآن مجید کے حقوق پر مختصر مگر جامع گفتگو ہوئی، اور کہا کہ انسانیت کی بھلائی اور ہدایت کے لئے قرآن کریم ایک عظیم نسخہ کیمیا ہے۔ افسوس اس بات پر ہے کہ دنیا کے تمام کاموں کے لئے تو وقت ہے لیکن قرآن کی تلاوت اس کے معنی میں غور وفکر کے لئے وقت نہیں۔

مولانا شاہد ناصری الحنفی سب ایڈیٹر ماہنامہ حج میگزین ممبئی جنہیں اللہ نے تقریر وتحریر کا ملکہ عطا فرمایا ہے، زبان بڑی شائستہ، تحریر نہایت عمدہ، جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کردیتے ہیں، مولانا نے شکریہ ادا کیا اور اپنی تصنیف دعاء الرسول ﷺ، جو آداب دعاء، طریقہ دعاء، قبولیت کے اوقات ومقامات، دعاء کے الفاظ بحوالہ، ترجمہ اور مختصر تشریح پر مشتمل ہے پیش کیا، ساتھ میں اپنی سب سے پہلی تصنیف ''غیبت کے نقصانات'' بھی دیا اللہ تعالیٰ ان کو اور زورِ قلم سے نوازے۔

عشاء کی نماز کے بعد حاجی اسلام بھائی منصوری جو بڑے نیک اور صالح انسان ہیں ان کے گھر دعوت تھی۔ ہم لوگ ماہم پہنچے، قاری عظیم الدین صاحب رحمانی امام وخطیب مسجد الہدیٰ بھیونڈی، خلیفہ ومجاز خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم ماہم پہلے سے پہنچ چکے تھے وہاں سے ایک ساتھ رفیق بھائی کے گھر گئے پھر اسلام بھائی کے یہاں، وہاں ان کے بھائی حاجی اقبال صاحب، سلیم صاحب موجود تھے، مختلف مسائل پر دیر رات گفتگو ہوتی رہی، پھر وہاں سے بھیونڈی گئے اور قاری عظیم الدین صاحب رحمانی کی اقتداء میں نماز پڑھ کر حاجی یوسف میمن پھر حاجی ذبیح الاسلام عرف پپو اور مولانا نوراللہ صاحب قاسمی صاحب استاذ جامعہ سراج العلوم بھیونڈی سے ملاقات ہوئی۔

شام میں اسلام بھائی کے شوروم ناولٹی (واشی) میں دعاء کیلئے تشریف لائے اور مغرب بعد ملاڈ حاجی لیاقت بھائی چوہان سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔

۷ر جنوری کو نیرول کی جامع مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد ایک ایسے نوجوان محمد علی عرف گڈو سے ملاقات ہوئی جس کے ذہن میں قرآن، مدارس اسلامیہ اور علماء پر ڈھیر سارے اعتراض تھے، ڈھائی گھنٹہ تک اس کے اعتراض کے جواب کا سلسلہ رہا۔ بہت حد تک وہ مطمئن ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ فلم ڈائرکٹر ہے اور بہار کے ضلع گوپال گنج کا رہنے والا ہے، پھر ہم لوگوں کی مولانا عبدالسبحان قاسمی کے ساتھ حاجی عارف، مولانا عمران صاحب امام وخطیب لال چمنی مسجد ممبئی، مولانا زاہد صاحب، بہرام باغ جوگیشوری، مولانا عبدالرشید ندوی صاحب اور دیگر حضرات سے مختلف نشستوں میں ملاقات ہوئی۔

۱۳ر جنوری بمطابق ۱۱ر ربیع الاول کو حاجی عبدالغنی صاحب اطلس والا (رکن ادارت حج میگزین ممبئی وچیئر مین فیروس فاؤنڈیشن) سے ملاقات کا وقت مقرر تھا، ہم لوگ دس اور گیارہ کے بیچ گرانٹ روڈ سے بھنڈی بازار پہنچے اور محمد علی روڈ پر واقع ممبئی کا قدیم مرکز اور علماء دیوبند کے فکر کی ترجمان دارالعلوم امدادیہ چونا بھٹی مسجد کے سامنے مولانا علاء الدین صاحب کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک ایک نوجوان دوڑتے ہوئے روڈ پار کیا اور سلیمان عثمان بیکری کی طرف جا رہا تھا، لیکن اسکی زبان مغلظات سے پر تھی اور وہ کچھ یوں کہہ رہا تھا بقول اس نوجوان کے کہ اس روئے زمین میں۔اہل سنت (بدعتی) کے علاوہ دوسرے کو رہنے کا حق نہیں ہے، یہ اس ماحول کی ایک جھلک ہے جو ۱۲ر ربیع الاول کی تیاری تھی، خدارا وہ نوجوان اپنے لباس و پوشاک، اخلاق و عادات، انداز گفتار اور کریکٹر پر غور کرلیا ہوتا کہ کیا نبی کے پیروکار کا طریقۂ گفتگو اور انداز گفتگو یہی ہوتا ہے؟ اللہ ہدایت دے۔

پورا شہر مختلف اسٹیز، بینر عروس البلاد کی بلند و بالا عمارتیں مختلف قسم کے بلب سے جگ مگ کر رہی تھیں، جگہ جگہ سرکار کی آمد مرحبا کے نعرہ کانوں سے ٹکرا رہے تھے، ربیع الاول کے پہلی ہی تاریخ سے ہر محلّہ میں جشن عید میلاد النبی ﷺ منعقد ہو رہی تھی، کہیں موئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کہیں نعلین کے دیکھانے کے اعلانات چسپاں تھے، عورت، مرد، بچے، بوڑھے خصوصا نوجوان مختلف قسم کے جھنڈے، غبارے خرید رہے تھے، مسلم محلوں میں ٹیکسی والا جانے سے کترا رہا تھا کہ جام ہے، یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک خواہ ذکر ولادت ہو یا عبادات، معاملات، جہاد، شب و روز کے نشست و برخاست کا ذکر۔ بلاشبہ باعث خیر و برکت ہے؛ لیکن عصر حاضر میں مروجہ طریقہ صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین اور کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۳/۵)

ان سب کو دیکھتے ہوئے مختلف لوگوں نے ۱۲ر ربیع الاول بمطابق ۱۴ر جنوری ۲۰۱۴ء کو سفر کرنے سے منع کیا، ایک وجہ بھیڑ بھاڑ، جلسے جلوس اور ۱۴ر جنوری ۲۰۱۴ء کو پتنگ بازی کی وجہ بتائی، ہم لوگ اپنے قیام گاہ گرانٹ روڈ پر تیسری منزل کے کھڑکی سے صبح سے رات کے بارہ بجے تک شہر کا منظر دیکھتے رہے، اس درمیان حاجی رفیق صاحب بھیلاڈ نے ایک پرچہ گجراتی زبان میں پڑھ کر سنایا جس میں پتنگ بازی کے آغاز کے بارے میں نوجوان تباہی کے دہانے کے حوالے سے درج تھا اور وہ یہ ہے:

پتنگ بازی کا آغاز

۱۷۰۷ء تا ۱۷۵۹ء کے دوران پنجاب کے گورنر زکریا

خان کے دور میں سیالکوٹ کے ایک ہندو کھتری مل ری کے بیٹے حقیقت رائے نے رسالت مآب ﷺ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ کہے۔اس جرم کی تحقیق ہوئی اور جرم ثابت ہوگیا، چنانچہ سزا کے طور پر اس گستاخ رسول کو پہلے کوڑے لگائے گئے اور بعد میں ایک ستون سے باندھ کر گردن اڑادی گئی۔ یہ ۱۷۳۴ء کا واقعہ ہے۔تاریخی کتب میں ذکر ہے کہ جس دن حقیقت رائے کو سزائے موت دی گئی وہ بسنت پنچمی کا دن اس گستاخ رسول کی یاد میں ہندوؤں نے لاہور کے علاقے کوٹ خواجہ سعید میں ایک سمادھی تعمیر کی۔مؤرخین کے مطابق ایک ہندو رئیس کالورام نے اس جگہ حقیقت رائے کی یاد میں مندر تعمیر کرایا جہاں پوجا پاٹ کے لیے مورتیاں رکھی گئیں۔یہیں ہندو رئیس کالورام نے باقاعدہ بسنت میلے کا آغاز کیا اور پتنگ بازی کو رواج دیا۔قیام پاکستان کے بعد کالورام ہندوستان بھاگ گیا۔ یہ مندر ویران ہوگیا اور یہاں مسلمانوں نے قبضہ کر کے مورتیاں توڑ دیں اور مندر کی ہیئت تبدیل کر کے رہائش اختیار کر لی۔ علاقے کے ایک باسی نے اپنے بزرگوں کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ یہاں کالورام نے ایک وسیع رقبہ خرید کر ایک باغیچہ بنایا تھا۔ اس کی باڑ کے لیے ریلوے افسروں سے ساز باز کر کے ریلوے سے لوہے کے دروازے، کھڑکیاں اور باڑ وغیرہ لگوائی۔

ایک سکھ مؤرخ نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے اور لکھا ہے کہ یہاں کالورام نے حقیقت رائے کی یاد میں بسنت میلے کا آغاز کیا تھا۔(دیکھئے پنجاب آخری مغل دور حکومت میں، از ڈاکٹر بی ایس نجار ص ۲۷۹) تاریخی حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ بسنت ہندوانہ تہوار ہے اور اس میلے میں پتنگ بازی کا آغاز گستاخ رسول کی یاد میں کیا گیا تھا۔(نوجوان تباہی کے دہانے پر: ۲۸۳-۲۸۴)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب اصلاح الرسوم میں پتنگ بازی کی جو خرابیاں درج کی ہیں وہ مختصراً یہ ہیں:

☆ کنکوے (پتنگ) کے پیچھے دوڑنا جس میں پیغمبر دو عالم ﷺ نے کبوتر کے پیچھے دوڑنے والے کو شیطان فرمایا۔

☆ دوسرے کے کنکوے (پتنگ) کو لوٹ لینا جس کی ممانعت حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' نہیں لوٹتا کوئی شخص ایسا لوٹنا جس کی طرف لوگ نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں اور پھر بھی وہ مؤمن رہے۔(بخاری) یعنی یہ خصلت ایمان کے خلاف ہے۔

☆ ہر شخص کی نیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کی پتنگ کو کاٹوں اور اس کا نقصان کروں تو مسلمان کو نقصان پہنچانا حرام کام ہے۔

☆ نماز سے غافل ہوجانا جس کو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی علت بتلایا ہے۔

☆ اکثر کوٹھیوں کی چھتوں پر کنکوے اڑانے سے آس پاس والوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

☆ بعض اوقات کنکوا (پتنگ) چڑھاتے ہوئے پیچھے کو ہٹتے جاتے ہیں اور کوٹھے سے نیچے گر پڑتے ہیں۔

☆ ان سب کھیلوں میں مال مفت کا ضائع ہوتا ہے اور فضول خرچی کا حرام ہونا قرآن سے ثابت ہے''۔(نوجوان تباہی کے دہانے پر: ۲۸۵-۲۸۶ بحوالہ اصلاح الرسوم)

تجربہ کاروں نے بتایا کہ اس دن پتنگ کے دھاگے کے گلے میں لگ جانے، اونچی اونچی عمارتوں پر پتنگ اڑاتے

ہوئے نیچے گر جانے کے بیشمار واقعات ہوتے ہیں، اس پتنگ بازی میں بلاتفریق مسلم وغیر مسلم شریک ہوتے ہیں، آخر کار یہ لہو ولعب کیونکر جائز ہوسکتا ہے جس میں اتنے سارے نقصانات ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبوتر بازی کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے، کبوتر کے پیچھے دوڑتے ہوئے ایک شخص کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''شیطان، شیطان کے پیچھے دوڑ رہا ہے'' (ابوداؤد:۲/۶۷۵)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے لکھا ہے کہ ''کبوتر بازی ہی پر پتنگ بازی کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، یہ کراہیت عام حالات میں تو ہے ہی اگر اس کے ساتھ جوا اور دو طرفہ شرط بھی ہو تب تو حرام نیز اور بھی سخت گناہ کا باعث ہوگا۔ (جدید فقہی مسائل:۱/۳۵۰)

اس طرح کے جلوس اور لہو ولعب کہ جس سے شیطان بھی شرما جائے کیسے جائز ہوسکتی ہے۔

۱۷ر جنوری کو واپی کے عمران نگر کی مدینہ مسجد میں جمعہ میں خطاب ہونا تھا، حاجی ادریس موسیٰ خان صاحب اور حاجی فوزان ادریس خان صاحب کا بار بار فون آرہا تھا اس لئے ۱۶ر کو ممبئی سے واپی آئے اور ۱۷ر کو جامع مسجد میں خطاب ہوا:

'مرے آقا تری امت جو تری ہوجاتی'

پیغمبر اسلام محمد عربی ﷺ کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ پوری انسانیت کو راہ راست پر لاکر ضلالت وگمراہی کو ختم کیا جائے اور تاریخ شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی پوری زندگی اسی مشن پر کام کیا، اور آخر میں حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ لوگو! میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ کے جارہا ہوں، کہ اگر تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ اللہ کی کتاب اور اسکے نبی کی سنت ہے۔ اس موقع پر مفتی صاحب نے پیغمبر اسلام کی سیرت کے مختلف پہلو پر روشنی ڈالی اور کہا:

مرے آقا تری امت جو تری ہوجاتی
تو آج دنیا کا کوئی اور ہی منظر ہوتا

عصر حاضر میں سنت کے نام پر بہت ایسے کام کئے جارہے ہیں جس کا سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر گوشہ اور ہر موڑ پر آپ کے احکام کو مانا جائے اور نفس پرستی ومن مانی کرنے سے گریز کیا جائے۔ مفتی صاحب نے تاجروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ معاملات سنت نبوی کے روشنی میں ہو، دھوکہ دہی، جھوٹ اور لغو باتوں سے پرہیز کیجئے، دوسروں کیلئے وہی پسند کیجئے جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں، اس سے اللہ آپ کو اس دنیا میں رزق میں وسعت اور آخر میں اپنی رضا عطا کرے گا اور یہی انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے، جسکی کوشش ہر انسان کو کرنی چاہئے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ معاملات اور تجارت کے احکام کو شریعت نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ دنیا کے کسی مذہب، تاریخ کے کسی نظریے اور کسی فلسفے نے معیشت وتجارت کو وہ مقام اور اہمیت نہیں دی جو اسلام نے دی ہے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ شریعت نے کسی چیز کو حرام قرار دیا ہے تو کیوں حرام قرار دیا ہے؟ اس کی علت کیا ہے؟ وہ علت کہاں کہاں پائی جاتی ہے۔؟ تجارت کرتے وقت ان امور کو سامنے رکھنا از حد ضروری ہے۔

۱۹ر جنوری کو احمد آباد میں ایک اسکول (احمد آباد پبلک

اسکول) کے سنگ بنیاد میں شرکت کرنی تھی جس میں خادم القرآن والسنہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی رئیس جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا نے صدارت کی اس لئے ۱۸رجنوری کو واپی سے احمد آباد کیلئے روانہ ہوئے، ۱۹رجنوری کو جو ہاپورہ میں (APS) اسکول کی بنیاد رکھی، اس کے بعد یس بھائی نور صاحب سے ایک عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی، بھائی یس ماضی قریب میں دبئی میں ایک بڑے تاجر کے نام سے جانے جاتے تھے، لیکن گجرات فساد کی زد میں ان کو اور ان کے صاحبزادے کو دس سال کی جیل کی قید و بند برداشت کرنی پڑی۔

۲۰رجنوری کو صبح سویرے بانی شہر (احمد آباد) کے مزار اور شاہی جامع مسجد دیکھنے کیلئے گئے، احمد آباد کے سنگ بنیاد کی تاریخ کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ یہ شرط رکھی گئی کہ چار ایسے شخص کو تلاش کیا جائے جن کے نام میں احمد مذکور ہو، اور جنہوں نے تمام فرض نمازیں ادا کرنے کے علاوہ نماز عصر تک کی سنت غیر مؤکدہ ہمیشہ ادا کی ہوں، اس شرط کے حامل کو بہت تلاش کے بعد حضرت قاضی احمد، ملک احمد، شیخ احمد گنج بخش کھٹو ملے۔ آخر میں سلطان احمد شاہ نے کہا کہ میں اس راز کو پوشیدہ رکھنا چاہ رہا تھا؛ لیکن تلاش بسیار کے بعد چوتھا احمد نامی شخص نہ ملنے پر میں ظاہر کر دیتا ہوں کہ میرے اندر بھی یہ شرط پائی جاتی ہے۔ اس طرح آخر کار احمد نام والے چار اولیاء کرام دریائے سابرمتی کے کنارے جمع ہوئے اور ۱۴۱۱ء میں اس شہر کی بنیاد رکھی۔ شاہی جامع مسجد احمد آباد کی چھ سو سال قدیم مسجد ہے جو اپنے طرز تعمیر بلند دیوار، کشادہ صحن، ۲۵۶رکھمبے ۵۰رگنبد اور ۵رمحراب کے ساتھ یہ مسجد لوگوں کو نماز کے ساتھ آباد رکھنے کی صدا دیتی ہے، کاش آج تفریح گاہوں سے ہٹ کر عبادت گاہ سمجھ کر لوگ جاتے۔ اس مسجد کی در و دیوار دیکھ کر مسجد قرطبہ کی یاد آتی ہے اور یہ آثار بتا رہے ہیں کہ ہم عبادت سے خالی ہیں۔

بانی شہر سلطان احمد شاہ (۷۹۳ھ-۸۴۵ھ) کے مزار پر فاتحہ کے بعد سرخیز روضہ نکلے جہاں حضرت شیخ احمد کھٹو گنج بخش (۱۳۳۸ء-۱۴۴۶ء) کا مزار ہے، یہاں بھی ایک جامع مسجد ہے جسے سلطان احمد شاہ نے ۸رسالوں میں تعمیر کرایا تھا، لیکن آج یہ مسجد سجدہ کو ترس رہی ہے۔ یہاں فاتحہ پڑھنے کے بعد جامعہ دارالقرآن سرخیز گئے جہاں مفتی ثمیر احمد ناظم جامعہ دارالقرآن سرخیز، مولانا عرفان احمد، مفتی مرغوب احمد استاذ جامعہ دارالقرآن سرخیز، مولانا انوار احمد اعظمی شیخ الحدیث جامعہ اصلاح البنات سملک نوساری گجرات سے ہندوستان میں پھیلے مدارس اسلامیہ اور علماء کی ذمہ داریاں پر تبادلۂ خیال کیا پھر وہاں سے فراغت کے بعد رات سات بجکر ۵۰رمنٹ کی پرواز سے احقر اور حضرت مفتی صاحب دہلی پہونچ گئے۔

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

اللہ اس سفر کو خیر کا ذریعہ اور نجات کا سبب بنائے۔ آمین

❁ ❁ ❁

کوائف جامعہ

جامعۃ القاسم کی دینی، دعوتی ودیگر سرگرمیاں

.....● ابوحمنہ شہاب

ہند و نیپال کی سرحد پر واقع شمالی بہار کی ممتاز دینی درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی ،سپول بہار میں تعلیمی اور تعمیری سرگرمیاں ان دنوں عروج پر ہیں۔ بانی جامعہ ناموس رسالت کے علم بردار،فخر ملت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب مدظلہ العالی گزشتہ تقریباڈیڑھ ماہ سے مسلسل مختلف دعوتی، اصلاحی پروگرام میں بطور مہمان خصوصی شرکت کی غرض سے گجرات، پونا، دمن اور ممبئی کے سفر پر ہیں۔اس دوران انہوں نے کئی مدارس اور مذہبی تقاریب ومجالس میں حالات حاضرہ کی مناسبت سے خطاب فرمایا۔حضرت مفتی صاحب کے یہ بیانات مقامی اخبارات و جرائد میں بھی شائع ہوئے ہیں۔اس سے قبل جامعۃ القاسم میں بھی کئی اہم مجلسوں کا انعقاد عمل میں آیا جس میں جامعہ کا مشاہدہ کرنے آئے ملک و بیرون ملک کے مہمان کرام ،علماء اور دانشوران نے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔جن میں بطور خاص ممبئی سے تشریف لائے جناب حاجی محمد اسلام منصوری، حاجی اسماعیل منصوری واپی، حاجی رفیق بھیلاڈ، حاجی عبد الستار واپی، حاجی جعفر واپی، حاجی شکیل شیخ واپی، حاجی ساجد مہتاب، رفیع اور نوشاد بھائی کولکاتہ اور ایک دوسرے پروگرام میں دبئی سے تشریف لائے مولانا قاری رکن الدین قاسمی، قاری علی حسن مظفرنگر، مولانا عبدالحنان قاسمی دیوبند، مولانا یونس محمد مراد مسلم ایڈ آسٹریلیا، فقیہ العصر مولانا قاسم مظفرپوری قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، مفتی مجاہدالاسلام قاسمی استاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ دربھنگہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اسی درمیان دسمبر۲۰۱۳ء کے اوائل میں جامعۃ القاسم میں 'القاضی کمپوٹر سینٹر' کا باضابطہ افتتاح ہوا۔یہ سینٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان حکومت ہند کی نگرانی میں قائم کیا گیا ہے جس میں چالیس بچے ڈپلومہ کی سرٹیفکیٹ سے سرفراز ہوں گے۔

ہمیں یہ اطلاع دیتے ہوئے بھی بے انتہا مسرت و شادمانی ہورہی ہے کہ جامعہ کی عظیم الشان جامع الامام محمد قاسم النانوتویؒ (مسجد) جس کا سنگ بنیاد عارف باللہ حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی، حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی نبیرۂ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ہاتھوں ۲۸/اپریل ۲۰۰۶ء میں رکھا گیا تھا۔ الحمد للہ اس جامع مسجد کی تمام دیواریں، در، دریچے، سائبان اور روشن دان تک کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے۔اب انشاء اللہ العزیز ۱۵/ فروری ۲۰۱۴ء مطابق ۱۴/ربیع الثانی

۱۴۳۵ھ بروز سنیچر کو چھت کی ڈھلائی ہونی ہے۔۲/کروڑ کے بجٹ سے بننے والی اس مسجد کی چھت میں تقریباً ۶۰/لاکھ کی خطیر رقم کا صرفہ آئیگا۔جامع الامام محمد قاسم النانوتوی (جامع مسجد) کی تکمیل اور جامعہ کے دیگر تعلیمی اور تعمیری منصوبوں کو پورا کرنے کیلئے آپ حضرات خود بھی متوجہ ہوں اور اپنے متعلقین ومخلصین سے متوجہ ہونے کی اپیل کریں، تاکہ یہ خطیر صرفہ پورا ہوسکے۔اس تعلق سے ۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰/جنوری ۲۰۱۴ء کے بعد ہنگامی طور پر جامعہ کے اساتذہ اور مخلصین کا (وفد) مختلف علاقوں کا دورہ کرے گا، تاکہ جامع الامام محمد قاسم النانوتوی کی چھت کی ڈھلائی کیلئے دو ہزار بوری سیمنٹ کا انتظام ہوسکے۔

جامعۃ القاسم کا ششماہی امتحان مؤرخہ ۱۲/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۴/جنوری ۲۰۱۴ء بروز منگل سے شروع ہوکر ۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹/جنوری ۲۰۱۴ء تک جاری رہے گا۔اس کے بعد ۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰/جنوری ۲۰۱۴ء بروز پیر سے یکم/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ مطابق ۲/فروری ۲۰۱۴ء تک جامعہ میں تعطیل رہے گی۔ ۲/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ مطابق ۳/فروری ۲۰۱۴ء بروز پیر کی شام تک تمام طلبہ عزیز کی حاضری ضروری ہے۔

دعوت دین امت مسلمہ کی ذمہ داری: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

پونا: ۵/جنوری ۲۰۱۴ء (پریس ریلیز)

وقت بڑی نعمت ہے وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، وقت آتا ہی ہے گذرنے کیلئے۔۲۰۱۳ء آیا گذر گیا، آفسوں، اسکولوں، کالجوں اور مدارس ومساجد کی دیوار پر ۲۰۱۳ء کی جگہ ۲۰۱۴ء کا کلینڈر لگ گیا۔غور کرنے کی بات ہے کہ صرف کلینڈر ہی بدلتا ہے یا ہمارا طریقۂ زندگی بھی، کیونکہ یہ وقت کی تیز رفتاری ہمیں دعوت عمل دیتی ہے اور ہم کو ہمارا فرض منصبی، دعوت دین پر خیرامت ہونے کی حیثیت سے پوری امت مسلمہ کی اخلاقی و روحانی اصلاح کے فکر کی دعوت دیتی ہے۔اسلئے کہ سب سے بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کیلئے ہر اعتبار سے نفع بخش اور کارآمد ہو۔یہ باتیں انا ہزارے کے گاؤں ستارا کی جامع مسجد (مسجد نور حراء) میں ناموس رسالت کے علمبردار فخر ملت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، مدھوبنی سپول بہار نے اپنے خطاب میں کہا۔اس موقع سے مفتی عثمانی نے امت مسلمہ کو خیرامت ہونے کا سرٹیفکیٹ دیئے جانے پر تفصیل سے گفتگو کیا اور کہا کہ بھلائیوں کا حکم کرنا، برائیوں سے منع کرنا دین کو قائم کرنا اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا امت مسلمہ کا فریضہ ہے۔مسلمانوں کی کامیابی اور فلاح و بہبودی اس فریضہ کی ادائیگی میں ہے، اس فریضہ سے غفلت کفر و نافرمانی اور دین سے بے راہ روی تک پہونچادیتی ہے اور عذاب الٰہی کو دعوت دیتی ہے۔امت مسلمہ کے فرد ہونے کی حیثیت سے ضروری ہے کہ آپ اپنے فریضہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں ورنہ زندگی کے لمحات یوں ہی گذر جائیں گے اور آخرت میں ان لمحات پر افسوس ہوگا جو دنیا میں یوں ہی گذر گئے اور اللہ کو یاد نہ کرسکے۔اس موقع پر مولانا طالب صدیقی امام و خطیب مسجد النور پونہ، مفتی انصار قاسمی، قاری صلاح الدین، حاجی ابراہیم بابا، شکیل بھائی اور امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔آخر میں مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی رقت آمیز دعاء پر

مجلس کا اختتام ہوا۔

عصر حاضر میں سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ بے حد ضروری: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

پونہ: ۸؍جنوری ۲۰۱۴ء (پریس ریلیز)

جولوگ اپنے ماضی کو بھول جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے، پوری کائنات کیلئے آئیڈیل اور نمونہ پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کرامؓ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلاف نے ان کی زندگیوں کو اپنایا اور کامیاب ہوئے۔ یہ باتیں پونہ کی مشہور اور تاریخی مکہ مسجد میں ناموس رسالت کے علمبردار معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، مدھوبنی سپول بہار نے اپنے خطاب میں کہیں۔ مفتی عثمانی نے ہندوستان میں اسلام کی آمد اور گجرات، مہاراشٹر اور کوکن کی تاریخ بڑی تفصیل سے بیان کی اور کہا کہ ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالغنیؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، سید الطائفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ اور دیگر مجاہدین کی قربانی کی داستاں سنہرے حروف سے لکھی ہوئی ہیں، ان حضرات نے کبھی ملک کے ساتھ غداری نہیں بلکہ ہمیشہ وفاداری کا ثبوت دیا اور انہوں نے اس ملک سے کچھ لیا بھی نہیں مگر اپنے ملک کی حفاظت اور آزادی کیلئے اپنی جان تک قربان کردی۔ انہوں نے کہا کہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، خالد بن ولیدؓ جیسے جذبہ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ جیسی قربانی، مولانا قاسم نانوتوی اور شیخ الہند جیسا کردار پیش کیا جائے۔ افسوس کے ساتھ مفتی عثمانی نے کہا کہ عصر حاضر کی نسل پوری دنیا کی تاریخ سے تو کسی حد تک واقف ہوتی ہے، لیکن اپنے نبی اور اللہ کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ونسب، حضرات صحابہؓ، اکابرین اور مجاہدین کی قربانی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ انبیاءؑ، صحابہ کرامؓ اور اسلاف کے بارے میں خوب خوب پڑھیں اور معلومات حاصل کریں۔ مفتی عثمانی نے کہا کہ ان حضرات نے کلمہ لا الہ اللہ کی بنیاد پر ہندوستان کو انگریز کے ناپاک تسلط سے آزاد کرایا اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں احیاء اسلام اور حیاء دین کا کام کیا، لیکن آج لوگ مختلف جماعتوں اور تنظیموں میں بٹ گئے ہیں، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک فلیٹ فارم پر جمع ہوکر کام کیا جائے۔

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ میں 'القاضی کمپیوٹر سینٹر' کا افتتاح

سپول بہار: ۲؍دسمبر ۲۰۱۳ء:

شمالی بہار کی مشہور ومعروف دینی درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول میں کمپیوٹر سینٹر کا باضابطہ افتتاح عمل میں آیا۔ یہ سینٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی نگرانی میں قائم کیا گیا، جس میں اس وقت ۱۵؍کمپوٹر سے علاقے کے طلبہ استفادہ کریں گے۔ اس سینٹر پر چالیس طلبہ کے داخلہ کو ٹا متعین کیا گیا، جس میں ۹؍غیر مسلم طلبہ بھی شامل ہیں، جبکہ جامعہ کے تقریبا ۶۰؍طلبہ نے بھی سینٹر میں داخلہ لیا ہے۔ اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے جامعہ کے بانی ومہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے فقیہ العصر مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ سابق صدر آل

انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نام منسوب 'القاضی کمپوٹر سینٹر' کے قیام کو تاریخی قدم بتایا۔ جامعہ کے طلبہ و اساتذہ کو مبارکباد دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ ہم سب کیلئے انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ قومی کونسل نے ہماری درخواست پر توجہ دیتے ہوئے سینٹر کو منظوری دی، اس کے لئے ہم قومی کونسل کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ مفتی عثمانی نے کہا کہ عہد حاضر میں ہم جدید ٹیکنالوجی سے کٹ کر نہیں رہ سکتے، کیونکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں کیمپوٹر ایک طرح سے لائف لائن ہے جس کا علم بہت ہی ضروری ہے۔ اسی بنیادی مقصد کی تکمیل کیلئے ہم ایک عرصہ سے کوشاں تھے۔ خدائے پاک کا کرم و احسان ہے کہ ہماری ضرورتیں پوری ہوئیں اور جامعہ میں کمپوٹر سینٹر کا قیام عمل میں آیا۔ اس موقع پر جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ کمپوٹر کے ٹیچر اور مقامی لوگ بھی موجود تھے۔ جن میں مولانا حمید الدین مظاہری، مفتی عقیل انور مظاہری، مفتی انصار احمد قاسمی، مفتی توحید عالم قاسمی، مولانا امام الدین ندوی، قاری شمشیر عالم جامعی، مظفر حسین رحمانی، مظہر حسین رحمانی، مولانا آزاد قاسمی، مولانا عقیل احمد قاسمی، مولانا فیاض احمد قاسمی، مولانا صغیر احمد مفتاحی، قاری مشتاق احمد عثمانی، قاری علی اکبر عثمانی، قاری رضوان مدنی، مولانا مجیب الرحمٰن غفرانی، اور انتظار عالم کے نام قابل ذکر ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ انقلاب)

مودی بہار کو فرقہ واریت کی آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں: مفتی عثمانی

پٹنہ: (26-10-2013) لیڈر شپ اور وکاس کے نام پر کئی ریاستوں کو گمراہ کر چکے گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی اب بہار میں فرقہ وارانہ صف بندی کی کوشش کرنے کے لیے آرہے ہیں، اس لیے میں اسے نہ صرف بہار کی مشترکہ تہذیبی کلچر کے لیے تشویشناک تصور کرتا ہوں بلکہ اس بات کا بھی خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں سیاسی بازیگری کے طوفان میں صدیوں سے چلی آرہی بہار کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور مذہبی اتحاد کے جملہ راہ ورسم بھی خش وخاشاک کی طرح بہہ نہ جائیں۔ بلاشبہ کسی بھی سیاسی لیڈر کو کہیں بھی آنے جانے کی اجازت ہے، لیکن نریندر مودی کی بہار آمد کا صاف مطلب ہے کہ وہ بہار کو اسی طرح فرقہ واریت کی آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں۔ یہ باتیں ہوٹل ایمبیسی پٹنہ میں ایک پر ہجوم پریس کانفرنس میں سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ کے چیئرمین اور ممتاز اسلامی اسکالر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہیں۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح انہوں نے گجرات کو 2002 میں اس سے دوچار کیا تھا۔ نریندر مودی کسی بھی اعتبار سے وزیر اعظم کے عہدہ کے امیدوار بننے کے اہل نہیں تھے، لیکن آر ایس ایس اور اس کی تمام ذیلی تنظیموں نے بی جے پی کے بڑے بڑے قد آور لیڈران کو نظر انداز کر کے ان کو آگے اسی لیے بڑھایا ہے تاکہ یہ اپنی گرمی گفتار سے پورے ملک میں فرقہ واریت کی آندھی تیز کریں اور تمام ریاستوں میں فرقہ وارانہ خطوط پر نئی سیاسی صف بندی کریں، اسی غرض سے وہ بہار کی سیکولر سرزمین کو بھی ڈسنا چاہتے ہیں۔ میں اپنے تمام صحافی دوستوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی سیاسی پارٹی کی حمایت یا مخالفت میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھے ڈر ہے کہ ہزار خرابیوں

کے باوجود بہار میں جو بھائی چارگی اور رواداری کا ماحول ہے اس کا تانا بانا نریندر مودی جیسے لوگوں کی زہر بیانی سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہوجائے۔اس لیے میں بہار کے عوام سے یہ اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ وہ نریندر مودی کی ریلی کو ناکام بنا کر یہ پیغام دیں کہ یہ امن واہنسا کی دھرتی ہے، یہ بودھ ،مہاویر اور یحیٰ علی منیریؒ جیسے عظیم لوگوں کی سرزمین ہے، یہی وہ سرزمین ہے کہ جہاں سے گاندھی جی نے جدوجہد آزادی کی تحریک چھیڑی، اس لیے ہم اپنی سرزمین میں کسی ایسے شخص کو تخریبی سیاست کی اجازت نہیں دے سکتے، ہم نریندر مودی جیسے لوگوں کو برداشت نہیں کرسکتے جن کی کوشش ہے کہ ملک کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کردیا جائے۔

نریندر مودی پورے دیش میں گھوم گھوم کر یہ کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کو بی جے پی سے ڈرنا نہیں چاہیے اور ڈرانے والوں سے ان کا حساب مانگنا چاہیے، لیکن خود انہوں نے اپنے کیے کا حساب قوم کے سامنے پیش نہیں کیا ہے ، گجرات میں مسلمانوں کی نسل کشی کا اب تک نہ حساب دیا ہے اور نہ ہی انہو ں نے معافی مانگی ہے، پھر وہ کس منھ سے مسلمانوں کو قریب کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔نریندر مودی کو سمجھنا چاہیے کہ برقع اور ٹوپی خرید کر اپنی ریلیوں میں جو تاثر دینے کی وہ کوشش کررہے ہیں اس فریب میں نہ مسلمان آنے والے ہیں اور نہ سیکولر عوام، کیونکہ مسلمانوں اور سیکولر عوام کو جو زخم دیا ہے وہ ابھی بھرے نہیں ہیں نہ ہی نریندر مودی جیسے متکبر شخص سے ایسی کوئی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ مستقبل میں کبھی سیکولرزم کی راہ اپنا سکتے ہیں۔ایک ایسا شخص جس کے ہاتھ ہزاروں بے قصور مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔جس پر معصوم عشرت جہاں کو قتل کرنے کا سنگین الزام ہے،جس نے سہراب الدین اور اس کی بیوی کا بے رحمانہ قتل کردیا ہے، اتنے بڑے گنہگار کو وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھانے کا ارادہ رکھنا بھی اس ملک کی توہین ہے۔

مودی کے گناہ کو گجرات کے کئی افسران علی الاعلان ملک کے سامنے پیش کرچکے ہیں۔ابھی چند دنوں قبل مودی کے چہیتے اور عشرت جہاں اور سہراب الدین کے فرضی انکاؤنٹر میں قتل کیے جانے کے سلسلے میں جیل میں بند معطل پولیس افسر ڈی جی ونجارہ نے استعفیٰ دیتے ہوئے مودی اور سابق ریاستی وزیر داخلہ امت شاہ کی کرتوتوں کا پردہ فاش کیا ہے۔ مودی ۲۰۰۲ء میں گجرات میں مسلمانوں کی نسل کشی کا جو تجربہ رکھتے ہیں، اس پائے کا لیڈر اس وقت بی جے پی میں آر ایس ایس کو کوئی اور نظر نہیں آرہا ہے۔ان کے اس تجربے کو آر ایس ایس اور بھگوا جماعتیں ملک بھر میں آزمانے کا ارادہ رکھتی ہیں اور اس کام کو منظّم طریقے سے انجام دینے کا ہنر شاید مودی اچھی طرح جانتے ہیں اور اس کی جھلک اتر پردیش میں صاف نظر آرہی ہے۔جب سے مودی کے چہیتے امت شاہ کو یوپی کا انچارج بنایا گیا ہے، وہاں کا فرقہ وارانہ ماحول گرم ہے اور اب تک یوپی کے کئی اضلاع میں فرقہ وارانہ فساد ہوچکے ہیں۔سیکڑوں مسلمانوں کا قتل کیا جاچکا ہے،ان کے کاروبار کو تہس نہس اور مسلمانوں کی بہو، بیٹیوں کی عزت لوٹی جاچکی ہے۔تشدد سے متاثرہ ہزاروں لوگ آج بھی مظفرنگر کے عارضی کیمپوں میں رہ رہے ہیں۔ان پر اس قدر ظلم کیا

گیا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو جانے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

یو پی میں یہ سب اچانک نہیں ہوا ہے میڈیا کے مطابق شاملی اور مظفر نگر ضلع میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ٹکراؤ کے حالات پچھلے چار پانچ مہینوں سے بنے ہوئے تھے اور بی جے پی سے جڑے لیڈران مسلسل ہوا دے رہے تھے۔ شر پسند عناصر نے جگہ جگہ پر مسلمانوں کو اکیلا پا کر مارنے پیٹنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ لوگ جہاں بھی داڑھی- ٹوپی والے مسلمانوں کو دیکھتے، ان کی پٹائی کر دیتے یا گالیاں بکتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر یا تو تبلیغی جماعت سے جڑے ہوئے تھے یا پھر مدرسوں میں پڑھنے والے طلبہ تھے۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو ذلیل کر کے انہیں مشتعل کرنا تھا۔ داڑھی اور ٹوپی والے مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا واقعہ خاص کر دہلی سے مظفر نگر، دیوبند یا سہارنپور جانے والی ریل گاڑیوں میں پیش آیا اور بیچ راستے میں ان کے ساتھ مار پیٹ کی گئی۔

مفتی عثمانی نے کہا کہ صدر جمہوریہ ہند، وزیر اعظم، وزارت داخلہ اور ریاستوں کے وزراء اعلیٰ سے ہماری اپیل ہے کہ جب تک فرقہ وارانہ تشدد پھیلانے والی طاقتوں کیساتھ سختی سے نہیں نپٹا جائے گا اور ان پر پابندی نہیں لگائی جائے گی یہ طاقتیں ملک کے جمہوری ڈھانچے کے لیے بڑا خطرہ بنی رہیں گی۔

تعلیم اور دین سے دوری مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب

انجمن 'اصلاح البیان' کے اجلاس میں بانی جامعہ، معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کا اظہار خیال

سپول: مسلمانوں کی پستی اور بدحالی کا اصل سبب علم اور دین سے دوری ہے۔ مسلمان دین کی طاقت کے سبب ہی ابھرے تھے اور پوری دنیا پر چھا گئے تھے اور آج دین سے دوری کی وجہ سے ہی پوری دنیا میں پریشان ہے اور در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ ان خیالات کا اظہار جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول کے بانی وفخر ملت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کیا۔ وہ آج ہندو نیپال کی سرحد پر واقع رشد وہدایت اور تعلیم و تبلیغ کی عظیم درسگاہ جامعۃ القاسم میں طلبہ کی انجمن 'اصلاح البیان' کے جلسہ سے صدارت کر رہے تھے۔ بہار بالخصوص سیمانچل کے مسلمانوں کی پسماندگی پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے طلبہ سے کہا کہ علم کی وجہ سے ہی اس علاقے کی خستہ حالی کا خاتمہ ممکن ہے۔ انہوں نے کہا کہ جامعۃ القاسم کا ہر طالب علم ایک مثالی ہے جس کے اندر علم کے ساتھ خلوص وللّٰہیت بھی ہے۔ دراصل طالب علم وہی ہے جس کے اندر دور طالبعلمی سے ہی انابت الی اللہ کی کیفیت پیدا ہو۔ اس موقع پر طلبہ نے اردو، عربی، فارسی، ہندی اور انگریزی میں تقریریں کیں۔ جن طلبہ نے اس پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں محمد شمیم مدھوبنی، محمد صدر عالم دربھنگہ، محمد نوشاد دربھنگہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ممبئی سے تشریف لائے مہمان خصوصی حاجی محمد اسلام منصوری نے کہا کہ جامعہ کے عزیز طلبہ نے دل خوش کر دیا، جس طرح کی کارکردگی کا انہوں نے مظاہرہ کیا ہے اس سے ان کی بہتر تعلیم وتربیت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کیلئے بانی جامعہ مفتی عثمانی قابل مبارکباد ہیں۔ پروگرام میں حاجی اسماعیل منصوری واپی، حاجی رفیق

بھیلاڈ، حاجی عبدالستار واپی، حاجی جعفر گجرات، حاجی شکیل شیخ واپی، حاجی ساجد مہتاب کلکتہ، رفیع بھائی کلکتہ، نوشاد کلکتہ نے بھی اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

اس موقع پر مولانا حمید الدین مظاہری، مفتی عقیل انور مظاہری، مفتی انصار قاسمی، قاری شمشیر عالم جامعی، ماسٹر مظہر حسین اور جامعہ کے دیگر اساتذہ کے علاوہ بڑی تعداد میں مقامی لوگ موجود تھے۔ (بشکریہ انقلاب، روزنامہ ہندوستان ایکسپریس)

جامعۃ القاسم میں ایک روزہ تعلیمی بیداری کنونشن کا انعقاد

سپول: شمالی بہار کی معروف دینی درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی ضلع سپول میں ایک روزہ تعلیمی بیداری کنونشن کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں ملک اور بیرون ملک کے علماء اور دانشوارن اور اسکالر نے شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر کنونشن کی صدارت کرتے ہوئے بانی جامعہ فخر ملت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ علم ایک ایسی روشنی ہے جو انسانوں کی پوشیدہ صلاحیتوں اور خوبیوں کو ابھارتی ہے اور جس کی وجہ اہل علم و علماء معاشرہ میں اور سماج میں اپنا منفرد مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تعلیم یافتہ انسان اپنے اہل وعیال اور پوری قوم کیلئے مفید اور کارآمد ہوتا ہے، جبکہ جاہل انسان ملک اور قوم پر ایک بوجھ ہوتا ہے۔ مفتی عثمانی نے کہا کہ انسانیت کی بقا کیلئے دینی مدارس کا قیام انتہائی ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر مدارس کا وجود مٹ جائے تو پوری انسانیت مٹ جائے گی۔ یاد رکھیے سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہتر سامان تو بنائے جاسکتے ہیں مگر اچھے انسان نہیں پیدا کیے جاسکتے۔ اچھے انسان تو انبیاء کرام کی تعلیمات سے ہی پیدا ہوں گے اور انہیں کی تعلیمات سے انسانوں کے کیریکٹر اور اخلاق درست ہوں گے، اس لئے امت مسلمہ تعلیم کیلئے آگے آئیں اور اسلام کے پیغام انسانیت کو عام کریں۔ اس موقع پر دبئی سے تشریف لائے مولانا قاری رکن الدین استاد تحفیظ القران نے کہا کہ اس علم و ہنر کے گہوارہ جامعۃ القاسم میں تعلیمی بیداری کنونش کے موقع پر آکر دل باغ باغ ہوگیا۔ انہوں نے کہا ضرورت اس بات کی ہے کہ علما اور اہل علم بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لانے کا کام کریں۔ اس موقع پر قاری علی حسن مہتمم فاطمہ زہرا مظفرنگر، مولانا عبدالحنان قاسمی دیوبند مولانا عبدالمتین رحمانی، مولانا ضیاء اللہ، مولانا ابوالکلام مظاہری نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا جبکہ مفتی انصار قاسمی، مولانا حمید الدین مظاہری، مفتی عقیل انور مظاہری، قاری شمشیر عالم جامعی، ماسٹر مظہر حسین اور جامعہ کے دیگر اساتذہ کے علاوہ بڑی تعداد میں مقامی لوگوں نے شرکت کی۔ (بشکریہ انقلاب بہار)

حکومت بابری مسجد کے گنہگاروں کو کیفر کردار تک پہنچائے: مفتی عثمانی

تاریخی بابری مسجد کی ۲۲ ویں برسی پر منعقدہ میٹنگ میں مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے مسلمانوں سے ''پرامن طور پر یوم سیاہ منانے'' کی اپیل کی

نئی دہلی ۵ دسمبر ۲۰۱۳ء: ہندوستان کی جمہوریت کی بقا اور اس کے تحفظ کیلئے ضروری ہے کہ ملک کے سبھی باشندوں کو بلا تفریق وامتیاز کے انصاف ملے، ان کے جان و مال عزت وآبرو

کی حفاظت کی جائے۔اگر ملک کے باشندوں کو اپنے ہی ملک میں انصاف نہیں ملے اور انسانیت اور ملک کے دشمنوں کو ظلم و زیادتی کرنے کی پاداش میں سزا ملنے کے بجائے اسے تحفظ فراہم کیا جانے لگے اور اس کیخلاف سخت قانونی کارروائی نہ کی جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس ملک کی جمہوریت اور سالمیت کو خطرہ ہے اور ملک میں ظالم و جابر لوگوں کا دبدبہ بڑھتا جارہا ہے۔ان خیالات کا اظہار ممتاز عالم دین وسیکریٹری جنرل امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفئر ٹرسٹ انڈیا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کیا۔وہ تاریخی بابری مسجد کی شہادت کی ۲۲ربرسی پر منعقدہ ایک میٹنگ سے خطاب کر رہے تھے۔۶ر دسمبر کو ملک کے مسلمانوں سے پرامن طریقے سے 'یوم سیاہ' منانے اور صبر وتحمل سے رہنے کی اپیل کرتے ہوئے مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے مسلمانون کی غیرت وحمیت کو جھنجھورتے ہوئے کہا

اپنے کعبے کی حفاظت ہمیں خود کرنی ہے
اب ابابیل کا لشکر نہیں آنے والا

انہوں نے کہا کہ یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تاریخی بابری مسجد کو شہید کرنے والے گنہگار آج بھی کھلے عام دندناتے پھر رہے ہیں اور ۲۲ر سالوں بعد بھی مسلمانوں کو انصاف نہیں ملا۔انہوں نے تاریخی مسجد کو شہید کرنے والے اور ہزاروں لوگوں کے قاتل مجرموں کا نام لیتے ہوئے کہا ایل کے اڈوانی، اوما بھارتی، مرلی منوہر جوشی، کلیان سنگھ، ونے کٹیار، ادتیہ ناتھ اور ویشو ہند پریشد کے صدر اشوک سنگھل، پروین توگڑیا اور آرایس ایس کے ہزاروں کارسیوک جنہوں نے ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو ملک کے وقار، عظمت رفتہ کی یادگار بابری مسجد کو دن کے اجالوں میں شہید کر کے ہندوستان کی جمہوریت میں آخری کیل ٹھونک دی اور ملک کی عدلیہ کے وقار کو پامال کر دیا انکے خلاف آج تک مناسب کارروائی نہیں ہوسکی۔مفتی عثمانی نے کہا کہ کانگریسی حکومت جس پر مسلمانوں نے ہمیشہ بھروسہ کیا، ہمارے اسلاف اور بزرگوں نے ہمیشہ اس پارٹی کا ہر طرح سے دست تعاون کیا مگر اسی کانگریس نے سب سے زیادہ مسلمانوں کو زخم بھی دیے ہیں، لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ کانگریس پارٹی ملک کے تیس کروڑ مسلمانوں کے مسائل پر سنجیدگی سے غور کرے اور بابری مسجد کے قاتلوں کو کیفر وکردار تک پہنچائے ورنہ آنے والے لوک سبھا کے انتخابات میں اسے بھاری قیمت چکانا پڑسکتی ہے۔انہوں نے کہا کہ اسی طرح گجرات میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلنے والے وزیر اعلی نریندر مودی پر بھی ہاتھ ڈالنے سے مرکزی حکومت کتراتی رہی ہے۔اگر حکومت کا یہی حال رہا اور ظالموں کو یوں ہی چھوٹ دیتی رہی تو مودی جیسے فرقہ پرست اور جمہوریت کا خون بہانے والے درندے ایک دن وزارت عظمیٰ کی کرسی تک پہنچ جائیں گے۔اور یہ ''ہندوستان جیسے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے علمبردار ملک کیلئے سیاہ دن ہوگا۔'' اس سے پہلے کہ پانی سر سے اوپر ہو جائے اور معمولی زخم ناسور بن جائے بابری مسجد کے گنہگاروں اور گجراتی مسلمانوں کے قاتلوں کے خلاف منصفانہ کارروائی کرتے ہوئے انکو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج کر تاریخی بابری مسجد کی تعمیر کی راہ ہموار کی جائے تاکہ دیر سے ہی سہی اٹھنے والا قدم ملک کے ۳۰ رکروڑ مسلمانوں کو

انصاف دلا سکے۔اس موقع پر مولانا یوسف انور قاسمی،مظفر حسین رحمانی،قاری شمشیر عالم جامعی،شاہ جہاں شاد،مصعب انیس، شمیم اختر،مولانا محمد آصف قاسمی ندوی اور مولانا ارشد عالم ندوی بھی موجود تھے۔

سرمایہ ملت کے نگہبان کو حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی بین الاقوامی ایوارڈ

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کو ایوارڈ ملنے پر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کو دلی مسرت اور مبارک باد

نئی دہلی (۲۲جنوری ۲۰۱۴ء)جنوبی افریقہ کی سرزمین پر 80 ممالک کی نمائندہ شخصیات، زعماء اور ممتاز دانشوران کی موجودگی میں محدث عصر شیخ عوامہ کے ہاتھوں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کو'' حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی ایوارڈ'' دیئے جانے پر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت موصوف کو قلبی مبارک باد دی۔ واضح ہو کہ ''جائزۃ القاسم'' ایک بین الاقوامی ایوارڈ ہے جو ہر سال کسی ممتاز عالم دین کو دیا جاتا ہے۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی حفظہ اللہ کے خلیفہ ومجاز مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے 'جائزۃ القاسم' کے سرپرست شیخ عوامہ اور جائزہ کمیٹی کے صدر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور جملہ ارکان کو ایوارڈ کیلئے اس حسن انتخاب پر مبارکباد دی اور کہا کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کا اس ایوارڈ کیلئے انتخاب انتہائی مناسب اور پوری علماء برادری کیلئے قابل فخر ہے۔مفتی عثمانی صاحب نے اپنے مبارک بادی پیغام میں بطور خاص حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی، ڈاکٹر محمد اعظم قاسمی ،سلمان قاسمی ، مولانا سفیان قاسمی، جناب عدنان قاسمی ،حافظ عاصم قاسمی،سلمان غازی،مولانا محمد شکیب قاسمی اور اساتذہ وطلباء دارالعلوم دیوبند (وقف) کیلئے باعث صد افتخار قرار دیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ حجۃ الاسلام النانوتوی ایوارڈ سے حضرت والا کی علمی شان بہت بلند ہے، تاہم اس کی نسبت کی وجہ سے یہ ایوارڈ ہم خدام کیلئے نہایت حوصلہ افزا ہے اور جائزہ کمیٹی نے قابل مبارکباد ہے۔

اس تقریب کا اہتمام دارالعلوم آزادویل، جوہانسبرگ جنوبی افریقہ میں حضرت مولانا عبدالحمید اسحاق کی میزبانی میں ہوا تھا ،ان کے حسن انتظام کے لیے وہ بھی قابل مبارکباد ہیں۔

وفیات:

حضرت مولانا ابوالحسن علی قاسمی صاحب کی رحلت

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سال ۲۰۱۳ء جہاں علمی دنیا کے لئے کئی اعتبار سے رنج والم کا رہا، کئی علمی اور اہم شخصیات علمی حلقہ سے رخصت ہوئیں،اور جن کے جانے سے مدارس اور علمی حلقہ میں بڑا خلا پیدا ہوا ہے۔ان میں سے ایک اہم اور علمی لحاظ سے قدآور شخصیت حضرت مولانا ابوالحسن علی قاسمی صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات بھی ہیں، جو ہمارے درمیان سے نہ صرف یہ

کہ رخصت ہوئے، بلکہ ان کے چلے جانے سے دارالعلوم ماٹلی والا میں بالخصوص اور علم حدیث کے حلقہ میں بالعموم عظیم خلا پیدا ہوا ہے، مولانا تقریباً ۶۲ رسالوں سے زیادہ عرصہ سے مذکورہ دارالعلوم اور اس کے علاوہ دوسری دینی درسگاہوں میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دے رہے تھے، مولانا علیہ الرحمہ نے ۴۲ رسال تک ماٹلی والا میں درس حدیث دیا، مولانا جید عالم تھے، علم حدیث، علم فقہ اور علم اصول فقہ میں موصوف کو بڑی مہارت تھی، وہ اچھے استاذ بھی تھے، اور بہت عمدہ اور تحقیقی مقالہ نگار بھی تھے، مولانا نے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سمینار میں جو ماٹلی والا میں ہوا تھا انہوں نے شاندار مقالہ اور خطبہ استقبالیہ پیش کیا، اس پر فقیہ الامت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور بانی اسلامک فقہ اکیڈمی نے برجستہ یہ بات کہی کہ ''حضرت مولانا ابوالحسن علی قاسمی صاحب نے اتنا بلیغ، جامع اور فاضلانہ خطبہ دیا اور مقالہ پیش کیا کہ اس کے بعد اس موضوع پر مزید گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی''۔ یہ بات مفتی احمد نادر القاسمی (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے بتائی۔ اس سے مولانا کی علمی عظمت اور دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، مولانا کی پیدائش ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۰ رمارچ ۱۹۲۹ء کو گاؤں سرمد پور، ڈاکخانہ مہگاؤں، ضلع دمکا بہار اور حالیہ ضلع گڈا جھارکھنڈ میں ہوئی، اس کے بعد محلّہ محی الدین شاہ جنگی بھاگل پور میں بود و باس اختیار کرلیا، مولانا نے ابتدائی تعلیم مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگل پور میں حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کیلئے ام المدارس دارالعلوم دیوبند آئے، اور وہاں علم حدیث، تفسیر اور فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور چار سالوں تک زیر تعلیم رہے اور ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں دورہ حدیث میں اعلی نمبرات حاصل کر کے فراغت پائی۔ مولانا کے خاص اساتذہ میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہم الرحمہ والرضوان شامل ہیں۔ فراغت کے بعد حضرت شیخ الادب نے مولانا کو دارالعلوم چھاپی گجرات کے مدرسہ میں تدریس کیلئے بھیجا جہاں وہ تقریباً ۲۰ رسالوں تک تدریسی خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد مولانا دارالعلوم ماٹلی والا عیدگاہ روڈ بھروچ آ گئے، اور ۴۲ رسالوں تک حدیث کی تدریس بطور شیخ الحدیث انجام دیتے رہے اور وہیں اپنے رفیق اعلی سے مؤرخہ ۱۵ رذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۲ رستمبر ۲۰۱۳ء کو جا ملے۔ إنا للّٰه و إنا إليه راجعون. اور وہیں ۲۳ رستمبر ۲۰۱۳ء کو تدفین ہوئی۔ حضرت کی زندگی مکمل تقویٰ وللّٰہیت، زہد و قناعت اور اخلاص و کفایت شعاری سے عبارت تھی۔

بہرحال حضرت مولانا کے چلے جانے سے ہم لوگ ایک اچھے اور جید عالم دین سے محروم ہوگئے، اللہ تعالیٰ بفضل خاص سے اس خلا کو پُر فرمائے۔ معارف قاسم مکمل طور پر مولانا حفظ الرحمٰن جانباز قاسمی استاذ دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور بھروچ گجرات اور مولانا حسین قاسمی استاذ حدیث جامعہ حسینیہ راندیر گجرات کے علاوہ ان کے جملہ اہل خانہ کے ساتھ اظہار تعزیت اور ہمدردی کرتا ہے۔

مولانا کا پورا نام محمد ابوالحسن علی بن محمد حسین الانصاری

تھا، انتقال کے وقت موصوف کی عمر عیسوی کے لحاظ سے ۸۴؍سال اور ہجری کے لحاظ سے ۸۷؍سال تھی۔ مولانا کے پسماندگان میں ۴؍صاحبزادے اور ۶؍صاحبزادیاں ہیں۔

میں اخیر میں حضرت علیہ الرحمہ کی پاک روح کو علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے ساتھ خراج تحسین پیش کرتا ہوں:

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

مولانا سہیل احمد مظاہری کا انتقال

۲۰؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ بمطابق ۲۷؍اکتوبر ۲۰۱۴ء کو فاضل نوجوان مولانا سہیل احمد مظاہری مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم رحیم پور کھابدہ اچانک ایک حادثہ میں اللہ کے پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیز گار تھے، وفات کی خبر سن کر پورا علاقہ سوگوار ہوگیا، جنازہ میں امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جس نے اپنی نم آنکھوں سے سپرد خاک کیا۔ جنازہ کی نماز مولانا نسیم احمد صاحب مظاہری شیخ الحدیث جامعہ نورالاسلام میرٹھ نے پڑھائی جبکہ نماز جنازہ سے قبل فخر ملت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی اور مولانا جمیل صاحب مظاہری نے ان کے اوصاف و کمالات اور خوبیوں کا تذکرہ کیا۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

مولانا علی احمد رازی کی والدہ کا انتقال

اراریہ: شمالی بہار کی معروف دینی درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول کے معتمد مولانا علی احمد رازی قاسمی کی والدہ ماجدہ کا ان کے آبائی گاؤں رحیم پور کھابدہ روانہی میں ۳؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۷؍دسمبر ۲۰۱۳ء بروز سنیچر کو انتقال ہوگیا، ان کی عمر تقریبا ۸۰؍سال تھی۔ مرحومہ ملنسار اور نیک خاتون تھیں، ان کے پسماندگان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ مولانا علی احمد رازی کی والدہ کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے بانی و مہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جو اپنے وقت پر آتی ہے اس لئے ہمیں صبر وتحمل سے کام لینا چاہئے۔ موت حکم الٰہی کی ہمیشہ منتظر رہتی ہے، حکم ملنے پر پلک جھپکنے کی دیر نہیں کرتی اور حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے ہدف کی تلاش میں نکل پڑتی ہے' چاہے وہ آنکھوں کو چندھیا دینے والی سورج کی شعاعوں میں ہو یا ظلمت شب کی تاریک راہوں میں ہو' شہر میں ہو یا بستی میں' بازاروں میں ہو یا ویرانوں میں۔ غرض یہ کہ جہاں بھی، جس حالت میں اپنے ہدف کو پاتی ہے' لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوجاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ 'موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتی ہے'۔ دنیا کی مثال ایک پیالے کی ہے اور تمام لوگ اسے پینے والے ہیں' موت ایک پل ہے اور تمام لوگ اس پر گزرنے والے ہیں۔ اس لئے ہمیں موت اور آخرت کی تیاری ابھی سے کرنا چاہئے تاکہ اپنے مالک وخالق اور رسول اللہ کے سامنے کل روز قیامت رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ (بشکریہ انقلاب)

❁ ❁ ❁

معارف کی ڈاک

Trust Regd. No. : (Waqf) 039 Surat. Ph. : (O) 0261-2393340, 2395118, 6556342

JAMEATUL - QIRAAT
M. A. Hai Nagar, At. & Po. KAPLETHA,
Via : Lajpore, Dist. Surat-Pin. : 394 235,
Gujarat. (INDIA).

سن تاسیس ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء
ESTD. : 1417 Hijri / 1996 A.D.

جامعۃ القراءات
مولانا عبدالحی نگر
کفلیتہ ۳۹۴۲۳۵
سورت، گجرات (الہند)

Ref. No. Date :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فخر الاماثل علم وفضل کے غواص حضرت اقدس مولانا مفتی محفوظ الرحمن صاحب عثمانی ادام اللہ فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت از طرفین مطلوب ہے

خدمت اقدس میں عرض یہ ہے کہ مفتی برما وگجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ ڈابھیلی نوراللہ مرقدہ المتوفی ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء سابق مفتی ومہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات (جنکے بارے میں مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا، میں نے انہیں خوب پہچانا علم میں رسوخ تھا اور تفقہ میں کمال، اسی وجہ سے فتاوی نویسی میں کامل ومکمل تھے، انکا وجود مسلمانان گجرات کے لئے نعمت وغنیمت تھا۔ (نقوش بسم اللہ ج ۱ ص ۴۸) جنکا تعارف تاریخ دارالعلوم دیوبند میں کچھ اس طرح ہے، گجرات میں انکی ذات مرجع خلائق تھی، گجرات کے نہ صرف عوام بلکہ علماء میں بھی آپ کے فتاوی کو قدر ومنزلت حاصل تھی ۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ج ۲ ص ۱۳۲) جنکے فتاوی کو دیکھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ،اس آدمی کے فتاوی سے تفقہ کی بو آرہی ہے۔ (تاریخ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، ص ۲۸۳)) کے فتاوی رنگون وڈابھیل کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں، تاریخ جامعہ ڈابھیل میں جنکی تعداد، ۳۵۰۰۰ ہزار درج ہے، (تاریخ جامعہ ڈابھیل ص ۲۸۳) جو گجراتی اور اردو زبان میں ہیں، اگرچہ اس سے قبل گجراتی زبان میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت مفتی عباس داؤد بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم نائب مفتی ونائب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، وشیخ الحدیث جامعۃ القراءات کفلیتہ نے ترتیب دیکر پانچ جلدوں میں فتاوی سنگرہ کے نام سے شائع فرمایا۔ اب ان تمام فتاوی کو اردو میں یکجا کر کے جدید تخریج وتبویب کے ساتھ مفتی دبیر عالم صاحب قاسمی، اور مفتی اسماعیل سعید واڈی لاجپوری نے محنت شاقہ کے بعد عقائد پر مشتمل پہلی جلد تیار کی ہے، یہ تو کام کی ابتداء ہے، اور مرتبین کے لئے بھی اس وادی میں قدم رکھنے کا پہلا تجربہ ہے، اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ حضرت کے فتاوی کو منظر عام پر لانے کا ہم نے حق ادا کر دیا، تاہم حتی المقدور سعی پیہم سے دریغ نہیں کی پھر بھی خطاونسیان کا امکان قوی ہے اس سلسلہ میں آنحضرت کے گراں قدر تأثر اور مشورے ہمارے لئے مستقبل میں دیگر جلدوں کے لئے رہنما بنیں گے انشاء اللہ۔ اس لئے عاجزانہ التماس ہے کہ مطالعہ فرما کر قیمتی تأثر اور مشوروں سے ہمیں نوازیں گے۔ اللہ تعالی آپ کی علمی خدمات قبول فرماتے ہوئے صحت وعافیت کے ساتھ طویل عمر نصیب فرمائیں۔ آمین

فقط والسلام

اسماعیل بسم اللہ

(بانی ومہتمم جامعۃ القراءات کفلیۃ، سورت گجرات)

۲۱ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۵ر دسمبر ۲۰۱۳ء

اگر آپ چاہتے ہیں کہ:

● ہمارے گھروں میں دین کی باتیں ہوں! ● مجالس اور لوگوں کی زبان پر ہمیشہ اصلاحی باتوں کا تذکرہ ہو! عوام وخواص میں ہمیشہ اصلاح کی فکر لاحق ہو! ● پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ، تعلیمات نبوی اور اسلاف کی پاکیزہ روایات سے معاشرہ کو روشناش اور اس کے تئیں بیداری پیدا کی جائے۔

تو آئیے! ان مقاصد حسنہ کی تکمیل کے لیے ''ماہنامہ معارف قاسم جدید'' کی علمی وفکری بیداری مہم میں شامل ہوجایئے۔

ممبر بن کر اور بنا کر

اس عظیم مہم کو کامیاب بنانے میں معاون بنیں

یقیناً آپ کا تعاون ''معارف قاسم جدید'' کی ترقی کا ضامن بن سکتا ہے۔

ہندوستان میں سالانہ زرتعاون صرف 300 / روپے اور بیرو ممالک میں 150 / ڈالر

اس کے علاوہ آپ مندرجہ ذیل طریقہ سے بھی تعاون کر سکتے ہیں

- اہل خیر حضرات کو اشتہار کی طرف توجہ دلائیں۔
- اپنی جانب سے علاقے کے بااثر حضرات، دینی اداروں، ملی تنظیموں اور لائبریریوں کے نام رسالہ جاری کرائیں۔
- معارف قاسم جدید میں کاروباری اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔
- ممبر سازی کے لیے جو نمائندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں ان کا بھرپور تعاون کریں۔
- پانچ آدمیوں کو ممبر بنا کر اپنا ایک سال کے لیے رسالہ مفت جاری کرائیں۔

یقین ہے کہ ہمارے قارئین کا پرخلوص تعاون ہمیں برابر حاصل رہے گا۔ انشاء اللہ۔

خط وکتابت: ماہنامہ ''معارف قاسم جدید دہلی'' این 93 / سیلنگ کلب روڈ، لین نمبر ۲، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی۔ 110025

ممبرشپ فارم

جس مدت کے لیے ممبرشپ چاہئے اس کے سامنے صحیح نشان لگائیں

☐ سالانہ فیس ..... (300/-)

☐ دوسال کے لیے ..... (600/-)

☐ تین سال کے لیے ..... (900/-)

☐ تاحیات ..... (10,000/-)

نام: ..... ولدیت: .....

مکمل پتہ: .....

ملک: ..... پن کوڈ: ..... ٹیلیفون نمبر: .....

عمر: ..... پیشہ: .....

معارف قاسم جدید کی ممبرشپ کے لیے ہے۔

منی آرڈر/چیک/ڈرافٹ نمبر: ..... تاریخ: .....

بذریعہ: ..... روپئے: ..... بھیج رہا ہوں/رہی ہوں۔

نوٹ: یہ شرح صرف ہندوستان کے لیے ہے۔

چیک/ڈرافٹ ''ماہنامہ معارف قاسم جدید'' دہلی کے نام سے بنوائیں۔

برائے مہربانی اس فارم کو بھر کر ڈاک سے معارف قاسم جدید این 93 دوسری منزل، لائن ۲، سیلنگ کلب روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی-۲۵ کے پتہ پر ارسال کریں۔

نرخ اشتہار

آخری ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	4,000/-
اندرونی ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	3,000/-
مکمل صفحہ	(اندرونی، بلیک)	1,500/-
آدھا صفحہ	〃	1000/-
چوتھائی صفحہ	〃	500/-

مطبوعات جامعہ

نام کتاب	مصنف	مرتب
مقامات مقدسہ	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
زکوٰۃ اوراس کامصرف (اردو،انگریزی)	امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
خطبہ حجۃ الوداع (اردو،انگریزی)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قاضی مجاہدالاسلام حیات وخدمات نمبر	مدیر اعلیٰ	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
سیرت النبی نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مسلم پرسنل لانمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
پیام انسانیت نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
رمضان کریم نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قرآن کریم نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مسلم مسائل نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجاہد کی للکار	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
قرآن کریم کا اعجاز اوراس کی حقیقت (اردو،انگریزی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
ہندوستان میں مدارس اسلامیہ (اردو،انگریزی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
اسلام اورامن وآشتی، اردو،انگریزی (زیرطبع)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
قادیانیت کی حقیقت (اردو،انگریزی/ہندی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
اسلام اور قادیانیت عقائد کی روشنی میں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجموعۂ رسائل حضرت علامہ نورمحمد خان ٹانڈویؒ		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
ہندی زبان میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ (زیرطبع)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
راہ عمل (زیرطبع)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
ذکرا قائماً (20ویں صدی کے علماء گجرات کی علمی، دینی خدمات)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
دینی مدارس ماضی، حال اور مستقبل تقاضے، چیلنجز اوران کا حل		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانیوں کوغور وفکر کی دعوت		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
متاع زندگی مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی جہد مسلسل، تحریکات، خدمات		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب القاسمی
محمد رسول اللہ کے بعد کوئی نبی نہیں	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
قادیانیت منظراور پس منظر	حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	
چند نامور علماء	حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی	عبدالقادر شمس قاسمی
قادیانی گروہ زندیقوں کی طرح تحریک ارتداد چلا رہا ہے		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
قادیانیوں کی چال سے ہوشیار رہیں!		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
قادیانیت انگریزوں کا خود کاشتہ پودا (اردو، ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
عام مسلمانوں کو قادیانیت کی حقیقت سمجھانے کا طریقہ (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
ایمان اور کفر کی حقیقت (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
قادیانیت کے متعلق علمائے اسلام اور سرکاری عدالتوں کا فیصلہ		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
قادیانی تحریروں کی روشنی میں قادیانیوں کی سیاسی وسماجی پوزیشن		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
دین اسلام سے قادیانیوں کا کوئی تعلق نہیں (ہندی)		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
تحریک تحفظ ختم نبوت اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب القاسمی
کوسی کا تباہ کن سیلاب اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ		(رپورٹ) شاہ جہاں شاد
شجرۂ طیبہ		مولانا محمد شاہد قاسمی
منہاج الصالحین یعنی تحفۂ متسابقین		مولانا مجتبیٰ بن احمد لولات رویدروی
المذاکرۃ التفسیریۃ یعنی تحفۂ مسابقات		مفتی عبدالرحیم فلاحی

اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر رسائل ومجلّات طباعت کے مرحلے سے گذر کر جلد ہی منظر عام پر آنے والے ہیں۔